دورِ حاضر میں درپیش جدید فقہی مسائل
اور دیگر موضوعات پر اکیس 21 تحقیقی رسائل

رسائلِ ضیائیہ

(جلد اول)

حضرت علامہ مولانا
ڈاکٹر مفتی ابوبکر صدیق عطاری دامت برکاتہم العالیہ

باہتمام
محمد امجد مدنی (بقرزون)

ناشر
صدیقی پبلشرز کراچی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

علماء اہلسنت کی کتب Pdf فائیل میں ڈاؤن لوڈ کرنے کے ٹیلگرام پر ان چینل و گروپ کو جوائن کریں

https://telegram.me/Tehqiqat
https://telegram.me/faizanealahazrat
https://telegram.me/FiqaHanfiBooks
https://t.me/misbahilibrary

آرکایو لنک

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari
https://archive.org/details/@muhammad_tariq_hanafi_sunni_lahori

بلوگسپوٹ لنک

http://ataunnabi.blogspot.in

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ابوالبا ثو سید زین العابدین قادری

دار العلوم نعیمیہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ

مجلس برائے تفتیش کتب

تاریخ: ۰۴ شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ　　　　حوالہ: ۰۳۷

تصدیق نامہ

الحمدللہ عزوجل تصدیق کی جاتی ہے کہ کتاب

”رسائل ضیائیہ“

پر **المدینة العلمیة** کے ماتحت، مجلسِ تفتیش کتب ورسائل کی جانب سے حتی الامکان احتیاط وتوجہ کے ساتھ نظرِ ثانی کی گئی ہے۔ مجلس نے اس کتاب کو عقائد، کفریہ عبارات، اخلاقیات، فقہی مسائل اور عربی عبارات وغیرہ کے حوالے سے مقدور بھر ملاحظہ کرلیا ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

فہرست

نمبر شمار	رسائل	صفحہ
1	سرکار کی آمد مرحبا	۴
2	کرنسی کا لین دین	۳۱
3	آداب مرشد	۶۲
4	پردہ اٹھتا ہے	۶۹
5	باغات اور تالاب کا ٹھیکہ	۸۸
6	مدینہ کہہ کر پکارنا	۹۶
7	داڑھی کی شرعی حیثیت	۱۰۴
8	وجد (دھمال) کی شرعی حیثیت	۱۵۸
9	پہلی منزل پر صفا و مروہ کے مابین سعی کا حکم	۱۶۹
10	فرقہ واریت کے اسباب	۱۷۷
11	مال کمانے کے ناجائز طریقے	۱۹۳
	(1) گولڈن کی کمپنی	۱۹۹
	(2) بزناس	۲۱۲
	(3) پینٹا گونا	۲۱۹
12	طہارت کے جدید فقہی مسائل	۲۲۴
13	رفع الشبہات	۲۶۱
14	قسطوں پر سامان کی خرید و فروخت	۲۹۱
15	اکٹھی تین طلاق کا شرعی حکم	۳۱۵
16	ترک جماعت کے اعذار	۳۲۶
17	بلاد کفار میں نماز جمعہ و عیدین کا شرعی حکم	۳۴۳
18	دیہات میں جمعہ و عیدین کی نماز	۳۵۲
19	Proof Of Milad-un-Nabi (Salallahu Alaihi Wasallam)	1
20	Hazir-O-Nazir	15
21	Faith Of Sacred Parents (Radi Allahu Anhuma)	24

صدیقی پبلشرز۔کراچی فون:03036201396

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

الحمدلله رب العالمین الصلوة والسلام علی محمد المذکور فی صحائف الأولین والآخرین وعلی آله واصحابه الطیبین الطاھرین۔ امابعد

دنیا میں مختلف مکاتب فکر کے لوگ بستے ہیں لیکن مجموعی طور پر تمام مکاتب فکر دو بڑی قسموں میں محصور ہیں ایک قسم تو ان لوگوں کی ہے جو مذھب پر یقین رکھتے ہیں اور دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو مذھب سے بیزار اور اس کو فکر انسانی کے لئے افیون سمجھتے ہیں۔لیکن ان لوگوں کی اس سوچ کی دنیا کے اکثر انسانوں کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے۔اور انسانوں کا وہ بڑا گروہ جو مذھب کو مانتا ہے مزید دو قسموں میں منقسم ہے ایک وہ گروہ ہے جو کسی نہ کسی الہامی مذھب کو ماننے کا دعویدار ہے اور دوسرا وہ گروہ ہے جو غیر الہامی مذھب کو مانتا ہے۔

موجودہ دور میں الہامی مذھب کے پیروکار عام طور پر تین قسم کے مذاھب یعنی اسلام، عیسائیت اور یہودیت میں محصور ہیں۔اور یہ تینوں مذاھب کسی نہ کسی الہامی کتاب کے پیروکار ہیں۔ یہود توریت اور بعض دیگر انبیاء کے صحائف کو مانتے ہیں مگر عیسی علیہ السلام اور ان پر نازل کی گئی کتاب انجیل مقدس، نبی آخر الزماں محمد مصطفیٰ ﷺ اور ان پر نازل کی گئی کتاب قرآن مجید کا انکار کرتے ہیں جبکہ عیسائی توریت انجیل اور عیسی علیہ السلام سمیت گذشتہ تمام انبیاء علیہم السلام کے ماننے کا دعوی کرتے ہیں۔مگر نبی آخر الزماں محمد مصطفیٰ ﷺ اور ان پر نازل آخری الہامی کتاب قرآن مجید کا انکار کرتے ہیں۔جبکہ اسلام کے ماننے والے محمد مصطفیٰ ﷺ سے آدم علیہ السلام تک بشمول موسیٰ اور عیسی علیہما السلام گذشتہ تمام انبیاء علیہم السلام اور ان پر نازل کی گئی تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق تمام انبیاء علیہم السلام نے اسلام ہی کی تبلیغ کی اور قرآن کی تعلیمات کے مطابق تمام انبیاء نے حضور نبی کریم رؤف رحیم محمد ﷺ کی نبوت کا اقرار کیا اور یہ وعدہ بھی کیا کہ اگر وہ ان میں سے جس نبی کے زمانے میں ظاہر ہو جائیں تو اس نبی پر انکی مدد کرنا لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

واذأخذ الله میثاق النبیین لما اتیتکم من کتاب وحکمة ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن به ولتنصرنه۔ قال ء اقررتم وأخذتم علی ذلکم اصری ۔ قالوا أقررنا ۔ قال فاشھدوا وأنا معکم من الشاھدین۔ فمن تولی بعد ذلک فأولئک ھم

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

الفاسقون۔

﴿پارہ ۳، سورۃ آل عمران ۳، آیت ۸۱﴾

ترجمہ: اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا فرمایا کیوں تم نے اقرار کیا اس پر میرا بھاری ذمہ لیا سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔ تو جو کوئی اس کے بعد پھرے تو وہی لوگ فاسق ہیں۔ ﴿کنزالایمان﴾

اسی لئے تمام انبیاء علیہم السلام حضور نبی کریم رؤف رحیم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم کے ظہور کے لئے دعائیں کرتے اور اپنی اپنی امتوں میں نبی کریم ﷺ کا تذکرہ کرتے، آپ ﷺ کے فضائل اور علامات بیان کرتے تاکہ اگر آپ ﷺ ان کے زمانے میں یا آئندہ ظاہر ہو جائیں تو وہ لوگ آپ ﷺ پر ایمان لائیں۔ امام قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ شفاء شریف میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

سمعت رسول الله ﷺ يقول انی عبدالله وخاتم النبيين وان آدم لمنجدل فی طينته وعدة ابراهيم وبشارة عيسى ابن مريم

﴿نسیم الریاض جلد ۲ صفحہ ۲۱۷ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان﴾

ترجمہ: میں نے سرکار دوعالم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں میں اس وقت سے اللہ کا بندہ اور آخری رسول ہوں جب کہ آدم علیہ السلام مٹی اور پانی کی حالت میں تھے اور میں ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔

قرآن مجید سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کو درج ذیل الفاظ میں بیان فرماتا ہے۔

واذ قال عيسى ابن مريم يبنی اسرائيل انی رسول الله اليكم مصدقا لما بين يدی من التوراة ومبشرا برسول يأتی من

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بعدی اسمہ احمد۔

﴿پارہ ۲۸، سورۃ الصف ۶۱، آیت ۶﴾

ترجمہ: اور یاد کرو جب عیسی بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمھاری طرف اللہ کا رسول ہوں اپنے سے پہلی کتاب توریت کی تصدیق کرتا ہوا اور اس رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے۔ ﴿کنزالایمان﴾

یہی وجہ ہے کہ پچھلی امتیں آپ ﷺ کو بہت اچھی طرح جانتی تھیں قرآن مجید اس حقیقت کو یوں بیان فرماتا ہے۔

الذین یتبعون الرسول النبی الأمی الذی یجدونه مکتوبا عندهم فی التوراة والأنجیل

﴿پارہ ۹، سورۃ الاعراف، آیت ۱۵۷﴾

ترجمہ: وہ جو غلامی کریں اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں

﴿کنزالایمان﴾

مذکورہ بحث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ تمام الہامی کتابوں کے ماننے والوں پر فرض تھا اور وہ یہ ہے کہ حضور نور مجسم شاہ بنی آدم سیدنا محمد عربی ﷺ پر ایمان لائیں اور اپنے سابقہ مذہب کو چھوڑ کر امام الأنبیاء علی نبینا وعلیہم السلام کی اطاعت وفرمانبرداری کریں۔ مگر یہ لوگ اسلام قبول کرنے کے بجائے شبانہ روز اپنے منسوخ اور محرف مذہب کی ترویج واشاعت میں لگے ہوئے ہیں اور سیدنا محمد عربی ﷺ کی رسالت کے انکار پر اپنی تمام توانائیاں صرف کر رہے ہیں بلکہ بھولے بھالے، دین سے ناواقف، نادان مسلمانوں کو اپنے سچے دین اسلام سے برگشتہ کر کے اپنے باطل مذہب کی طرف مائل کر رہے ہیں۔ اسی صورت حال کے پیش نظر فقیر نے ارادہ کیا کہ جدید بائبل میں سرکار دوعالم ﷺ کے بارے میں موجودہ پیشین گوئیوں کو اس کتاب میں جمع کر دیا جائے تاکہ ان الہامی مذاہب کے ماننے والوں کے لئے ہدایت کا نشان اور مسلمانوں کے لئے ازدیاد یقین کا باعث ہو۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

الہامی کتب میں سرکار ﷺ کی آمد کی خوشخبریاں

اس کتاب کے پہلے حصے میں توریت میں موجود بشارتوں میں سے دو بشارتیں بیان کی جاتی ہیں۔ ان بشارتوں کے اعتبار سے توریت ماننے والوں پر فرض ہے کہ سیدنا و مولانا محمد عربی ﷺ پر ایمان لائیں۔

پہلی بشارت

کتاب استثناء باب ۱۸ آیت ۱۸ تا ۲۲ میں ہے

"میں انکے لئے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کرونگا اور اپنا کلام اسکے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں حکم دونگا وہی وہ ان سے کہے گا۔ اور جو کوئی میری ان باتوں کو جنکو وہ میرا نام لیکر کہیگا نہ سنے تو میں ان کا حساب اس سے لونگا۔ لیکن جو نبی گستاخ بن کر کوئی ایسی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اسے حکم نہیں دیا یا اور معبودوں کے نام سے کہے وہ نبی قتل کیا جائے۔ اور اگر تو اپنے دل میں کہے کہ جو بات خداوند نے نہیں کہی ہے اسے ہم کیونکر پہچانیں؟ تو پہچان یہ ہے کہ جب وہ نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے اور اس کے مطابق کچھ واقع یا پورا نہ ہو تو وہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں بلکہ اس نبی نے وہ بات خود گستاخ بن کر کہی ہے تو اس سے خوف نہ کرنا۔"

﴿کتاب مقدس یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ مطبوعہ: بائبل سوسائٹی انار کلی، لاہور﴾

اس عبارت میں ایک آئندہ آنے والے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا ذکر کیا گیا ہے۔ عیسائیوں کے بقول وہ نبی سیدنا عیسی علیہ السلام ہیں اور یہودیوں کے نزدیک وہ یوشع علیہ السلام ہیں۔ اور مسلمانوں کے نزدیک اس عبارت میں حضور پرنور شافع یوم النشور سیدنا محمد ﷺ کے ظہور کی خبر دی گئی ہے۔ اگر عیسائیوں، یہودیوں اور مسلمانوں کے اقوال کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا جائے تو یہ بات کھل کر واضح ہو جائے گی کہ یہودیوں اور عیسائیوں کا خیال تعصب پر مبنی ہے اور حق مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ کیونکہ اس عبارت میں کچھ ایسی واضح علامات ہیں کہ جن کے مصداق سیدنا و مولانا محمد عربی ﷺ کے سوا کوئی اور نہیں ہوسکتا اور سیدنا عیسی علیہ السلام اور یوشع علیہ السلام

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بھی اس عبارت کے مصداق نہیں ہیں اس کی وجوہات درج ذیل ہیں۔

﴿۔۔۔۔۔۱۔۔۔۔۔﴾

اس عبارت میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ وہ نبی ان ہی کے بھائیوں میں سے ہوگا۔ خط کشیدہ الفاظ اس بات کی وضاحت کر رہے ہیں کہ وہ نبی بنی اسرائیل میں سے نہ ہوگا کیونکہ اس عبارت میں تمام بنی اسرائیل سے خطاب کیا گیا ہے۔اور اگر وہ نبی بنی اسرائیل میں سے ہوتا تو ان ہی کے بھائیوں کہنے کے بجائے ''انھیں میں سے ہوگا'' کہا جاتا۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ وہ نبی اسرائیلی نہ ہوگا بلکہ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے ہوگا جو بنی اسرائیل کے غیر ہونگے۔بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسماعیل، بنی عیسو اور ابراھیم علیہ السلام کی بیوی قطورا کی اولاد ہیں۔بنی عیسو اور قطورا کی اولاد میں کوئی نبی نہ ہوا اور نہ ہی کسی نے اس بارے میں کوئی دعوی کیا۔جہاں تک بنی اسماعیل کا تعلق ہے وہ بنی اسرائیل کے بھائی بھی ہیں اور ان ہی میں سے نبی آخر الزماں محمد مصطفیٰ ﷺ مبعوث بھی فرمائے گئے۔ بنی اسماعیل کے بنی اسرائیل کے بھائی ہونے کے بارے میں تو خود بائبل گواہی دیتی ہے۔

کتاب پیدائش باب ۱۶ آیت ۱۱،۱۲ میں ہے

> ''خداوند کے فرشتے نے اس سے کہا کہ تو حاملہ ہے اور تیرے بیٹا پیدا ہوگا۔اس کا نام اسماعیل رکھنا اسلئے کہ خداوند نے تیرا دکھ سن لیا ہے۔وہ گورخر کی طرح آزاد مرد ہوگا۔اسکا ہاتھ سب کیخلاف اور سب کے ہاتھ اسکے خلاف ہونگے اور وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسا رہیگا۔''

﴿کتاب مقدس یعنی پرانا اور نیا عھد نامہ مطبوعہ: انار کلی، لاہور﴾

اس آیت میں واضح طور پر فرمایا گیا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام بنی اسرائیل کے سامنے بسے رہیں گے۔اور حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کے چھوٹے بھائی تھے لہذا ان کی اولاد آپس میں بھائی ہوگی۔چنانچہ اس پیشین گوئی کے مصداق بھی بنی اسماعیل ہونگے۔پس ثابت ہوا کہ مسلمانوں کا دعوی سچا اور اس پیشین گوئی کے عین مطابق ہے جبکہ یہودیوں اور عیسائیوں کا دعوی باطل ہے جسے یہ عبارت خود رد کر رہی ہے۔

﴿۔۔۔۔۔۲۔۔۔۔۔﴾

اس عبارت میں بھیجے جانے والے نبی کے بارے میں موسی علیہ السلام سے فرمایا گیا تیری مانند ایک نبی یعنی وہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نبی سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہونگے۔مبعوث کیے جانے والے نبی کے بارے میں مذکورہ بالا خط کشیدہ الفاظ میں جو علامت بیان کی گئی ہے وہ ایسی علامت ہے جو کسی اسرائیلی میں نہیں ہوسکتی کیونکہ کتاب استثناء میں اس بات کو واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل میں موسیٰ علیہ السلام کی مانند کوئی نبی نہیں ہے وہ عبارت درج ذیل ہے۔

10.There has never been a prophet in Israel like Moses, the Lord spoke with him face to face. 11. No other prophet has ever done miracles and wonders like those that the Lord sent Moses to perform against the king of Egypt, his officials, and the entire country. 12. No other prophet has been able to do the great and terrifying things that Moses did in the sight of all Israel.

THE BIBLE

TODAY'S ENGLISH VERSION

PRINTED FROM INDIA.

ترجمہ: بنی اسرائیل میں اب تک کوئی نبی موسیٰ علیہ السلام کی مانند نہیں پیدا ہوا کہ جس سے خدا نے براہ راست کلام کیا ہو۔اور نہ ہی کسی اور نبی نے ایسے معجزے اور حیران کن کام انجام دیے جیسے کہ خدا نے موسیٰ کو مصر کے بادشاہ اور اس کے کارندوں اور پورے ملک کے خلاف کرنے کے لئے بھیجا تھا۔موسیٰ علیہ السلام کی طرح کوئی اور نبی اس طرح کے عظیم اور خطرناک کام نہ کرسکا جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اسرائیل کی نگاہوں کے سامنے کیے۔

بائبل کے اردو ایڈیشن میں بھی یہ عبارت موجود ہے مگر آیت نمبر ۱۱ اور ۱۲ کے اردو ترجمہ میں اس انداز میں تحریف کی گئی کہ موسیٰ علیہ السلام کی وہ خصوصیات جو انگلش ترجمہ میں ہیں وہ باقی نہیں رہیں۔بہرحال آیت نمبر ۱۰ لکھی جاتی ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

''اور اس وقت سے اب تک بنی اسرائیل میں کوئی نبی موسیٰ علیہ السلام کی مانند جس سے خداوند نے روبرو باتیں کی کہیں نہیں اٹھا۔''

﴿کتاب مقدس یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ مطبوعہ: انارکلی، لاہور﴾

چنانچہ سیدنا عیسیٰ اور یوشع علیہما السلام اس پیشین گوئی کے مصداق نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ ان خصوصیات کے اعتبار سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی مانند نہیں ہیں۔ جبکہ نبی آخرالزماں محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت و کردار کا مطالعہ کیا جائے تو آپ علیہ الصلوۃ والسلام میں یہ تینوں خوبیاں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(اول) موسیٰ علیہ السلام کی پہلی خصوصیت تو یہ بیان کی گئی کہ رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے براہ راست خطاب فرمایا۔ اور یہ فضیلت سیدنا امام الأنبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھی حاصل تھی چنانچہ قرآن وحدیث کے مطابق اللہ جل شانہ نے نبی مکرم حضرت محمد ﷺ سے معراج کی رات نہ صرف کلام فرمایا بلکہ شرف ملاقات بھی بخشا۔ اللہ جل شانہ اپنے آخری کلام قرآن مجید میں اس ملاقات کو یوں بیان فرماتا ہے۔

فکان قاب قوسین او ادنی ۔فاوحی الی عبدہ ماوحی۔

﴿پارہ ۲۷، سورۃ النجم ۵۳، آیت ۹، ۱۰﴾

ترجمہ: تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔

﴿کنز الایمان﴾

چنانچہ ظاہر ہوا کہ سیدنا عیسیٰ اور یوشع علیہما السلام، موسیٰ علیہ السلام کی طرح نہیں ہیں بلکہ ہمارے آقا و مولا سیدنا محمد عربی ﷺ اس وصف میں موسیٰ علیہ السلام کی مانند بلکہ ان سے بڑھ کر ہیں۔

(دوم) موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اسکے کارندوں کے مقابلے میں عظیم معجزے دکھائے۔

جس قدر حیرت انگیز معجزے ہمارے نبی مکرم سیدنا محمد ﷺ سے ظاہر ہوئے ایسے معجزے دیگر انبیاء علیہم السلام سے بھی ظاہر نہیں ہوئے بلکہ آپ علیہ السلام گذشتہ تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات کے جامع ہیں۔ کفار عرب نے جب آپ ﷺ سے چاند کے دوٹکڑے کرنے کا معجزہ طلب کیا تو آپ ﷺ نے کفار مکہ کے سامنے چاند کے دوٹکڑے اس انداز میں فرمائے کہ ایک ٹکڑا پہاڑ کی ایک جانب ہو گیا اور دوسرا ٹکڑا دوسری جانب چلا گیا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

امام المحدثین سیدنا محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ تعالی اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں

عن انس بن مالک انه حدثهم ان اهل مكة سألوا رسول الله ﷺ ان يريهم اية فاراهم انشقاق القمر

﴿حدیث نمبر: ۳۶۳۷﴾

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے حدیث بیان کی کہ اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے معجزہ طلب کیا تو آپ ﷺ نے چاند کو شق ہوتے ہوئے دکھایا۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے

فاراهم القمر شقتين حتى رأوا حراء بينهما

﴿صحیح بخاری، جلد اول، باب انشقاق القمر، صفحہ ۵۴۶ قدیمی کتب خانہ، حدیث نمبر ۳۸۶۸﴾

ترجمہ: پس آپ ﷺ نے چاند کو دو ٹکڑے کر دکھایا یہاں تک کہ کفار مکہ نے غار حراء کو چاند کے دونوں ٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔

اسی طرح غزوہ حنین کے موقع پر جب سرکار دوعالم ﷺ نے دیکھا کہ دشمن کے حملے میں تیزی آگئی ہے آپ ﷺ نے اپنے سفید خچر شریف کو آگے بڑھانا چاہا تا کہ اللہ تعالی کے دشمنوں کو سخت جواب دیا جائے مگر حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالی عنہ نے خچر شریف کی لگام اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالی عنہ نے رکاب پکڑلی کہ کہیں خچر آگے نہ بڑھ جائے اور اس حال میں نبی اکرم سرور دوعالم ﷺ فرمارہے تھے أنا النبی لا كذب ...... أنا ابن عبد المطلب یعنی میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے..... عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔ ایسے میں سرکار دوعالم ﷺ نے خچر سے زمین پر نزول فرمایا اس سے آگے امام مسلم رحمہ اللہ تعالی یوں روایت کرتے ہیں

نزل عن البغلة ثم قبض قبضة من تراب من الأرض ثم استقبل به وجوههم فقال شاهت الوجوه فما خلق الله منهم انسانا الا ملأ عينه ترابا بتلك القبضة فولوا مدبرين فهزمهم الله بذلك

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وقسم رسول الله ﷺ غنائمهم بين المسلمين.

﴿صحیح مسلم، جلد ثانی، کتاب الجهاد والسیر، باب غزوۃ الحنین، صفحہ ۱۰۱، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی﴾

ترجمہ: آپ ﷺ نے خچر سے نزول فرمایا پھر زمین سے مٹھی بھر خاک اٹھا کر دشمن کے چہروں کی طرف پھینکی اور فرمایا ان کے چہرے قبیح ہو گئے، پھر اللہ تعالی نے اس مٹھی سے ان کے ہر انسان کی آنکھ میں مٹی بھر دی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے، سو اللہ عزوجل نے ان کو شکست دی، اور رسول اللہ ﷺ نے ان کا مال غنیمت مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔

سرکار دو عالم ﷺ کے عظیم معجزات جو آپ ﷺ نے اللہ تعالی کے دشمنوں کے خلاف ظاہر فرمائے ان میں سے صرف دو بیان کئے گئے ہیں ورنہ انکے بیان کے لئے تو ضخیم کتاب بھی ناکافی ہے۔ بہر حال ان دو واقعات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ نبی اکرم شاہ بنی آدم ﷺ ہی کی وہ ذات مبارکہ ہے جو ان خصوصیات میں موسی علیہ السلام کی مانند ہے نہ کہ سیدنا عیسی اور یوشع علیہما السلام۔ لھذا اس پیشین گوئی میں مبعوث کئے جانے والے نبی سے مراد آپ ﷺ ہی ہیں۔

(سوم) موسی علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے سامنے عظیم کارنامے انجام دیے۔

جہاں تک اپنی قوم کے سامنے حیرت انگیز کام انجام دینے کا تعلق ہے اس میں بھی حضور ﷺ کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ جن میں سے چند ایک کی طرف صرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

غزوہ خندق کے موقع پر خندق کھودنے کے دوران ایسی سخت چٹان نمودار ہوئی جو کسی سے نہ ٹوٹتی تھی مگر نبی اکرم ﷺ نے اسے ایک ہی ضرب میں توڑ ڈالا۔ ایک پیالہ بھر کھانے سے چالیس افراد کو اس طرح سے کھلایا کہ سب کے پیٹ بھر گئے۔ ایک بکری کے گوشت سے سارے لشکر کو شکم سیر کر دیا۔ آپ ﷺ کی مبارک انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہوئے جس سے ایک دو نہیں بلکہ سینکڑوں انسان بشمول اپنی سواری کے جانوروں کے سیراب ہوئے اور بعد کے لئے برتنوں میں بھر کر رکھ لیا۔ چرند، پرند، شجر و حجر اطاعت اور سلام کیا کرتے تھے اور آپ ﷺ کی نبوت کی گواہی دیتے تھے۔ حیوانات سجدہ کیا کرتے تھے۔ احد پہاڑ کو خوشی میں وجد آ گیا اور آپ ﷺ کے حکم پر ٹھہر گیا۔ بارش کے لئے دعا کی اور ہاتھوں کے لوٹنے سے پہلے ہی چاروں اطراف سے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

...بادل مدینہ شریف پر سے پھٹ گئے اور بارش رک گئی۔
...رفتار ہو گیا۔ جابر رضی اللہ تعالی کے سست اونٹ کو ٹھوکا دیا اور وہ ایسا
تیز رفتار ہوا کہ روکنے پر مشکل سے رکتا تھا وغیرھا حیرت انگیز باتوں کا ظاہر ہونا۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ اس
پیشین گوئی کے مصداق صرف حضور پرنور محمد عربی ﷺ ہیں۔

موسی علیہ السلام کی ان تین خصوصیات کے علاوہ اور بھی ایسی خصوصیات ہیں جن میں سیدنا عیسی علیہ السلام موسی علیہ السلام کی مانند نہیں ہیں بلکہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہی ان خصوصیات میں موسی علیہ السلام کی مانند ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

(۱) عیسائی عقیدہ کے مطابق موسی علیہ السلام اللہ تعالی کے بندے اور رسول تھے جبکہ عیسی علیہ السلام خود مکمل خدا تھے (العیاذ باللہ) چنانچہ عیسی علیہ السلام موسی علیہ السلام کی مثل نہیں تھے بلکہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ موسی علیہ السلام کی مانند ہیں کیونکہ وہ بھی اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

(۲) سیدنا موسی علیہ السلام کی پیدائش عام انسانوں کی طرح ماں باپ کے ذریعے سے ہوئی جبکہ عیسی علیہ السلام کی پیدائش بغیر باپ کے معجزانہ طور پر ہوئی لہذا عیسی علیہ السلام موسی علیہ السلام کی مثل نہیں ہیں بلکہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ موسی علیہ السلام کی مانند ہیں کیونکہ ان کی پیدائش بھی دیگر انسانوں کی طرح ماں باپ کے ذریعے سے ہوئی۔

(۳) سیدنا موسی علیہ السلام نے شادی کی اور ان کی اولاد ہوئی جبکہ عیسی علیہ السلام نے شادی ہی نہیں فرمائی پس ان کے اولاد بھی نہ ہوئی لہذا عیسی علیہ السلام موسی علیہ السلام کی مثل نہیں ہیں بلکہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ موسی علیہ السلام کی مانند ہیں کیونکہ آپ ﷺ نے شادیاں بھی فرمائیں اور آپ ﷺ کی اولاد بھی ہوئی۔

(۴) موسی علیہ السلام نے نبی ہونے کے ساتھ ساتھ حاکم ہونے کے بھی فرائض انجام دیے جبکہ عیسی علیہ السلام صرف نبی تھے ساری زندگی ظاہری حکومت نہ کی لہذا عیسی علیہ السلام موسی علیہ السلام کی مثل نہیں ہیں بلکہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ موسی علیہ السلام کی مانند ہیں کیونکہ آپ ﷺ نے نبوت کے فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ حاکم کے بھی فرائض انجام دیے۔

(۵) سیدنا موسی علیہ السلام نے اپنی امت کو جہاد کا حکم دیا جب کہ بائبل کے مطابق عیسی علیہ السلام نے یہ تعلیم

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

دی کہ اگر کوئی ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا گال آگے کر دو لہذا عیسی علیہ السلام، موسی علیہ السلام کی مثل نہیں ہیں بلکہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ موسی علیہ السلام کی مانند ہیں کیونکہ آپ ﷺ نے اپنی امت کو نہ صرف جہاد کا حکم فرمایا بلکہ خود بنفس نفیس جہاد بھی فرمایا۔

(۶) سیدنا موسی علیہ السلام کی شریعت میں عبادت کے وقت طہارت ضروری ہے جبکہ موجودہ انجیلوں کے مطابق عیسی علیہ السلام کی شریعت میں باطنی طہارت کافی ہے لہذا عیسی علیہ السلام موسی علیہ السلام کی مثل نہیں ہیں بلکہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ موسی علیہ السلام کی مانند ہیں کیونکہ سیدنا محمد عربی ﷺ کی شریعت میں بھی عبادت مثلاً نماز کے وقت طہارت ضروری ہے۔

(۷) موسی علیہ السلام کی شریعت میں زنا کی سزا سنگسار کرنا ہے جبکہ عیسی علیہ السلام کی شریعت میں ایسا کوئی حکم نہیں ہے لہذا عیسی علیہ السلام موسی علیہ السلام کی مثل نہیں ہیں بلکہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ موسی علیہ السلام کی مانند ہیں کیونکہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام کی شریعت میں بھی شادی شدہ زانی اور زانیہ کی سزا سنگسار ہے۔

(۸) اسی طرح موسی علیہ السلام کی شریعت میں حدود وقصاص اور دیگر سزاؤں کی تعیین پائی جاتی ہے جبکہ عیسی علیہ السلام کی شریعت میں ایسے احکام نہیں ہیں لہذا عیسی علیہ السلام، موسی علیہ السلام کی مثل نہیں ہیں بلکہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ موسی علیہ السلام کی مانند ہیں کیونکہ آپ ﷺ کی شریعت مطہرہ میں یہ تمام احکام پائے جاتے ہیں۔

(۹) موسی علیہ السلام کی وفات بستر پر ہوئی جبکہ عیسائیوں کے باطل عقیدے کے مطابق عیسی علیہ السلام کی وفات سولی پر ہوئی (اسلامی عقیدے کے مطابق عیسی علیہ السلام زندہ ہیں۔ انھیں سولی پر ہرگز نہیں لٹکایا جاسکا بلکہ اللہ تعالی نے انھیں آسمان پر اٹھالیا تھا) لہذا عیسی علیہ السلام، موسی علیہ السلام کی مثل نہیں ہیں بلکہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ موسی علیہ السلام کی مانند ہیں کیونکہ آپ ﷺ کی وفات مبارکہ اپنے پیاروں کے درمیان بستر پر ام المؤمنین عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالی عنہا کی گود میں ہوئی۔

(۱۰) موسی علیہ السلام اپنی وفات کے بعد قبر میں مدفون ہیں جبکہ عیسی علیہ السلام عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق تین دن بعد اپنی قبر سے باہر تشریف لے آئے لہذا عیسی علیہ السلام، موسی علیہ السلام کی مثل نہیں ہیں بلکہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ موسی علیہ السلام کی مانند ہیں کیونکہ آپ ﷺ بھی قبر میں دفن کیے گئے اور آج بھی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اپنے مزار پر انوار سے سب کچھ ملاحظہ فرمارہے ہیں۔

(۱۱) موسی علیہ السلام سعید تھے جبکہ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق (معاذ اللہ) عیسی علیہ السلام اپنی امت کی وجہ سے ملعون ہوئے لہذا عیسی علیہ السلام موسی علیہ السلام کی مثل نہیں ہیں بلکہ حضرت محمد مصطفی ﷺ موسی علیہ السلام کی مانند ہیں کیونکہ آپ ﷺ نہ صرف خود سعید تھے بلکہ اپنے لطف وکرم سے آج تک لوگوں کو سعید بنارہے ہیں۔

سیدنا موسی علیہ السلام اور سیدنا محمد عربی ﷺ فداہ امی وابی کے درمیان مماثلت کی چند وجوہات بیان کی گئی ہیں اسکے علاوہ اور بھی کئی وجوہات سے مماثلت ثابت کی جاسکتی ہے مگر یہ مختصر رسالہ اس کا متحمل نہیں ہوسکتا بہر حال نظر انصاف رکھنے والے اتنا بھی پڑھ کر بلا پس وپیش کہہ اٹھیں گے کہ سیدنا محمد عربی ﷺ ہی اس پیشن گوئی کے مصداق ہیں۔

﴿......۳......﴾

اس عبارت میں جس نبی کے بارے میں پیشن گوئی کی گئی ہے اس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ مستقبل میں مبعوث کئے جائیں گے جیسا کہ خط کشیدہ الفاظ برپا کرونگا سے ظاہر ہے۔ چنانچہ اس سے یہ بات تو واضح ہوگئی کہ یہودیوں کا یہ کہنا کہ وہ نبی یوشع علیہ السلام ہیں غلط ہے کیونکہ یوشع علیہ السلام تو اس وقت موجود تھے پھر ان کا مبعوث کیا جانا کیا معنی رکھتا ہے۔اور وہ عیسی علیہ السلام بھی نہیں ہوسکتے جیسا کہ اس کی وضاحت کی جاچکی ہے۔چنانچہ اس کے مصداق محمد عربی ﷺ فداہ امی وابی کے سوااور کوئی نہیں ہوسکتا۔

﴿......۴......﴾

اس پیشین گوئی میں رب تعالی نے فرمایا کہ اپنا کلام اسکے منہ میں ڈالوں گا یہ خط کشیدہ الفاظ اس بات پر دلالت کررہے ہیں کہ مبعوث کیے جانے والے نبی اُمّی (جس نے انسانوں سے تعلیم حاصل نہ کی ہو) ہونگے اوران پر کتاب بھی نازل کی جائے گی۔ یہ دونوں وصف سیدنا یوشع علیہ السلام میں تو نہیں پائے جاتے کیونکہ نہ تو اُمّی تھے اور نہ ان پر کوئی نئی کتاب نازل ہوئی۔اسی طرح سیدنا عیسی علیہ السلام بھی اس پیشین گوئی کے مصداق نہیں ہوسکتے کیونکہ آپ علیہ السلام بھی امی نہ تھے بلکہ آپ علیہ السلام نے کتاب یسعیاہ پڑھی تھی۔لوقا باب ۴ آیت ۱۶،۱۷ میں ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

''اور وہ ناصرہ میں آیا جہاں اس نے پرورش پائی تھی اور اپنے دستور کے موافق سبت کے دن عبادت خانے میں گیا اور پڑھنے کو کھڑا ہوا۔ اور یسعیاہ نبی کی کتاب اسکو دی گئی اور کتاب کھول کر اس نے وہ مقام نکالا جہاں یہ لکھا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔''

﴿کتاب مقدس یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ مطبوعہ: انارکلی لاہور﴾

جبکہ حضور پرنور محمد عربی ﷺ پر کتاب کا نازل کیا جانا ایسا روشن امر ہے جو کہ محتاج دلیل نہیں ہے اور آپ ﷺ کا امّی ہونا خود قرآن مجید اور احادیث کریمہ سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

الذین یتبعون الرسول النبی الأمی الذی یجدونه مکتوبا عندهم فی التوراة والأنجیل یأمرهم بالمعروف وینهاهم عن المنکر ویحل لهم الطیبات ویحرم علیهم الخبائث ویضع عنهم اصرهم والأغلال التی کانت علیهم فالذین آمنوا به وعزروه ونصروه واتبعوا النور الذی انزل معه اولئک هم المفلحون۔

﴿پارہ ۹، سورۃ الاعراف ۷، آیت ۱۵۷﴾

ترجمہ: وہ جو غلامی کریں اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں وہ انھیں بھلائی کا حکم دے گا اور برائی سے منع فرمائے گا اور ستھری چیزیں ان کے لئے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام فرمائے گا اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جوان پر تھے اتارے گا تو وہ جو اس پر ایمان لائیں اور تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا وہی بامراد ہوئے۔

﴿کنزالایمان﴾

اس آیت مبارکہ میں نہ صرف آپ ﷺ کا امّی ہونا بلکہ صاحب قرآن ہونا بھی بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ بھی بتا دیا گیا کہ آپ ﷺ کا ذکر مبارک توریت اور انجیل میں بھی ہے۔ چنانچہ ظاہر ہوا کہ اس پیشین گوئی کے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اس عبارت میں مبعوث کیے جانے والے نبی کا ایک وصف یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جو کچھ میں حکم دونگا وہی وہ ان سے کہے گا۔ خط کشیدہ الفاظ سے ظاہر ہے کہ وہ نبی مبعوث اپنی جانب سے کچھ بھی نہ کہیں گے بلکہ جو کچھ بھی ان کی زبان مبارکہ سے صادر ہوگا وہ وحی الٰہی کے تحت ہوگا۔ اور یہ ایسا وصف ہے جو نبی آخر الزمان محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے علاوہ کسی اور کے لئے بیان نہیں کیا گیا۔ اللہ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے

وماینطق عن الھوی۔ ان ھو الا وحی یوحی۔

﴿پارہ ۲۷، سورۃ النجم ۵۳، آیت ۳، ۴﴾

ترجمہ: اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انھیں کی جاتی ہے۔

﴿کنز الایمان﴾

حضور پرنور شاہ بنی آدم محمد عربی ﷺ کی زبان مبارکہ سے خوشی، غمی، غضب، مزاح الغرض ہر حال میں حق ہی صادر ہوتا تھا۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں

عن عبداللہ بن عمرو قال کنت اکتب کل شیء اسمعه من رسول اللہ ﷺ ارید حفظه فنھتنی فقالوا قریش اتکتب کل شیء تسمعه ورسول اللہ ﷺ بشر یتکلم فی الغضب والرضا فأمسکت عن الکتابة فذکرت ذلک الی رسول اللہ ﷺ فأومأ الی فیه فقال اکتب فوالذی نفسی بیده مایخرج منه الا حق۔

﴿سنن ابوداؤد، کتاب العلم، صفحہ ۵۱۳، ۵۱۴، مطبوعہ: نور محمد کتب خانہ کراچی﴾

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنھما سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ میں جو کچھ رسول اللہ ﷺ سے سنتا تھا محفوظ رکھنے کے لئے لکھ لیا کرتا تھا پس مجھ کو قریش کے بعض لوگوں نے اس سے منع کر دیا اور کہا کہ کیا تم رسول اللہ ﷺ کی ہر بات لکھ لیتے ہو حالانکہ وہ بشر ہیں کبھی غضب میں گفتگو فرماتے ہیں اور تو کبھی خوشی میں پس میں نے لکھنا ترک کر دیا پھر میں نے اس بات کا تذکرہ سرکار دو عالم ﷺ سے کیا تو سرکار ﷺ نے اپنے مبارک دہن (منہ) کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حکم فرمایا کہ لکھو قسم ہے اس ذات کی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترک کردیا پھر میں نے اس بات کا تذکرہ سرکار دوعالم ﷺ سے کیا تو سرکار ﷺ نے اپنے مبارک دہن (منہ) کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حکم فرمایا کہ لکھو قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔

چنانچہ ظاہر ہوا کہ اس پیشن گوئی کے حقیقی مصداق ہمارے آقا و مولا محمد عربی ﷺ کے سوا کوئی اور نہیں ہوسکتا۔

﴾......٦......﴿

اس پیشن گوئی میں کہا گیا ہے کہ اور جو کوئی میری ان باتوں کو جنکو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے تو میں ان کا حساب اس سے لوں گا اس سے مراد آخرت کا عذاب یا دنیاوی عظیم عذاب نہیں ہے کیونکہ آخرت کا عذاب ہر نبی کے نافرمان کو ہوگا اور دنیاوی عذاب بھی کئی انبیاء کرام علیہم السلام کی نافرمان امتوں پر کیا گیا ہے چنانچہ یہ دونوں قسم کے عذاب کسی قوم کو دیے جانا کسی نبی کے لئے خاصہ نہیں بن سکتے بلکہ اس سے مراد اس نبی علیہ السلام کی شریعت کی نافرمانی کرنے والوں کو دنیاوی طور پر قوانین شریعت کے تحت سزا دینا ہے۔ اور یہ بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملے میں درست نہیں کیونکہ آپ کی کوئی ظاہری حکومت نہ تھی اس لئے قوانین شریعت کا نفاذ بھی نہ ہوا۔ جب کہ سرکار دوعالم ﷺ پر یہ بات سو فیصد صادق آتی ہے۔ چنانچہ اس پیشین گوئی میں نبی مبعوث سے مراد ہمارے پیارے آقا ﷺ ہی ہیں۔

﴾......٧......﴿

اس پیشین گوئی میں کہا گیا ہے کہ جو نبی گستاخ بن کر کوئی ایسی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اسے حکم نہیں دیا یا اور معبودوں کے نام سے کہے وہ نبی قتل کیا جائے ۔پیشین گوئی کے ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ اگر وہ نبی خدا تعالیٰ پر بہتان باندھے تو اس کو قتل کردیا جائے گا۔ اور یہی حکم اللہ تعالیٰ کے سچے کلام قرآن مجید میں بیان ہوا۔ ارشاد ربانی ہے۔

ولو تقول علینا بعض الاقاویل لأخذنا منه بالیمین ثم لقطعنا منه الوتین۔ فما منکم من احد عنه حاجزین۔

﴾پارہ ٢٩، سورۃ الحاقۃ ٦٩، آیت ٤٤ تا ٤٧﴿

ترجمہ: اور اگر وہ ہم پر ایک بات بھی بنا کر کہتے ضرور ہم ان سے بقوت بدلہ لیتے پھر ان کی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تو معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم رؤوف رحیم محمد مصطفیٰ ﷺ ہی اس پیشین گوئی کے مصداق اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے قتل سے محفوظ رکھا۔ جبکہ عیسائیوں کے باطل عقیدے کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام اس پیشین گوئی کے مصداق نہیں ہو سکتے کہ ان کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لٹکا کر مار دیا گیا تھا۔

﴿......۸......﴾

اس پیشین گوئی میں کہا گیا ہے کہ اس کے مطابق کچھ واقع یا پورا نہ ہو تو وہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں بلکہ اس نبی نے وہ بات خود گستاخ بن کر کہی ہے تو اس سے خوف نہ کرنا۔"

پیشین گوئی کے ان الفاظ میں سچے اور جھوٹے نبی کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ اگر وہ نبی کسی آئندہ ہونے والی بات کے بارے میں کچھ کہے اور پوری نہ ہو تو وہ جھوٹا نبی ہے ورنہ سچا ہے۔ اگر سچی نبوت کی جانچ کے اسی معیار کے مطابق نبی غیب دان صادق و مصدوق محمد مصطفیٰ ﷺ کی بیان کردہ خبروں اور پیش گوئیوں کو پرکھا جائے تو یہ حقیقت ساری دنیا کے عیسائیوں اور یہودیوں پر روز روشن کی طرح عیاں ہو جائیگی کہ آپ ﷺ ہی اس پیش گوئی کے مصداق اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں۔ اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کی بیان کردہ چند ایک خبروں کو پیش کیا جاتا ہے۔

پہلی

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے رومیوں کی ایرانیوں کے خلاف فتح کے بارے میں ایسے وقت میں وحی نازل فرمائی جبکہ رومی ایرانیوں سے شکست کھا چکے تھے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

الم۔ غلبت الروم۔ فی ادنی الأرض وهم من بعد غلبهم سيغلبون۔ فی بضع سنين لله الأمر من قبل ومن بعد ويومئذ يفرح المؤمنون۔ بنصرالله ينصر من يشاء وهو العزيز الرحيم۔ وعدالله لايخلف الله وعده ولكن اكثر الناس لا يعلمون۔ يعلمون ظاهرا من الحيوة الدنيا وهم عن الأخرة هم غفلون۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

﴿پارہ ۲۱، سورۃ الروم ۳۰، آیت ۱ تا ۷﴾

ترجمہ: رومی مغلوب ہوئے پاس کی زمین میں اور اپنی مغلوبی کے بعد عنقریب غالب ہونگے چند برس میں حکم اللہ ہی کا ہے آگے اور پیچھے اور اس دن ایمان والے خوش ہونگے اللہ کی مدد سے، مدد کرتا ہے جس کی چاہے اور وہی ہے عزت والا مہربان اللہ کا وعدہ، اللہ اپنا وعدہ خلاف نہیں کرتا لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔ جانتے ہیں آنکھوں کے سامنے کی دنیوی زندگی اور وہ آخرت سے پورے بے خبر ہیں۔

﴿کنز الایمان﴾

ان آیات مبارکہ کا شان نزول یہ ہے کہ جب ایران کے آتش پرستوں اور روم کے عیسائیوں کی آپس میں جنگ ہوئی اس جنگ میں آتش پرست رومی عیسائیوں پر غالب آئے۔ جب یہ خبر مکہ کے مشرکوں کو پہنچی تو انھوں نے مسلمانوں سے کہا کہ ہم اور ایرانی لوگ ناخواندہ ہیں۔ وہ بھی کسی کتاب پر ایمان نہیں رکھتے اور ہم بھی لہذا وہ ہمارے بھائی ہوئے جبکہ تم اور رومی عیسائی کتاب کو ماننے والے ہو لہذا تم آپس میں بھائی بھائی ہو۔ جس طرح آتش پرست رومیوں پر غالب آئے ہیں اسی طرح ہم لوگ بھی تم پر غالب آئیں گے تو اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے اس موقع پر کافروں سے کہا کہ اللہ تمھاری مرادوں کو پورا نہ کرے۔ خدا کی قسم چند سالوں میں رومی آتش پرستوں پر غالب آئیں گے۔ اس پر ابی ابن خلف نے کہا تم جھوٹے ہو، لہذا ہم آپس میں کسی مدت پر شرط لگا لیتے ہیں۔ چنانچہ دونوں جانب سے دس دس اونٹوں پر شرط لگا لی گئی اور تین سال کی مدت مقرر ہوئی۔ جب صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے اس بات کی اطلاع نبی کریم ﷺ کو دی تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بضع کا اطلاق تین سے نو تک پر ہوتا ہے لہذا تم اونٹوں کی تعداد میں اضافہ کرلو اور مدت بڑھالو۔ چنانچہ نو سال کی مدت مقرر کر دی گئی اور اونٹوں کی تعداد سو کر دی گئی۔ ٹھیک سات سال بعد رومی عیسائی ایران کے مجوسیوں پر غالب آ گئے مگر اس دوران ابی ابن خلف مر چکا تھا لہذا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے اس کے وارثوں سے سو اونٹ وصول فرمائے۔

دوسری

اللہ تعالی نے قرآن مجید میں مسلمانوں کو مسجد حرام میں امن وسکون کے ساتھ داخلے کی اطلاع اس وقت دی تھی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جبکہ مسجد حرام کفار مکہ کے قبضہ میں تھی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

لتدخلن المسجد الحرام ان شاء الله آمنين محلقين رؤسكم ومقصرين لاتخافون۔

﴿پارہ ۲۶، سورۃ الفتح ۴۸، آیت ۲۷﴾

ترجمہ: بے شک تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہوگے اگر اللہ چاہے امن وامان سے اپنے سروں کے بال منڈاتے ترشواتے بے خوف۔

﴿کنزالایمان﴾

چنانچہ فتح مکہ کے وقت سرکار دوعالم ﷺ اپنے جانثار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کے ساتھ اسی طرح حرم شریف میں داخل ہوئے۔

مذکورہ بالا تشریح کے بعد ہر عقل مند انصاف پسند انسان بے اختیار یہ کہے گا کہ اس پیشین گوئی کے مصداق سیدنا محمد عربی ﷺ کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوسکتا۔

دوسری بشارت

اب توریت سے دوسری پیشین گوئی پیش کی جاتی ہے جو کہ پہلی پیشین گوئی کی مؤید ہے اور اس میں تشریف لانے والے نبی کی مزید نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔ کتاب استثناء باب ۳۳ آیت ۱ تا ۳ میں ہے۔

"The Lord came up from Sinai, and rose up from Seir unto them, He shined forth from mount Paran and He came with ten thousands of saints, from his right hand went a feiry law. Yea he loved the people, all his saints are in thy hand and they sat down at thy feet, everyone shall receive thy words.

(Due 33: 2,3)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

The Holy Bible

Thomas Nelson INC.

Nashvilli / New York

ترجمہ: اور خدا سینا سے آیا اور ان کے سامنے شعیر سے بلند ہوا اور پھر وہ فاران پر چمکا اور وہ دس ہزار (۱۰۰۰۰) نیک لوگوں کے ساتھ آیا اس کے داہنے ہاتھ میں آتشی شریعت تھی ہاں وہ لوگوں سے محبت کرتا تھا اور اس کے تمام نیک ساتھی تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ سب تیرے قدموں میں بیٹھتے ہیں اور ہر ایک تیری بات مانے گا۔''

اس پیشین گوئی کی شرح کرنے سے پہلے یہ جان لیا جائے کہ اس پیشین گوئی میں حضور نبی کریم محمد مصطفیٰ ﷺ کی ایسی کھلی نشانیاں بیان کی گئی ہیں کہ ہر انصاف پسند علم دوست انسان ذرا سے تدبر کے بعد برملا کہہ اٹھے گا کہ یہ پیشین گوئی نبی آخر الزماں محمد مصطفیٰ ﷺ کی نعت مبارکہ ہے۔ مگر افسوس صد افسوس اس پیشین گوئی میں بھی اس انداز میں تبدیلیاں کردی گئی ہیں کہ اب حقیقت تک پہنچنا انتہائی مشکل ہوگیا ہے۔ پہلے اس عبارت کی تشریح کی جاتی ہے تاکہ اس عبارت میں تبدیلی کرنے کا سبب بآسانی جانا جاسکے۔

مذکورہ بالا پیشین گوئی کی ابتداء میں کہا گیا ہے کہ خدا سینا سے آیا اور سینا کوہ طور کا دوسرا نام ہے چنانچہ اس سے مراد خداوند تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام کو توریت عطا فرمانا ہے اور شعیر سے مراد وہ پہاڑ ہے جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام عبادت کیا کرتے تھے۔ آج کل یہ پہاڑ جبل الخلیل کے نام سے مشہور ہے۔ ہدایۃ الحیاری میں ابن قیم نے لکھا کہ ساغیر (شعیر) کے نام سے آج تک وہاں ایک بستی آباد ہے۔ تو خدا کے شعیر کے سامنے سے بلند ہونے سے مراد سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل عطا فرمانا ہے۔ فاران پر خدا کے چمکنے سے اشارہ ہے نزول قرآن مجید کی طرف۔ کیونکہ فاران مکہ شریف کے ایک پہاڑ کا نام ہے اور اس بات کو خود بائبل ثابت کرتی ہے۔ چنانچہ کتاب پیدائش باب ۲۱ آیت ۱۷ تا ۲۱ میں ہے

''خدا نے اس لڑکے کی آواز سنی اور خدا کے فرشتے نے آسمان سے ہاجرہ کو پکارا اور اس سے کہا اے ہاجرہ تجھ کو کیا ہوا؟ مت ڈر کیونکہ خدا نے اس جگہ سے جہاں لڑکا پڑا ہے اسکی آواز سن لی ہے۔ اٹھ اور لڑکے کو اٹھا اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کیونکہ میں اسکو ایک بڑی قوم

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کہا اے ہاجرہ تجھ کو کیا ہوا؟ مت ڈر کیونکہ خدا نے اس جگہ سے جہاں لڑکا پڑا ہے اسکی آواز سن لی ہے۔ اٹھ اور لڑکے کو اٹھا اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کیونکہ میں اسکو ایک بڑی قوم بناؤنگا۔ پھر خدا نے اسکی آنکھیں کھولیں اور اس نے پانی کا ایک کنواں دیکھا اور جا کر مشک کو پانی سے بھر لیا اور لڑکے کو پلایا۔ اور خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑا ہوا اور بیابان میں رہنے لگا اور تیر انداز بنا۔ اور وہ فاران کے بیابان میں رہتا تھا اور اسکی ماں نے ملک مصر سے اسکے لئے بیوی لی۔"

﴿کتاب پیدائش باب ۲۱ آیت ۱۷ تا ۲۱﴾

اس عبارت اور اس سے ماقبل میں سیدنا اسماعیل علیہ السلام کا حال بیان ہوا ہے کہ کس طرح سیدنا ابراھیم علیہ السلام نے اللہ تعالی کے حکم پر عمل کرتے ہوئے اپنی صابرہ زوجہ سیدتنا ہاجرہ رضی اللہ تعالی عنھا اور اپنے شیر خوار بیٹے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو مکہ کے بیابان میں تنہا اللہ تعالی کے آسرے پر چھوڑا تھا اور اللہ تعالی نے خصوصی کرم فرماتے ہوئے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے لئے زمزم کو جاری فرمایا۔ اور اس بات کی بھی وضاحت کردی گئی ہے کہ اس جگہ کا نام فاران تھا۔ تمام منصف مزاج مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام مکہ شریف میں پلے بڑھے تھے اور ان کے لئے جاری کیے جانے والا مبارک پانی زمزم شریف مکہ المکرمہ ہی میں جاری ہوا تھا۔ چنانچہ اس پیشین گوئی میں فاران سے مراد مکہ شریف ہی ہے۔ اور سارا عالم جانتا ہے کہ مکہ شریف کو اللہ کے محبوب نبی آخرالزماں محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنی ولادت کے خصوصی شرف سے نوازا اور مکہ شریف ہی کی پہاڑیوں پر آپ ﷺ پر قرآن مجید نازل ہوا۔ قرآن عظیم میں بھی ان تینوں مقامات کو خصوصی طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے۔

والطين والزيتون وطور سينين وهذا البلد الأمين.

﴿پارہ ۳۰، سورۃ التین ۹۵، آیت ۱، ۲، ۳﴾

ترجمہ: انجیر کی قسم اور زیتون اور طور سینا اور اس امان والے شہر کی۔

﴿کنزالایمان﴾

انجیر اور زیتون سے مراد وہ جگہ ہے جو انجیر اور زیتون کی پیداوار کے لحاظ سے معروف ہو جیسا کہ اگلی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

آیات مبارکہ میں بھی دو مقامات کا ذکر کیا گیا ہے۔اہل علم جانتے ہیں کہ انجیر اور زیتون والی جگہ ملک شام ہے جو سیدنا عیسی علیہ السلام کی جائے پیدائش ہے اور کوہ شعیر بھی اسی علاقے میں واقع ہے۔اور طور سینا سے مراد کوہ طور جہاں سیدنا موسی علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی اور بلد امین سے مراد مکہ معظمہ ہے جہاں آپ ﷺ کی ولادت مبارکہ ہوئی اور نزول وحی کی ابتداء ہوئی۔پھر اس پیشین گوئی میں جس نبی کی آمد کی بشارت دی گئی ہے اس کی مزید نشانیاں بیان کی گئی ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

﴿......۱......﴾

اس بشارت میں کہا گیا ہے کہ وہ دس ہزار (۱۰۰۰۰) نیک لوگوں کے ساتھ آیا ۔اس عبارت سے مراد یہ ہے کہ آنے والا نبی جس جگہ ظاہر ہوگا کبھی اسی جگہ دس ہزار نیک سیرت لوگوں کے ساتھ آئیگا۔یہ ایسی نشانی ہے جو صرف سیدنا محمد عربی فداہ امی وابی ﷺ ہی میں پائی جاتی ہے۔حضور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ جب آپ ﷺ فتح مکہ کے موقع پر مکہ شریف میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ کے ساتھ تقریباً دس ہزار (۱۰۰۰۰) صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا عظیم الشان لشکر تھا۔اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے نیک اور پارسا ہونے میں سوائے بد بخت کے کوئی شک نہیں کرسکتا۔صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سرکار دو عالم ﷺ کی صحبت بابرکت سے ایسے اعلیٰ مقامات پر فائز ہیں کہ کوئی بڑے سے بڑا ولی بھی ان کے درجے کو نہیں پاسکتا۔صحابہ کرام کی عملی زندگیاں ان کی نیکوئی اور پارسائی کی روشن دلیل ہیں بلکہ اس کا اعتراف تو خود کفار بھی کرتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ جب ایک عیسائی نے دنیا کے سو بہترین انسانوں کے بارے میں The Hundereds نامی کتاب لکھی تو پہلے نمبر پر آقا علیہ الصلوۃ والسلام کا تذکرہ مبارکہ کیا اور پھر دوسرے نمبر پر آپ ﷺ کے تربیت یافتہ صحابی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر کیا۔

﴿......۲......﴾

اس بشارت میں کہا گیا ہے کہ اس کے داہنے ہاتھ میں آتشی شریعت تھی۔ ان الفاظ میں شریعت مطہرہ کی خوبی کا ذکر کیا گیا ہے۔اور اس سے مراد یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس نبی کی شریعت کے قوانین ایسے روشن ہونگے کہ ہر ایک اس کی اچھائی کا اعتراف کریگا۔اگر اس معنی کے اعتبار سے مذاہب عالم کو دیکھا جائے تو اسلام ہی اس کا اولین مصداق نظر آتا ہے کہ جس کا اعتراف غیر مسلم بھی کرتے ہیں۔اس سلسلے میں غیر مسلم مصنفین میں سے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

صرف دو کی آراء بیان کی جاتی ہیں۔ مشہور مؤرخ ایڈورڈ گبن لکھتا ہے

" More pure than the system of Zoroaster, more liberal than the law of Moses(Peace be upon him), the religion of Mahomet might seems less inconsistent with reason than the creed of mystery and superstition which, in the seventh century, disgraced the simplicity of the Gospels."

(The history of the decline and fall of Roman Empire. vol.V P. 487

ترجمہ: زرتشت کے مذھب سے زیادہ پاکیزہ، موسی علیہ السلام کی شریعت سے زیادہ سہولت والا، محمد (ﷺ) کا دین عقل کے کم متصادم ہے بمقابلہ اس مذھبی توھم پرستی اور باطنیت کے کہ جس نے ساتویں صدی میں بائبل کی سادگی کو رسوا کر کے رکھ دیا تھا۔

ایڈمنڈ بورک کہتا ہے

" The Muhammadan law which is binding on all from the crowned head to the meanest subject, is a law interwoven with a system of the wisest, the most learned and the most enlightened ever existed in the world that jurisprudence.

(Edmund Burke: In the Impeachment of Warren Hasting.

ترجمہ: محمدی شریعت (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) جو کہ تمام انسانوں، تاج والے سے لیکر ایک ادنی آدمی تک پر بھی لاگو ہے، ایک ایسی شریعت ہے جو انتہائی معقول، تہذیب

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یافتہ اور ایسی روشن فقہ سے مربوط ہے کہ جس کی عالم میں نظیر نہیں ملتی۔
اور آتشی شریعت سے مراد اگر یہ لیا جائے کہ یہ شریعت خدا کے دشمنوں پر سخت ہے تو یہ بھی درست ہے کہ اسلام میں اللہ تعالی کے باغیوں اور دشمنوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ اللہ جل شانہ نے قرآن مجید میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کا یہ وصف بھی بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے

واشداء علی الکفار

﴿پارہ ۲۶ سورۃ الفتح ۴۸ آیت ۲۹﴾

ترجمہ: کافروں پر سخت ہیں

﴿کنز الایمان﴾

﴿......۳......﴾

اس بشارت میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہاں وہ لوگوں سے محبت کرتا تھا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ نبی اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین سے یا اپنی تمام امت سے محبت کرے گا۔ بے شک یہ سرکار دو عالم رحمۃ للعالمین ﷺ کا ایسا وصف ہے کہ جس میں کوئی اور نبی علیہ السلام آپ ﷺ کا شریک نہیں ہے۔ سرکار ﷺ کا اپنی امت سے محبت کا یہ عالم تھا کہ ہر وقت اسکی فکر میں رہتے تھے حتی کہ جب اس دنیا کو اپنے وجود مسعود سے زینت دی تو آپ ﷺ کی زبان مبارکہ پر رب ھب لی امتی (اے مرے رب میری امت کا معاملہ میرے ہاتھ میں دیدے) جاری تھا۔ اللہ جل شانہ قرآن مجید میں آپ ﷺ کے اس وصف کے بارے میں فرماتا ہے

لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رء وف رحیم۔

﴿پارہ ۱۱، سورۃ التوبۃ ۹، آیت ۱۲۸﴾

ترجمہ: بے شک تمھارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمھارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمھاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان۔

﴿کنز الایمان﴾

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جب نبی کریم ﷺ اپنی امت سے اتنی محبت کرتے تھے تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی آپس میں خوب محبت کیا کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے

رحماء بینهم

﴿پارہ ۲۶ سورۃالفتح ۴۸ آیت ۲۹﴾

ترجمہ: آپس میں نرم دل

﴿کنزالایمان﴾

لہذا ثابت ہوا کہ یہ بشارت نبی کریم رؤف رحیم محمد مصطفیٰ ﷺ کے بارے ہی میں ہے۔

﴿......۴......﴾

اس بشارت میں کہا گیا ہے کہ اور اس کے تمام نیک ساتھی تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ سب تیرے قدموں میں بیٹھتے ہیں اور ہر ایک تیری بات مانے گا۔ ''بشارت کے اس حصے میں تشریف لانے والے نبی کے ساتھیوں کا وصف بیان کیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی اور عبادت کرنے والے اور حکم بجالانے والے ہونگے۔اگر انبیاء سابقین علیہم السلام پر ایمان لانے والے لوگوں کا موازنہ کیا جائے تو یہ وصف حضور نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی میں درجہ کمال کی حد تک پایا جاتا تھا۔جبکہ یہ بات اس حد تک موسیٰ عیسیٰ علیہما السلام کے ساتھیوں میں نہیں پائی جاتی تھی۔جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق قوم جبارین سے جہاد کرنے کے لئے فرمایا تو ان لوگوں نے انکار کردیا اور جواب دیا کہ تم اور تمھارا رب جہاد کے لئے جائیں ہم لوگ یہاں بیٹھے ہیں اور جب یہودی عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دینے کے لئے سولی کی طرف لے جانے لگے تو عیسیٰ علیہ السلام کے حواری وہاں نہ ٹھہرے مگر جب حضور خاتم النبیین سیدنا محمد عربی فداہ امی وابی ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جہاد کے لئے فرمایا تو سب نے اپنی جان قربان کرنے کا عہد کیا اور عرض کیا کہ ہم موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح نہیں ہیں بلکہ آپ ﷺ ہمیں سمندر میں چھلانگ لگانے کے لئے کہیں تو ہم آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں پس وپیش نہیں کرینگے۔ اس بشارت میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے بیان کئے گئے وصف کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان فرمایا

تراهم ركعا سجدا يبتغون فضلا من الله ورضوانا۔ سيماهم في

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترجمہ: تو انہیں دیکھے گا رکوع کرتے سجدے میں گرتے اللہ کا فضل اور رضا چاہتے ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے یہ ان کی صفت توریت میں ہے
﴿کنز الایمان﴾

اس آیت مبارکہ میں یہ بھی بتا دیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ وصف تورات میں بھی مذکور ہے۔ ان تمام علامتوں کو دیکھتے ہوئے کسی بھی دیدہ انصاف رکھنے والے کے لئے یہ کہنا ہرگز بھی مشکل نہ ہوگا کہ اس پیشین گوئی میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تذکرہ ہے۔

اب فقیر اس بشارت میں جتنی تبدیلیوں پر مطلع ہوسکا بیان کئے دیتا ہے تاکہ متلاشیان حق کے لئے آسانی اور موجودہ عیسائیوں کی باطل پرستی کا پردہ چاک ہوجائے۔ وہ تحریفات درج ذیل ہیں۔

کنگ جیمس ورژن ۱۹۷۹ میں لفظ Seir (شعیر) کے بجائے Edom لکھ دیا گیا ہے۔ اور لفظ Saints (نیک لوگ) کے بجائے Angels (فرشتے) لکھ دیا گیا ہے اور Fiery law (آتشی شریعت) کو flaming fire (شعلہ والی آگ) سے تبدیل کردیا گیا ہے۔ And all his saints are in thy hand (اسکے تمام نیک لوگ تیرے فرمانبردار ہیں) کے بجائے And protects those who belongs to him (اور ان کی حفاظت کرتا ہے جو اس سے تعلق رکھتے ہیں) لکھ دیا گیا ہے۔ And they sit down at thy feet (اور وہ تیرے قدموں میں بیٹھتے ہیں) کے بجائے So we bow at his feet (تو ہم اسکے قدموں میں جھک جاتے ہیں) لکھ دیا گیا ہے۔

بائبل سوسائٹی لاہور کی جانب سے اردو زبان میں چھپنے والے ایڈیشن میں بھی انتہائی بے حیائی سے تحریف کردی گئی ہے۔ درج ذیل سطور میں کتاب استثناء باب ۳۳ آیت ۳ اور ۴ کی پوری عبارت نقل کی جاتی ہے۔

"اور اس نے کہا خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا اور کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لئے آتشی شریعت تھی وہ بے شک قوموں سے محبت رکھتا اور وہ تیرے قدموں میں بیٹھے ہیں ایک ایک تیری باتوں سے مستفیض ہوگا۔"

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

قوموں سے محبت رکھتا اور وہ تیرے قدموں میں بیٹھے ہیں ایک ایک تیری باتوں سے مستفیض ہوگا۔"

اس میں دس ہزار (۱۰۰۰۰) کے بجائے لاکھوں لکھ دیا گیا ہے اور نیک لوگوں کے بجائے قدسیوں (فرشتوں) لکھ دیا گیا ہے۔ "لوگوں سے محبت کرتا ہے" کے بجائے "قوموں سے محبت کرتا ہے" لکھ دیا گیا ہے۔ اور "اور ہر ایک تیری بات مانے گا" کے بجائے "ایک ایک تیری باتوں سے مستفیض ہوگا" کر دیا گیا ہے۔

مذکورہ بالا تحریفات دیکھ کر ہر ذی فہم سمجھ جائیگا کہ ان تمام تحریفات کا مقصد ذکر مصطفیٰ ﷺ کو ختم کرنا ہے تاکہ بائبل کے قاری کبھی بھی حق کو نہ پاسکیں اور پادریوں کا کاروبار دنیا چلتا رہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد النبی الأمی وآلہ وبارک وسلم

یکم ربیع النور ۱۴۲۳ھ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کرنسی کا لین دین

نوٹ کی نقد وادھار خرید و فروخت، زکوۃ وغیرہ کے شرعی احکام اور امام اہل سنت مجدد دین وملت الشاہ احمد رضا خان رحمہ اللہ تعالیٰ کے مؤقف پر اعتراض کرنے والوں کے اعتراضات کے دلائل سے مزیّن و مسکت جوابات۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جامع المعقول والمنقول علامہ مفتی فیض الرسول الرضوی

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدالانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔امابعد

شیخ الحدیث ڈاکٹر مفتی ابوبکر صدیق عطاری دامت برکاتھم العالیہ کا تحریر کردہ ''کرنسی کا لین دین'' نامی رسالے کا بندہ نے بغور مطالعہ کیا ہے مفتی صاحب موصوف نے اپنے اس رسالے میں جدید تقاضوں کے عین مطابق کرنسی کے مسئلے پر ایسی نفیس ترین تحقیق اور بالخصوص فقہاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیھم کی مدد سے دو متعارضہ عبارتوں کا ایسا بہترین حل پیش فرمایا ہے کہ جس کا وجود دیگر کتب میں آج تک نہیں مل سکا نیز اپنے زعم فاسد میں مجتہد و محقق بننے والے مخالفین اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رد بلیغ فرما کر ان کی کم فہمی و ہٹ دھرمی کی ایسی قلعی کھولی ہے جسے پڑھ کر مخالفین کو مجتہد و محقق سمجھنے والوں کی غلط فہمی دور ہو جاتی ہے اور اہلِ محبت کے دل باغ باغ ہو جاتے ہیں۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے مفتی صاحب موصوف کو درازئ عمر بالخیر عطا فرما کر تاحیات مسلک امام اہل سنت رضی اللہ عنہ کا پاسبان بنائے رکھے اور ان کی فروزاں کی ہوئیں علم ہدایت کی شمعوں سے پوری دنیا کو جگمگا دے۔ اٰمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وبارک وسلم۔

ابوالنعیم محمد فیض الرسول الرضوی

۱۸ اکتوبر ۲۰۰۲ سنہ ھ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے میں کہ کیا کرنسی یعنی نوٹ کو آپس میں کمی بیشی کے ساتھ بصورت ادھار اور نقد بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک العلام الوھاب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

سوال مذکور کے جواب سے پہلے چند باتوں کا جاننا ضروری ہے جو کہ درج ذیل ہیں

نوٹ کی فقہی حیثیت

نوٹ کی فقہی حیثیت کے بارے میں علماء کرام ایک عرصہ تک متردد رہے۔ اور اس تردد کی وجہ خود نوٹ کی بدلتی ہوئی حالت تھی کیونکہ نوٹ اپنی ابتداء کے لحاظ سے واقعی سونے کی رسید تھے اور انھیں بینک کے سپرد کر کے سونا بھی وصول کیا جاسکتا تھا۔ مگر بعد میں حکومتوں نے اپنی تحویل میں لے کر اسے ایک مخصوص صورت دیدی اور باقی تمام بینکوں پر اس قسم کے نوٹوں کے چھاپنے پر پابندی لگادی۔ پھر جب دنیا میں مختلف ممالک میں معاشی حالات تبدیل ہوئے تو حکومتوں نے اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ اپنی ضرورتیں پورا کرنے کے لئے زیادہ مقدار میں نوٹ جاری کئے جائیں چنانچہ عملاً ایسا ہی ہوا۔ رفتہ رفتہ ان نوٹوں کی تعداد بڑھتی رہی یہاں تک کہ ان نوٹوں کے مقابلے میں سونے کی تعداد انتہائی کم ہوگئی۔ چنانچہ حکومتوں کو خطرہ لاحق ہوا کہ اگر لوگوں نے ان نوٹوں کے بدلے میں سونے کا مطالبہ کیا تو وہ اس کو پورا کرنے میں ناکام نہ ہوجائیں اور بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ مرکزی بینک اس مطالبے کو پورا نہ کرسکی۔ پس حکومت کی جانب سے نوٹ کی سونے سے تبدیلی کو روکنے کے لئے مختلف قسم کے اقدامات کئے گئے بالآخر نوٹ کی سونے سے تبدیلی کو حتمی طور پر منع کردیا گیا۔ اب نوٹ کے بدلے میں صرف نوٹ تو مل سکتا ہے سونا چاندی نہیں مل سکتی کیونکہ ان نوٹوں کی پشت پر کوئی سونا چاندی نہیں ہوتا۔ جیسا کہ جیوفری گراؤتھر لکھتا ہے۔

"The promise to pay, which appears on their face is now utterly meaningless. Not even in amounts of

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

pounds 1700 can notes now be converted into gold. The note is no more than a piece of paper, of no intrinsic value whatever and if it presented for redemption, the Bank of England could honour its promise to pay one Pound only by giving silver coins or another note but it is accepted as money throughout the British Island."

﴿An outline of Money Page. 16﴾

ترجمہ: ادائیگی کا وعدہ جو کہ نوٹوں پر لکھا ہوتا تھا وہ اب بے معنی ہے۔ حتیٰ کہ اب سترہ سو پاؤنڈ کو بھی سونے میں تبدیل نہیں کروایا جاسکتا۔ نوٹ اب کاغذ کے ایک ٹکڑے کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اب اس کی ذاتی حیثیت کچھ نہیں ہے اور اگر اس کو برطانیہ کی مرکزی بینک کو تبدیلی کے لئے پیش کیا جائے تو وہ اسے علامتی سکے دیگا یا اسی جیسا ایک دوسرا نوٹ مگر یہ نوٹ اب برطانیہ کے تمام جزائر میں بطور مال قبول کئے جاتے ہیں۔

مگر دیوبندی علماء نوٹ کی اس حیثیت کو ستر سال تک نہ سمجھ سکے اور اسے قرض کی رسید ہی سمجھتے رہے جبکہ علماء حقہ رحمھم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ثمن اصطلاحی تھا۔ چونکہ دیوبندیوں نے اسے قرض کی رسید قرار دیا تھا لہٰذا ان کے نزدیک اس نوٹ کو جاری کرنے والے (بینک) کی حیثیت مقروض کی سی تھی اور جس کے پاس نوٹ تھے وہ دائن کی حیثیت رکھتا تھا۔ چنانچہ ان لوگوں کی رائے کے مطابق نوٹ کے بدلے میں اشیاء کی بیع وشراء میں نوٹ کا ادا کیا جانا حوالہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ یعنی نوٹ کی ادائیگی کرنے والا قیمت کا حوالہ بینک پر کردیتا تھا۔ چنانچہ ان حضرات کے نزدیک نوٹ پر حوالہ کے احکامات لاگو تھے۔ اسی لئے ان کے نزدیک نوٹ کے ذریعے سے کئے جانے والے تمام عقود ادھار ہوا کرتے تھے اسی لئے ان کے نزدیک نوٹ کے ذریعے سے سونے چاندی کی خرید فروخت ناجائز تھی۔ کیونکہ نوٹ کے ذریعے سے سونا چاندی کی بیع کرنا حقیقتاً اس سونے چاندی سے بیع کرنا تھی جس کی رسید یہ نوٹ تھے۔ چنانچہ یہ بیع صرف تھی اور بیع صرف میں یہ ضروری ہے کہ بدلین پر اسی مجلس میں قبضہ ہو مگر ان کے نزدیک نوٹ کے ذریعے سے سونا چاندی کی بیع میں یہ شرط مفقود تھی۔ اسی طرح ان لوگوں کے نزدیک نوٹ کی موجودگی میں زکوٰۃ کی ادائیگی بھی واجب نہ تھی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اگرچہ لاکھوں روپوں ہی کے نوٹ کیوں نہ موجود ہوں۔ اسی طرح اگر کوئی نوٹ کے ذریعے سے زکوۃ کی ادائیگی کرتا تھا اس وقت تک اسکی زکوۃ ادا نہ ہوتی جب تک کہ فقیر ان نوٹوں کے بدلے میں کوئی چیز نہ خرید لیتا۔ اور اگر فقیر کے استعمال سے پہلے یہ نوٹ گم ہوجاتے یا برباد ہوجاتے تو بھی اس کی زکوۃ ادا نہ ہوتی۔ دیوبندی حضرات کے نزدیک مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی تمام علوم دینیہ میں منصب امامت پر فائز تھے۔ نیز فقہ میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی متبحر عالم اور صاحب بحرالرائق کے مدمقابل وفقیہ النفس تھے۔ (انہوں نے یہ سب دعویٰ فتاویٰ رشیدیہ کے دیباچے میں تحریر کئے ہیں) گنگوہی صاحب موصوف سے نوٹ کے بارے میں حکم شرع پوچھا گیا' اس نے درج ذیل جوابات دیے۔

ا:......''نوٹ وثیقہ (Written Agreement) اس روپے کا ہے جو خزانہ حاکم میں داخل کیا گیا ہے مثل تمسک (Receipt) کے اس واسطے کہ اگر نوٹ میں نقصان آجائے تو سرکار سے بدلا سکتے ہیں اور اگر گم ہوجائے تو بشرط ثبوت اس کا بدل لے سکتے ہیں (حالانکہ اگر آپ کے ۱۰۰ روپے بھی گم ہوجائیں تو اسٹیٹ بینک کسی صورت میں آپ کو اس کا بدل نہیں دے گا) اگر نوٹ مبیع ہوتا تو ہرگز مبادلہ نہیں ہوسکتا تھا۔ دنیا میں کوئی مبیع بھی ایسا ہے کہ بعد قبض مشتری کے نقصان یا فناء ہوجائے تو بائع سے بدل لے سکیں۔ پس اس تقریر سے آپ کو واضح ہوجائے گا کہ نوٹ مثل فلوس (پیسوں) کے نہیں ہے فلوس مبیع ہے اور نوٹ نقدین۔ ان میں زکوۃ نہیں۔''

﴿فتاویٰ رشیدیہ کامل مبوب ص ۳۵۷﴾

۲:......نوٹ کی خرید و فروخت برابر قیمت پر بھی درست نہیں مگر اس میں حیلہ حوالہ ہوسکتا ہے اور بحیلہ عقد حوالہ کے جائز ہے مگر کم زیادہ پر بیع کرنا ربوا اور ناجائز ہے۔

﴿فتاویٰ رشیدیہ کامل مبوب ص ۴۱۸﴾

۳:......روپیہ بھیجنے کی آسان ترکیب نوٹ کی رجسٹری یا بیمہ کرادینا ہے۔

﴿فتاویٰ رشیدیہ جلد دوم ص ۱۷۲﴾

اور علماء حقہ رحمھم اللہ تعالیٰ کی رائے میں نوٹ ثمن اصطلاحی ہیں ان کے نزدیک نوٹ کے ذریعے سے ثمن خلقی یعنی سونا چاندی کی بیع بلاشبہ جائز ہے۔ نوٹ پر زکوۃ واجب ہوتی ہے اور اس کی ادائیگی سے زکوۃ بھی ادا ہوجاتی ہے۔ جس وقت عرب وعجم کے علماء نوٹ کے شرعی حکم کے متعلق حیران تھے تو مفتیان عظام سے اس کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو کوئی تسلی بخش جواب نہ بن پڑتا تھا حتیٰ کہ مکہ مکرمہ (زادھا اللہ شرفاً وتعظیماً) کے مفتی احناف

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جمال بن عبداللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا شرعی حکم کما حقہ بیان کرنے سے اپنا عذر "العلم امانۃ فی اعناق العلماء" (علم علماء کی گردنوں پر امانت ہے) کہہ کر پیش کر دیا تھا۔ایسے میں جب ۱۳۲۳ھ میں امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن دوسری مرتبہ حج بیت اللہ تعالیٰ کے لئے مکہ شریف حاضر ہوئے تو وہاں کے علماء رحمہم اللہ تعالیٰ نے موقع غنیمت جان کر آپ علیہ رحمۃ الرحمٰن کی خدمت میں نوٹ سے متعلق بارہ ۱۲ سوال بطور استفتاء پیش کر دیے۔جب امام اہلسنت علیہ رحمۃ الرحمٰن نے اس موضوع پر قلم اٹھایا تو اپنی عادت کریمہ کے مطابق علم کے دریا بہا دیے جب آپ علیہ رحمۃ الرحمٰن کا جواب عالم اسلام کے علماء کے سامنے آیا تو سب حضرات آپ علیہ رحمۃ الرحمٰن کی تحقیق پر عش عش کر اٹھے اور اس تحقیق کو عالم اسلام کے لئے احسان عظیم قرار دیا۔امام اہلسنت علیہ رحمۃ الرحمٰن نے جس حقیقت کو نور بصیرت سے آج سے تقریباً ستر سال پہلے جان لیا اسی بات کو آج جدید اکنامکس بھی تسلیم کر رہی ہے۔امام اہل سنت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اگر اس زمانے میں نوٹ کو ثمن اصطلاحی قرار دیا تھا تو اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ کسی ماہر معاشیات **(Economist)** یا کسی انسائیکلوپیڈیا میں اس کی حقیقت کو بیان کر دیا تھا یا کسی فقہی کتاب میں اس کا حکم موجود تھا بلکہ اپنی خداداد فقہی صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہوئے قواعد فقہیہ کی رو سے نوٹ کو ثمن اصطلاحی فرمایا تھا۔آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

> "اے سوال کرنے والے ﴿ اللہ تعالیٰ ہم دونوں کو توفیق عطا فرمائے اور ہماری رہنمائی فرمائے ﴾ یہ جان لو کہ نوٹ نہایت جدید اور نئی چیز **(New Invention)** ہے تمہیں علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی کتب میں اس کا ذکر بھی نہیں ملے گا یہاں تک کہ ماضی قریب کے فقیہ علامہ **(The Religious Lawyer Of Islam)** ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہم عصر علماء کی کتب بھی نوٹ کے ذکر سے خالی ہیں مگر اللہ تعالیٰ ہمارے ان ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محنت قبول فرما کر ہمیں ان کی برکتوں سے فیضیاب فرمائے جنہوں نے اس دین اسلام کے مسائل کافی تفصیل سے بیان فرما دیئے ہیں اور اب یہ شریعت اس قدر روشن ہو چکی ہے کہ اس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے۔الحمد للہ علماء کرام نے ایسے قواعد **(Rules)** ترتیب دیئے ہیں جن کے ذریعے سے بے شمار مختلف نوعیتوں کے مسائل کے شرعی احکام معلوم

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کئے جاسکتے ہیں اگر چہ نئی ایجادات کا سلسلہ جاری رہے گا مگر ان کے شرعی احکام ان احکامات کے دائرہ سے باہر نہ نکلیں گے جو ہمیں ائمہ کرام سے حاصل ہوئے اور اگر اللہ نے چاہا تو ہر دور میں ایسے علماء موجود ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ کتاب وسنت اور ائمہ کے بنائے ہوئے قواعد (Rules) سے نئی پیدا شدہ چیزوں کے شرعی احکامات نکالنے (Extradiction) کی توفیق عطا فرمائے گا۔"

﴿فتاویٰ رضویہ جلد ۷ صفحہ ۱۲۷ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

پھر فقیہانہ انداز میں نوٹ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"کرنسی نوٹ کی حقیقت تو یہ ہے کہ یہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے اور کاغذ ایک قیمت والا مال (Valuable Property) ہے اور اس پر مہر لگنے کی وجہ سے لوگ اس کی طرف مائل ہوگئے اور اسے وقت ضرورت کے لئے جمع کر کے رکھنے لگے اور مال (Property) کی تعریف (Defination) بھی یہی ہے کہ لوگ اس کی طرف مائل ہوں اور اسے وقت ضرورت کے لئے جمع کر کے رکھنا ممکن ہو۔ جیسا کہ فقہ کی معتبر کتب بحر الرائق اور فتاوی شامی وغیرہما میں ہے نیز یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ شریعت مطہرہ نے جس طرح مسلمانوں کو شراب اور خنزیر سے نفع اٹھانے سے منع کیا ہے اس طرح سے کاغذ کے ٹکڑوں سے اپنی مرضی کے مطابق نفع اٹھانے سے منع نہیں کیا اور کسی چیز کے قیمت والا مال (Valuabel Property) ہونے کا دارومدار اسی بات پر ہے کہ شریعت مطہرہ نے اس سے نفع اٹھانے سے منع نہ کیا ہو جیسا کہ فتاویٰ شامی میں ہے۔ اسی فتاویٰ شامی میں اصول فقہ کی معتبر کتاب تلویح کے حوالے سے لکھا ہے کہ "مال وہ چیز ہے جسے وقت حاجت کے لئے جمع کیا جائے اور مال (Property) کے لئے اس کا قیمت والا (Valuable) ہونا ضروری ہے اور اسی فتاویٰ شامی میں بحر الرائق اور الحاوی القدسی کے حوالے سے منقول ہے" کہ آدمی کے علاوہ ہر وہ چیز مال کہلاتی ہے جسے آدمی کے فائدے کے لئے پیدا کیا گیا ہو اور اسے حفاظت سے رکھا جانا ممکن ہو اور آدمی اسے اپنی مرضی سے استعمال کر سکے۔ محقق علی الاطلاق علامہ ابن الھمام "فتح القدیر" میں فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اپنے کاغذ کا ایک ٹکڑا ہزار روپے میں بیچے تو یہ بیع بلا کراہت جائز ہے اور اگر تحقیقی نظر سے دیکھا جائے تو بذات خود یہی قول کرنسی نوٹ کی اصل ہے جسے امام ابن ہمام رضی اللہ عنہ نے نوٹ ایجاد ہونے سے ۵۰۰ سال پہلے ہی پیش فرما دیا تھا اور نوٹ بھی تو

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کاغذ کا وہی ٹکڑا ہے جو ہزار روپے میں بکتا ہے اور یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ایسی کرامات تو ہمارے علماء کرام رحمہم اللہ سے صادر ہوتی ہی رہتی ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا اور آخرت میں ان کی برکات سے فیضیاب فرمائے۔آمین

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ نوٹ بذات خود ایک قیمت والا مال (Valueable Property) ہے اس کی خرید وفروخت ہوتی ہے اور اسے ہبہ (Donate) کیا جاتا ہے اور نوٹ میں وراثت (Inheritanes) بھی جاری ہوتی ہے نیز مال کے تمام احکامات بھی اس پر جاری ہوتے ہیں۔''

﴿فتاویٰ رضویہ جلد ۷ صفحہ ۱۲۸۔۱۲۹ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

پھر ان لوگوں کی غلطی دلائل شرعیہ سے واضح فرمائی جو نوٹ کو رسید سمجھتے تھے۔آپ رحمہ اللہ تعالیٰ رقم طراز ہیں،

''میں کہتا ہوں کہ یہ گمان بالکل غلط ہے کہ نوٹ تحریری اقرار نامہ (Written Agreement) کی طرح کوئی رسید (Recipte) ہے رسید کا مطلب یہ ہے کہ جو گورنمنٹ اسے رائج کرتی ہے نوٹ لینے والوں سے (سونا یا چاندی) کے روپے قرض لیتی ہے اور انہیں ثبوت کے طور پر قرض کی مالیت کے نوٹ دے دیتی ہے اور جب وہ لوگ گورنمنٹ کو نوٹ واپس کردیں تو گورنمنٹ انکا قرض واپس ادا کردیتی ہے اور اگر یہ لوگ عوام میں سے کسی کو یہ نوٹ دے دیں تو گورنمنٹ ان دوسروں سے قرض لے کر ان پہلے لوگوں کا قرض ادا کردیتی ہے تو وہ لوگ ان دوسروں کو بطور ثبوت یہ نوٹ دے دیتے ہیں تاکہ وہ ان نوٹوں کے ذریعے سے مقروض گورنمنٹ سے اپنا قرض وصول کرسکیں۔اسی طرح سے قرض جتنے لوگوں کے ہاتھوں میں جائے گا قرض اور رسید کا تکرار (Repetition) ہوتا رہے گا نوٹ کے رسید ہونے کے تو یہی معنی ہیں۔

حالانکہ ایک سمجھدار بچہ بھی یہ بات جانتا ہے کہ جو لوگ نوٹ کا لین دین کرتے ہیں ان میں سے کسی کے دل میں ان باتوں کا خیال تک نہیں آتا اور نہ ہی کبھی اس لین دین سے قرض یا تحریری اقرار نامہ (Written Agreement) کا ارادہ کرتے ہیں نیز آپ نے کسی بھی ایسے شخص کو نہیں دیکھا ہوگا جو لوگوں کو قرض دیتا ہو اور اپنے قرض کے رجسٹر میں اس شخص کا نام لکھے جس نے نوٹ دیکر اس سے چاندی کے روپے وصول کئے ہوں اور اپنی زندگی بھر میں اس سے یہ کہا ہو کہ تم میرا قرض ادا کرکے اپنی رسید مجھ سے وصول کرلو اور نہ ہی کسی ایسے شخص کو دیکھا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہوگا جو لوگوں کا مقروض ہو اور اپنے رجسٹر میں اس شخص کا نام لکھتا ہو جسے نوٹ دیکر اس نے (چاندی کے) روپے وصول کیئے ہوں اور مرتے وقت کہتا ہو کہ فلاں کا مجھ پر اتنا قرض ہے اسے ادا کر کے میری رسید (Recipte) اس سے واپس لے لینا۔

اور وہ ظالم و بے باک لوگ جو اعلانیہ سود کھاتے ہیں اور قرض وصول ہونے تک سود کی ماہوار شرح مقرر کیئے بغیر کسی کو ایک روپیہ بھی قرض نہیں دیتے وہ لوگ بھی نوٹ لے کر چاندی کا روپیہ دیتے ہیں اور اس پر ایک پیسہ بھی زائد نہیں مانگتے نہ مہینے کے بعد اور نہ ہی سال کے بعد۔ اگر وہ اسے قرض سمجھتے تو زائد رقم وصول کرنا ہرگز نہ چھوڑتے۔

پس حق یہ ہے کہ سب لوگ نوٹ سے لین دین اور خرید و فروخت ہی کا قصد کرتے ہیں نوٹ دینے والا یقیناً جانتا ہے کہ میں روپے لے کر نوٹ اپنی ملک (Ownership) سے خارج کر چکا ہوں اور نوٹ لینے والا یقیناً جانتا ہے کہ میں روپے دیکر نوٹ کا مالک (Owner) ہو گیا اور وہ شخص نوٹ کو روپوں، اشرفیوں اور پیسوں کی طرح اپنا مال اور پونجی (Wealth) سمجھتا ہے اور اسے جمع کر کے رکھتا ہے اور ہبہ (Gift) کرتا ہے اور اس کے بارے میں وصیت (Will) کرتا ہے اور اسے صدقہ کرتا ہے اور لوگ اسے خرید و فروخت ہی سمجھتے ہیں اور تجارت ہی کا قصد کرتے ہیں۔

اور یہ ایک طے شدہ اصول ہے کہ لوگوں کے معاملات میں ان کی نیتوں کا اعتبار ہوتا ہے۔ کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں ہی پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی وہ نیت کرے لہٰذا ثابت ہوا کہ لوگوں کے نزدیک نوٹ ایک قیمت والا مال (Valuable Property) ہے اسے حفاظت سے رکھا اور جمع کیا جاتا ہے اور لوگ اس کی طرف مائل ہوتے ہیں اس کی خرید و فروخت ہوتی ہے اور اس پر قیمت والے مال (Valuable Property) کے تمام احکام نافذ ہوتے ہیں۔"

﴿فتاویٰ رضویہ جلد ۷ صفحہ ۱۲۹۔۱۳۰ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

مختلف ممالک کی کرنسی مختلف اجناس ہیں

جب یہ بات واضح ہو چکی کہ نوٹ رسید نہیں بلکہ ثمن اصطلاحی ہے تو اب یہ جاننا چاہیے کہ دور حاضر میں کرنسی باوجود یہ کہ اپنی اصل کے اعتبار سے کاغذ کا ٹکڑا ہے مگر ہر ملک کی کرنسی کے مقصود کے مختلف ہونے کی وجہ سے علیحدہ علیحدہ جنس ہے کیونکہ کرنسی سے مقصود کاغذ کا ٹکڑا نہیں ہوتا بلکہ اس سے مراد قوت خرید کا ایک مخصوص معیار ہے۔ یہی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وجہ ہے جو چیز پاکستانی ایک روپیہ کے بدلے میں ایک ملتی ہے وہی چیز ایک امریکن ڈالر کے بدلے میں ساٹھ کی تعداد میں خریدی جاسکتی اور ایک برطانوی پونڈ کے بدلے میں سوتک مل سکتی ہے۔اسی طرح مختلف ممالک کی کرنسی کے اعتبار سے مختلف تعداد میں مل سکتی ہے اور یہ تعداد قوت خرید کی تبدیلی کے ساتھ تبدیل بھی ہوجاتی ہے۔عموما ہر ملک کی کرنسی کے نقوش اور نام بھی مختلف ہوتے ہیں نیز یہ کہ ان کے مقاصد بھی مختلف ہوتے ہیں مثلا لوگ امریکن ڈالر یا پونڈ کو اس لئے سنبھال کر محفوظ رکھتے ہیں کہ ان کی قیمت بڑھ جانے پر فروخت کیا جائے گا۔جبکہ پاکستانی اور دیگر ممالک کہ جن کی کرنسی غیر مستحکم ہے ان کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہے۔اسی طرح مختلف ممالک کی کرنسی مختلف مقاصد کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔قوانین فقہیہ کی رو سے جب کسی چیز کے مقصود یا اصل یا صنعت میں ایسی تبدیلی آجائے کہ جس کی وجہ سے اس کا نام اور کام بدل جائے تو جنس بدل جاتی ہے۔علامہ شامی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں

"أن الاختلاف باختلاف الأصل أو المقصود أو بتبدل الصفة۔"

﴿ردالمحتار جلد۷ صفحہ ۴۰۶ مطبوعہ: مکتبہ امدادیہ ملتان﴾

ترجمہ: جنس میں اختلاف اصل یا مقصود یا صفت کے بدلنے سے ہوتا ہے۔

صدرالشریعہ بدرالطریقہ مولانا امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں

"مقصد یہ ہے کہ جنس کے اختلاف واتحاد میں اصل کا اتحاد واختلاف معتبر نہیں ہے مقصود کا اختلاف جنس کو مختلف کردیتا ہے اگرچہ اصل ایک ہو اور یہ بات ظاہر ہے کہ روئی اور سوت اور کپڑے کے مقاصد مختلف ہیں یونہی گیہوں اور اس کے آٹے کو روٹی سے بیع کرسکتے ہیں کہ انکی بھی جنس مختلف ہے۔

﴿بہارشریعت صفحہ ۹۸ حصہ ۱۱ جلد ۲ ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور﴾

چنانچہ کسی بھی دو اشیاء کی اصلیت اگرچہ ایک ہی کیوں نہ ہو اگر ان کے مقصود یا صفت میں تبدیلی ہوجائے تو ان کی جنسیں مختلف ہوجائیں گی۔جیسا کہ صدرالشریعہ کی عبارت سے ظاہر کہ روٹی کی بیع گندم کے ساتھ ادھار اور کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے حالانکہ ان کی اصل ایک ہے صرف صنعت میں تبدیلی ہونے کی وجہ سے ان کے نام اور کام میں تبدیلی پیدا ہوگئی چنانچہ ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ جنس شمار کیا گیا۔امام سراج الدین عمر ابن نجیم الحنفی رحمہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

”یصح ایضا بیع الخبز بالبر وبالدقیق متفاضلا)فی اصح الروایتین عن الامام قیل ھو ظاھر المذھب لعلمائنا الثلاثة وعلیه الفتوی عدداووزناکیف مااصطلحواعلیه لانه صار بالصنعة جنسا آخر۔“

﴿النھر الفائق جلد ۳ صفحہ ۴۸۷ مطبوعہ:قدیمی کتب خانہ کراچی﴾

ترجمہ:امام اعظم سے دوروایتوں میں سے اصح روایت کے مطابق روٹی کی بیع گندم اورآٹے کے ساتھ کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے لوگوں میں جس طرح رائج ہوخواہ ازروئے عدد بیع کی جائے یاازروئے وزن اورکہا گیاہے کہ ہمارے علماء ثلاثہ کا یہی ظاہر مذھب ہے اوراسی پرفتوی ہے کیونکہ روٹی صنعت کی تبدیلی کی وجہ مختلف جنس ہوگئی۔

اسی طرح اگرکوئی دواشیاء کہ جن کی اصل ایک ہومگران کے مقصود میں تبدیلی آجائے تو مختلف جنس شمارکی جاتی ہیں مثلاً دنبے کا گوشت اورچکتی اورپیٹ کی چربی امام سراج الدین عمرابن نجیم الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

”صح ایضا بیع (شحم البطن بالالیة)مخففة(اوباللحم) متفاضلالانھاوان کانت کلھامن الضان الاانھااجناس مختلفة لاختلاف الاسماء والمقاصد۔“

﴿النھر الفائق جلد ۳ صفحہ ۴۸۷ مطبوعہ:قدیمی کتب خانہ کراچی﴾

ترجمہ: پیٹ کی چربی کوچکتی کی چربی اورگوشت کے بدلے میں کمی بیشی کے ساتھ بیچنا بھی جائز ہے کیونکہ یہ سب اشیاء اگرچہ دنبے ہی سے ہیں مگرنام اورمقصود کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف جنس ہیں۔

چنانچہ اسی طرح ہرملک کی کرنسی کی اصل تو کاغذ ہی ہے مگران کے نام،صفت اورمقاصد کے تبدیل ہونے کی وجہ سے مختلف اجناس ہیں۔پھراگرمختلف ممالک کی کرنسی کومختلف اجناس نہ ماناجائے بلکہ ان کی اصل کاغذپرنظرکرتے ہوئے ایک ہی جنس ماناجائے تو مختلف معاملات میں ایساحرج شدیدلازم آئے گا کہ جس کاعلاج نہ عوام کے پاس

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہے اور نہ ہی علماء کے پاس ہے حتی کہ اکثر ممالک کے لوگوں کو حج جیسے عظیم فریضے سے محروم ہونا پڑیگا۔ کیونکہ اکثر ممالک میں ایسا ہوتا ہے کہ ان کی حکومتیں اس بات پر مجبور کرتی ہیں کہ حج کے جانے کے لئے بینک ڈرافٹ امریکن ڈالرز کی صورت میں بنوائے جائیں اور اس میں عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ اس کام کے لئے ایجنٹ ہوتے ہیں جو لوگوں سے اپنے ہی ملک کی کاغذی کرنسی نقد لیتے ہیں اور کچھ مدت کی ادائیگی کی تاریخ پر اس کے مساوی امریکن ڈالرز کا ڈرافٹ بنا دیتے ہیں جو کہ سعودی عربیہ میں کیش ہوتا ہے حالانکہ تمام ممالک کی کرنسیز کو کاغذ ہونے کی وجہ سے ایک ہی جنس مانا جائے تو سراسر سودی معاملہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جس ملک کی کرنسی کے بدلے میں امریکن ڈالر کا ڈرافٹ بنا کر دیا جاتا ہے وہ بھی کاغذ ہے اور امریکن ڈالر بھی کاغذ ہے اور اصول شریعت کے مطابق ان میں ادھار کرنا سراسر سود ہے۔ یہ ایسا المیہ ہے کہ اس سے نہ تو عوام بچتے ہیں اور نہ ہی ہزاروں کی تعداد میں ہر سال سفر حج کرنے والے علماء الامن شاء الله تعالی ۔ بلکہ دیکھا گیا ہے کہ اکثر اہل علم کی تو اس طرف توجہ بھی نہیں جاتی۔ اسی طرح کتابوں کی خریداری میں عوام ہوں یا علماء اگر انھیں ادھار خریدنے کی ضرورت پیش آجائے تو بلا کسی تردد کے ادھار سودا کرلیا جاتا ہے اسی طرح کے دیگر کئی معاملات ہیں جن میں صرف اس لئے سودی معاملہ جاری ہو جاتا ہے کہ تمام ممالک کی کرنسیز (Currencies) ایک ہی جنس ہیں۔ چنانچہ ہر ملک کی کرنسی کو اس کے کاغذ ہونے کی وجہ سے ایک ہی جنس گردانے میں کھلا ہوا حرج ہے جبکہ شریعت کا قاعدہ ہے کہ الحرج مدفوع بالنص چنانچہ امت کے لئے آسانی اسی میں ہے کہ ہر ملک کی کرنسی کو الگ جنس شمار کرنے ہی پر فتوی دیا جائے اور اس کی درست وجوہات بھی بیان کردی گئی ہیں اسی کا ہمیں رسول کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے بھی حکم فرمایا ہے کہ بشروا ولا تنفروا یعنی لوگوں کو خوش خبریاں دو متنفر نہ کرو اور فرمایا کہ الدین یسر دین آسانی کا نام ہے۔

دو متعارض عبارات میں تطبیق

اس توجیہ سے کتب فقہیہ کی بظاہر دو متعارض عبارات میں بھی تطبیق ہو جائے گی۔ ایک تو "یجوز بیع الفلس بفلسین بأعیانهما۔" یعنی ایک فلس کا دو فلس سے تبادلہ جائز ہے جبکہ وہ متعین ہوں اور دوسری عبارت "(باع فلوسا بمثلها أو بدراهم أو بدنانير، فان فقد أحدهما جاز)وان تفرقا بلاقبض أحدهمالم يجز۔" ہے یعنی اگر کسی فلوس کو فلوس کے عوض یا درھموں یا دیناروں کے عوض بیچا پس ان میں سے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کسی ایک پر قبضہ ہوگیا تو جائز ہے اور اگر جانبین میں سے کسی پر بھی قبضہ نہ ہوا تو جائز نہیں ہے۔ ثانی الذکر عبارت محیط سے بحر و نھر اور ان سے متن تنویر، در، طحطاوی میں ہے اور سید احمد طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ھندیہ اور ھندیہ نے الحاوی کے حوالے سے بھی بیان فرمایا ہے۔ اس عبارت کا ظاہری مفاد یہی ہے کہ ثمن اصطلاحی مثلاً نوٹ یا سکوں کی آپس میں بیع کی جائے اور جانبین میں سے کسی ایک پر قبضہ کرلیا جائے تو بیع درست ہے یعنی ایک جانب سے ادھار بھی درست ہے جبکہ پہلی عبارت اس بات کی صراحت کررہی ہے کہ ان کا معین کرنا ضروری ہے دیگر الفاظ میں انکو ادھار بیچنا جائز نہیں ہے۔ بڑے بڑے فقہاء احناف رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس عبارت کو جوں کا توں نقل فرمایا اور سوائے علامہ شامی اور سید احمد طحطاوی رحمہم اللہ تعالیٰ کے کسی نے اس پر کوئی کلام نہیں فرمایا مگر ان دونوں بزرگوں نے ان عبارات کا تعارض تو بیان فرمایا مگر کوئی حل پیش نہیں فرمایا۔ اب اگر ہر ملک کی کرنسی کو الگ جنس شمار کیا جائے تو پہلی عبارت کو ایک ہی ملک کی کرنسی کی آپس میں بیع محمول کرنے اور دوسری عبارت کو دو مختلف ممالک کی کرنسی پر محمول کرنے سے یہ تعارض رفع ہو جائے گا اور دونوں قسم کی عبارات میں بآسانی تطبیق ہو جائے گی۔ جب یہ بات واضح ہو چکی کہ ہر ملک کی کرنسی ایک علیحدہ جنس ہے تو اب کرنسی کی آپس میں بیع و شراء کا حکم بیان کیا جاتا ہے۔

کرنسی کا کرنسی سے تبادلہ

دور حاضر میں رائج نوٹ فلوس (سکوں) کے حکم میں ہیں۔ قوانین شرعیہ کی رو سے ایک ہی ملک کے سکوں کی بیع آپس میں کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے البتہ ادھار نا جائز ہے۔ مبسوط، ہدایہ، کنز الدقائق، فتح القدیر، عنایہ، کفایہ، البحر الرائق، النھر الفائق، الدر المختار، طحطاوی علی الدر، رد المحتار میں ہے واللفظ للھدایہ

"یجوز بیع الفلس بفلسین بأعیانھما۔"

﴿ہدایہ اخرین صفحہ ۸۱ مطبوعہ: مکتبہ شرکت علمیہ ملتان﴾

ترجمہ: ایک متعین سکے کی بیع دو متعین سکوں کے ساتھ جائز ہے۔

مذکورہ بالا عبارت میں "متعین" کی قید اس لئے لگائی ہے کہ ہر ملک کی کرنسی ایک علیحدہ جنس ہے جیسا کہ درج بالا سطور میں وضاحت کی جا چکی ہے اور جب سود کی دو علتوں جنس اور قدر میں سے کوئی ایک علت پائی جائے تو کمی بیشی حلال اور ادھار نا جائز ہوتا ہے۔ شیخ الاسلام برھان الدین امام ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

فرماتے ہیں،

”اذا وجد احدھما وعدم الاٰخر حل التفاضل وحرم النسأ مثل ان یسلم ھرویافی ھروی أو حنطۃ فی شعیر۔“

﴿ہدایہ اخرین صفحہ ۷۹ مطبوعہ: مکتبہ شرکت علمیہ ملتان﴾

ترجمہ: اگر سود کی دونوں علتوں میں سے کوئی ایک پائی جائے اور دوسری نہ پائی جائے تو زیادتی (کمی بیشی) جائز ہے اور ادھار حرام ہے جیسے کہ ہرات کے بنے ہوئے کپڑے کو ہرات ہی کے کپڑے کے عوض بیچے یا گندم کو جو کے بدلے میں۔

چنانچہ جب ایک ہی ملک کے نوٹوں کا آپس میں تبادلہ کیا جائے گا تو قدر کے مفقود ہونے کی وجہ سے کمی بیشی جائز اور جنس کے پائے جانے کی وجہ سے ادھار ناجائز ہوگا مثلاً دس روپے کے نوٹ کو بیس روپے یا اس سے کم یا زائد میں ہاتھوں ہاتھ بیچنا جائز ہوگا۔ اور اگر دو مختلف ممالک کی کرنسیز کا آپس میں تبادلہ کیا جائے تو کمی بیشی بھی جائز ہے اور ادھار بھی جائز ہے صرف ایک جانب سے قبضہ کافی ہے۔ امام علاؤالدین الحصکفی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں

(باع فلوسا بمثلھا أو بدراھم أو بدنانیر، فان فقد أحدھما جاز) وان تفرقا بلا قبض أحدھما لم یجز۔“

﴿الدر المختار صفحہ ۱۴۱ جلد ۷ مطبوعہ: مکتبہ امدادیہ ملتان﴾

ترجمہ: اگر کسی نے فلوس کو فلوس کے عوض یا درھموں یا دیناروں کے عوض بیچا پس ان میں سے کسی ایک پر قبضہ ہوگیا تو جائز ہے اور اگر جانبین میں سے کسی پر بھی قبضہ نہ ہوا تو جائز نہیں ہے۔

کیونکہ نوٹ عددی ہیں اور عددی میں کمی بیشی جائز ہے کماقالوا ساداتنا الحنفیہ رحمھم اللہ تعالی لا ربا فی معدودات یعنی شمار کرکے بیچی جانے والی اشیاء میں سود نہیں ہوتا نیز ان کی جنسیں مختلف ہونے کی وجہ سے ادھار بھی جائز ہے جیسا کہ صاحب ھدایہ رحمہ اللہ تعالی مزید فرماتے ہیں

واذا عدم الوصفان الجنس والمعنی المضموم الیہ حل

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

التفاضل والنساء۔

﴿ہدایہ اخرین صفحہ ۷۹ مطبوعہ: مکتبہ شرکت علمیہ ملتان﴾

ترجمہ: اور جب سود کی دونوں ہی علتیں یعنی جنس اور قدر نہ پائی جائیں تو کمی بیشی اور ادھار حلال ہے۔

دیوبندی فقہ کی کرشمہ سازیاں

جیسا کہ پچھلے صفحات میں بیان کیا گیا کہ دیوبندی اسی نظریہ کے قائل تھے کہ نوٹ قرض کی رسید ہے اور "کفل الفقیہ الفاہم" کا آفتاب روشن ہونے کے باوجود حق کو قبول نہ کیا۔ تقریباً ستر سال اسی ہٹ دھرمی پر قائم رہتے ہوئے نوٹ پر زکوٰۃ کی ادائیگی سے منہ موڑتے رہے۔ مگر جب دیکھا کہ اب امام احمد رضا خان رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق مانے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے تو چاروناچار اسے قبول کرلیا۔ مگر چاہیے تو یہ تھا کہ اسے ایسے ہی قبول کیا جاتا جیسا کہ فقہ حنفی کے مطابق امام اہلسنت نے رقم فرمایا اور اس پر دلائل بیان فرمائے مگر ایسا نہ ہوا بلکہ اپنی فقاہت بے بنیاد کے جوہر دکھاتے ہوئے ایسے اجتہادات اختراع کئے کہ جن کا فقہ حنفی میں کہیں دور دور تک پتہ نہیں چلتا۔ مثلاً مولوی تقی عثمانی نے نوٹ کی شرعی حیثیت پر ایک مضمون لکھا جس میں دیوبندیوں کے سرخیل علماء کی غلط فقہ کو چھپانے اور خفت مٹانے کے لئے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ دیوبندیوں میں بعض ایسے بھی تھے کہ جو نوٹ کو شروع ہی سے ثمن اصطلاحی مانتے تھے اور ان میں مولانا عبدالحئی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کردیا اور یہ تأثر دینے کی کوشش کی کہ وہ بھی دیوبندی تھے حالانکہ حقیقت اسکے برعکس ہے۔ کیونکہ مولانا عبدالحئی کا دیوبندیوں سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ اور اُن غلط کار مفتیوں کا سرے سے ذکر ہی نہیں کیا کہ جو نوٹ کو رسید قرار دیتے تھے۔ جب کہ امام اہلسنت علیہ الرحمۃ کہ جن کے نوٹ سے متعلق فتویٰ کو علماء عرب وعجم نے نا صرف قدر کی نگاہ سے دیکھا بلکہ اس پر تصدیقات بھی ثبت فرمائیں، کے تذکرے کو انتہائی صفائی کے ساتھ نظر انداز کردیا۔ حالانکہ احسان شناس لوگوں کا کام ہے کہ وہ اپنے محسن کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کے بارے میں فرماتا ہے کہ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان۔ مولوی تقی عثمانی کے اجتہاد کی ایک جھلک مندرجہ ذیل عبارات سے ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ مولوی تقی عثمانی نے ایک ہی ملک کی کرنسی کے آپس میں تبادلے کے حکم کو بیان کرتے ہوئے لکھا کہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

"موجودہ زمانے میں کاغذی کرنسی کا تبادلہ [illegible] کمی بیشی کے ساتھ جائز نہیں ہے۔"

(فقہی مقالات جلد ۱ صفحہ ۳۶ [illegible])

اور اسکے ناجائز ہونے کی وجہ یہ بتائی کہ اگر اس کو جائز کہا جائے تو [illegible] چوپٹ کھل جائے گا۔ عثمانی صاحب کی عبارت درج ذیل ہے۔

"لہٰذا موجودہ زمانے میں [illegible] کرنسی نوٹ کے تبادلے کے مسئلے میں امام مالک یا امام محمد کا قول اختیار کرنا مناسب ہے۔ اس لئے کہ امام شافعی یا امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہم کا مسلک اختیار کرنے سے سود کا دروازہ چوپٹ کھل جائے گا اور ہر سودی کاروبار اور لین دین کو اس مسئلہ کی آڑ بنا کر جائز کر دیا جائے گا چنانچہ اگر قرض دینے والا اپنے قرض کے بدلے سود لینا چاہے گا تو وہ اس طرح سے بآسانی لے سکے گا کہ قرض دار کو اپنے کرنسی نوٹ زیادہ قیمت میں فروخت کرے گا۔ اس طرح وہ اپنے قرض کے بدلے سود حاصل کرے گا۔"

(فقہی مقالات جلد ۱ صفحہ ۳۵ میمن اسلامک پبلشرز)

مولوی صاحب نے مندرجہ بالا دونوں عبارات میں سے پہلی عبارت میں کہا ہے کہ اگر ایک ہی ملک کی کرنسی ہو تو اس کو کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز نہیں اور دوسری عبارت میں اس کے ناجائز ہونے کی خودساختہ علت بیان کردی موصوف نے احناف کے دو مسلمہ فقہی اصول لا ربا فی المعدودات یعنی شمار کر کے فروخت کی جانے والی اشیاء میں (کمی و زیادتی کی وجہ سے) سود نہیں ہوتا اور "اذا وجد احدھما وعدم الاٰخر حل التفاضل وحرم النسا یعنی جب سود کی دو علتوں میں سے کوئی ایک نہ پائی جائے تو کمی بیشی جائز اور ادھار نا جائز ہے، کو چھوڑ دیا کیونکہ جب ایک ہی ملک کی کرنسی کے تبادلے میں سود کی دو علتوں میں سے ایک علت یعنی قدر مفقود اور دوسری علت جنس موجود ہے تو کمی بیشی جائز اور ادھار نا جائز ہوگا۔ لہٰذا یہ کہنا کہ "چنانچہ اگر قرض دینے والا اپنے قرض کے بدلے سود لینا چاہے گا تو وہ اس طرح سے بآسانی لے سکے گا کہ قرض دار کو اپنے کرنسی نوٹ زیادہ قیمت میں فروخت کرے گا۔ اس طرح وہ اپنے قرض کے بدلے سود حاصل کرے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

گا" سراسر غلط ہے کیونکہ ایک جنس ہونے کی وجہ سے ادھار تو ناجائز ہی رہے گا۔ جبکہ صاحب مذہب امام الائمہ، سراج الامہ، کشف الغمہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رضی اللہ تعالی عنہما اس کے جواز کے قائل ہیں جیسا کہ ہم نے مبسوط، ہدایہ، کنز الدقائق، فتح القدیر، عنایہ، کفایہ، البحر الرائق، النھر الفائق، الدر المختار، طحطاوی علی الدر اور رد المحتار کے حوالے سے نقل کیا کہ "یجوز بیع الفلس بفلسین بأعیانھما۔" یعنی ایک متعین سکے کی بیع دو متعین سکوں کے ساتھ جائز ہے۔ نیز اس پر امت مسلمہ کا عرف وتعامل بھی ہے مثلاً جب عیدین یا کسی تہوار کے موقع پر نئے نوٹ لینا چاہتے ہیں تو بلا جھجک پرانے نوٹ زیادہ مقدار میں دے کر نئے نوٹ لے لیتے ہیں۔ لہذا مسلمانوں کے عرف کو چھوڑ کر اپنے طور پر فتویٰ صادر کر دینا کسی فقیہ کا کام تو نہیں ہو سکتا۔ بلکہ مفتی کے لئے تو یہ حکم ہے کہ جب اس کے سامنے دو مفتیٰ بہ قول ہوں تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس قول پر فتویٰ دے جو راجح ہو اور راجح ہونے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ وہ دیکھے کہ ان میں سے جو قول اہل زمانہ کے عرف کے مطابق ہو یا اس میں لوگوں کے لئے آسانی ہو تو اسی پر فتویٰ دے نہ کہ دوسرے پر۔ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں

"ماإذاكان احدهما اوفق لاهل الزمان فان ماكان اوفق لعرفهم اواسهل عليهم فهواولى بالاعتماد عليه ولذاافتوابقول الامامين فى مسئلة تزكية الشهودوعدم القضاء بظاهر العدالة لتغيراحوال الزمان فان الامام كان فى القرن الذى شهد له رسول الله ﷺ بالخيرية بخلاف عصرهم فانه قدفشى فيه الكذب فلابدفيه من التزكية وكذاعدلواعن قول ائمتناالثلاثة فى عدم جواز الاستيجار على التعليم ونحوه لتغيرالزمان ووجودالضرورة الى القول بجوازه۔"

﴿رسائل ابن عابدین شامی جلد ۱ صفحہ ۴۰ مطبوعہ: سہیل اکیڈمی لاہور﴾

ترجمہ: ترجیح کی وجوہات میں سے یہ بھی ہے جب ان میں کوئی قول اہل زمانہ کے موافق ہو کیونکہ جو اہل زمانہ کے عرف کے موافق ہو یا ان کیلئے آسان ہو وہی اولیٰ ہے اور اسی پر

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

روایت ہونے کی تصریح علامہ سعدی آفندی علیہ الرحمہ نے عنایہ پر اپنے حاشیہ میں فرمائی اور انہی سے النھر الفائق میں نقل کیا اور اسے برقرار رکھا۔ اسی طرح اسکو درمختار میں نقل کیا اور فرمایا، "کافی میں ہے، فتوی لوگوں کی عادت پر ہے۔ اور اسی کی مثل عارف برکلی علیہ الرحمہ نے طریقہ محمدیہ کے آخر میں ذکر کیا اور فرمایا، "اس بیع کے جواز میں کوئی حیلہ نہیں سوائے اس ضعیف روایت سے دلیل پکڑنے کے جو امام ابو یوسف سے منقول کی گئی۔" اھ

ائمہ مذہب اور فقہاء محققین کے نزدیک تو عرف کے مطابق فتویٰ دینے سے سود کا باب بند ہوتا ہے مگر دیوبندی فقہ میں اسکے برعکس یہ دروازہ چوپٹ کھل جاتا ہے۔ اسی لئے فقہاء فرماتے ہیں من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاہل۔ جو اپنے زمانے والوں کو نہ جانے وہ جاہل ہے۔

پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ یہاں تو امام اعظم اور سیدنا ابو یوسف رحمہما اللہ تعالی کے قول کو چھوڑ کر کمی وزیادتی کو ناجائز کہہ دیا مگر ایک مقام پر خواہ مخواہ امام اعظم کے بارے میں منسوب کر دیا کہ ان کے نزدیک جب ایک ہی ملک کے سکوں کی بیع آپس میں کی جائے اور بدلین میں سے کسی ایک پر بھی قبضہ نہ ہو تو سود ہو جاتا ہے یعنی ایک جانب سے قبضہ کافی ہے۔ مولوی صاحب نے لکھا

> "ایک ہی ملک کے کرنسی نوٹوں کا تبادلہ برابر سرابر کر کے بالاتفاق جائز ہے۔ بشرطیکہ مجلس عقد میں فریقین میں سے کوئی ایک بدلین میں سے ایک پر قبضہ کرلے۔ لہذا اگر تبادلہ کرنے والے دو شخصوں میں سے کسی ایک نے بھی مجلس عقد میں نوٹوں پر قبضہ نہیں کیا۔ حتیٰ کہ وہ دونوں جدا ہو گئے تو اس صورت میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ اور بعض مالکیہ کے نزدیک یہ عقد فاسد ہو جائے گا۔"

﴿فقہی مقالات جلد ۱ صفحہ ۳۶ مطبوعہ: میمن اسلامک پبلشرز﴾

حالانکہ امام اعظم سے ایسی کوئی روایت نہیں ہے کہ جس میں ایک ہی جنس کے سکوں کے تبادلے میں صرف ایک جانب قبضہ کی شرط بیان کی ہو۔ بلکہ اس کے برعکس کتب مذہب میں یہ تصریح ہے کہ جنس ایک ہونے کی صورت میں بدلین کی تعیین ضروری ہے اور وہ فلوس میں قبضہ ہی سے ہو سکتی ہے اس لئے نوٹوں کا بھی یہی حکم ہوگا کہ جب

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وہ ایک ہی جنس کے ہوں تو ان پر قبضہ ضروری ہے۔ ملک العلماء کاسانی رحمۃ اللہ تعالی علیہ ایک ہی جنس کے سکوں کے تبادلے کی صورت میں ایک ہی جانب کے قبضہ کی نفی اور جانبین کے قبضے کی اثبات کی بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں

وذكر في بعض شروح مختصر الطحاوى رحمه الله انه يبطل لالكونه صرفابل لتمكن رباالنساء فيه لوجود احد وصفى علة رباالفضل وهوالجنس وهوالصحيح۔"

﴿بدائع الصنائع جلد ۵ صفحہ ۲۳۸﴾

ترجمہ: مختصر امام طحاوی رحمہ اللہ تعالی کی کسی شرح میں ذکر کیا گیا ہے کہ (جانبین میں سے کسی ایک جانب قبضہ نہ ہونے کی صورت میں) اس کا بطلان اس لئے نہیں ہے کہ یہ بیع صرف ہے بلکہ اس کے باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں سود کی دو علتوں میں سے جنس کے پائے جانے کی وجہ سے ادھار نا جائز ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔

پھر ایک مقام پر سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالی کے بارے میں خواہ مخواہ منسوب کر دیا کہ ان کے نزدیک ایک سکے کی دو سکے کے ساتھ بیع برابر اور ہم مثل ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ درج ذیل عبارت میں ہے۔

"اور امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ کے نزدیک ایک فلس کا دو فلسوں سے تبادلہ اس لئے نا جائز تھا کہ وہ سکے آپس میں بالکل برابر اور ہم مثل تھے۔"

﴿فقہی مقالات جلد ا صفحہ ۳۹ مطبوعہ: میمن اسلامک پبلشرز﴾

حالانکہ امام اعظم کا صحیح مذہب وہ جسے فقہاء کرام نے اپنی کتب میں درج فرمایا اور اس کے مطابق امام اعظم کے نزدیک اگر عددی اشیاء برابر اور ہم مثل بھی ہوں تو بھی ہاتھوں ہاتھ ان کا تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے جیسا کہ ایک انڈے کی بیع دو انڈوں کے ساتھ۔ صاحب فتح القدیر رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں

"محمد عن يعقوب عن ابى حنيفة فى بيع بيضة ببيضتين وجوزة بجوزتين وفلس بفلسين وتمرة بتمرتين يدابيد جاز اذاكان

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بعينه وليس كلاهما ولا أحدهما دينا۔"

﴿فتح القدیر جلد ۶ صفحہ ۱۶۲ المطبوعہ: مکتبہ الرشیدیہ کوئٹہ﴾

ترجمہ: سیدنا امام محمد یعقوب (امام ابو یوسف) سے اور وہ امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک انڈے کی دو انڈوں سے اور ایک اخروٹ کی دو اخروٹ سے اور ایک سکے کی دو سکوں سے اور ایک کھجور کی دو کھجوروں سے ہاتھوں ہاتھ بیع جائز ہے جبکہ جانبین متعین ہوں یعنی ان میں سے کوئی ایک یا دونوں ادھار نہ ہوں۔

بلکہ خود مولوی صاحب نے اسی مضمون میں پیچھے دو مقامات پر امام اعظم کا صحیح مذہب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کے نزدیک ایک سکے کی بیع دو سکوں سے جائز ہے وہ عبارات درج ذیل ہیں۔

"لیکن امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ یہ فرماتے ہیں چونکہ یہ سکے خلقی ثمن نہیں ہیں بلکہ اصطلاحی اثمان ہیں اس لئے متعاقدین کو اختیار ہے کہ وہ اپنے درمیان اس اصطلاح کو ختم کرتے ہوئے ان سکوں کی تعیین کے ذریعے ان کی ثمنیت کو باطل کر دیں۔ اس صورت میں یہ سکے عروض اور سامان کے حکم میں ہو جائیں گے، لہذا ان میں کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ جائز ہوگا۔"

﴿فقہی مقالات جلد ا صفحہ ۳۳ :میمن اسلامک پبلشرز﴾

دوسری عبارت ایک صفحہ کے بعد لکھی کہ

"جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک بھی اگر متعاقدین ان سکوں کو متعین کر دیں تو متعین کرنے سے ان کی ثمنیت باطل ہو کر ر، عروض اور سامان کے حکم میں ہو جائیں گے۔ اس صورت میں ایک فلس کا تبادلہ دو فلسوں کے ساتھ جائز ہے۔"

﴿فقہی مقالات جلد ا صفحہ ۳۴ میمن اسلامک پبلشرز﴾

پھر ستم بالائے ستم یہ کہ ایک مقام پر اپنا ایک اختراعی قاعدہ بیان کر کے کسی دوسرے مقام پر خود ہی اس کے خلاف لکھ دیا۔ مثلاً ایک مقام پر لکھا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

''پھر یہ برابری کرنسی نوٹوں کی تعداد اور گنتی کے لحاظ سے نہ دیکھی جائے گی بلکہ ان نوٹوں کی ظاہری قیمت کے اعتبار سے دیکھی جائے گی۔''

﴿فقہی مقالات جلد ا صفحہ ۳۷ میمن اسلامک پبلشرز﴾

مگر اس سے آگے اسی کتاب کے صفحہ ۵۶ پر بالکل اس کے برعکس اسکار لکھ دیا

''شریعت میں جو تماثل اور برابری معتبر ہے وہ مقدار میں برابری ہے، اموال ربویہ میں قیمت کے تفاوت کا بالکل اعتبار نہیں ہے۔''

اب ان سے پوچھا جائے کہ کیا تم نے اپنے مضمون میں جگہ جگہ اس بات کی صراحت نہیں کی کہ تمھارے نزدیک نوٹ اموال ربویہ میں سے ہے۔ اگر تمھاری وہ بات درست ہے تو پھر ان دو عبارتوں میں سے پہلی عبارت میں کیوں کہا کہ نوٹ میں اس کی ظاہری قیمت کا اعتبار ہے۔

الغرض یہ کہ موصوف کی کوئی بات قابل اعتبار نہیں ہے۔ اللہ تعالی امت مسلمہ کو اس قسم کے اجتہادات سے بچائے۔

حیرت انگیز مماثلت

فقیر نے اس مضمون کے لکھنے کے سلسلے میں مختلف لوگوں کی آراء سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے مختلف کتب کا مطالعہ کیا تو اس بات پر حیران رہ گیا کہ مولوی تقی عثانی اور ایک دوسرے مولوی صاحب کہ جنھیں ان کے دار العلوم میں بڑا محقق سمجھا جاتا ہے، کی تحقیق میں حیرت انگیز مماثلت ہے۔ دونوں حضرات کے مضامین میں اتنی زیادہ یکسانیت ہے کہ سوائے چند عنوانات (Headings) کے از اول تا آخر کہیں بھی فرق محسوس نہیں ہوا یا بس زیادہ سے زیادہ چھاپے کا فرق ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دونوں مضامین ایک ہی ذہن کی پیداوار ہیں۔ بہر حال ہم نے جو غلطیاں اور تضادات مولوی تقی عثانی صاحب کے مضمون میں بیان کی ہیں وہ تمام جوں کی توں دوسرے مولوی صاحب کے مضمون میں بھی پائی جاتی ہے۔

نوٹ وزنی اور مکیلی نہیں ہے

ہاں البتہ ان مولوی صاحب کے مضمون کے اخیر میں نوٹ کو وزنی ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور ضرور لگایا گیا ہے۔ اور اسی مقام پر مولوی تقی عثانی اور انکی کی تحریر میں واضح فرق محسوس ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اعتماد ہے۔اسی لئے فقہاء نے اختلاف زمانہ کی وجہ سے گواہوں کے تزکیہ اور ظاہری عدالت پر فیصلہ نہ کرنے پر صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا۔کیونکہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ اس زمانے میں تھے کہ جس کی اچھائی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے گواہی دی تھی بخلاف صاحبین کے زمانہ کے کہ اس میں جھوٹ پھیل چکا تھا تو اس میں تزکیہ ضروری تھا اسی طرح ائمہ ثلاثہ کے تعلیم قرآن پر اجارہ کے عدم جواز کے قول اور اسی کے مثل دیگر مسائل میں علماء نے تغیر زمانہ اور ضرورت کے پائے جانے کی وجہ سے اعراض کیا۔

بلکہ خاص درھم دینار جو کہ اموال ربویہ ہیں کے مسئلہ میں علماء نے لوگوں کو سود سے بچانے کے لئے امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر فتویٰ دیا۔علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"علی هذا فلوتعارف الناس بیع الدراهم بالدراهم او استقراضها بالعدد کمافی زماننالایکون مخالفاللنص فالله تعالی یجزیء الا مام ابایوسف عن اهل هذالزمان خیرالجزاء فقد سدعنهم باباعظیمامن الربوٰ قد صرح بتخریج هذاعلی هذه الروایة العلامة سعدی افندی فی حاشیته علی العنایة ونقلهاعنه من النهرواقره وکذلک نقله فی الدرالمختاروقال وفی الکافی الفتویٰ علی عادة الناس انتهی۔ وذکر نحوه فی آخر الطریقة المحمدیة للعارف البرکلی فقال ولاحیلة فیه الاالتمسک بالروائة الضعیفة عن ابی یوسف۔

﴿رسائل ابن عابدین شامی جلد۲ صفحہ۱۱۸۔۱۱۹ مطبوعہ:سہیل اکیڈمی لاہور۔﴾

اس روایت کے مطابق اگر لوگوں میں درہم کی درہم سے خرید وفروخت اور قرض لینا عدد کے ساتھ متعارف ہو جائے جیسا کہ ہمارے زمانے میں ہے تو یہ نص کے مخالف نہیں۔اللہ تعالیٰ اس زمانے والوں کی طرف سے امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کو بہترین جزاء عطا فرمائے کہ انہوں نے ان لوگوں سے سود کا ایک بہت بڑا دروازہ بند کردیا اس (بیع کے جواز) کی تخریج اس

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سے پہلے مفاہمانہ انداز پر تھا اور اب جارحانہ اور مناظرانہ ہے۔ شاید یہاں سے خود مولوی صاحب کی تحریر ہے۔ بہر حال لکھتے ہیں

"نوٹ کے بدلے نوٹ کی زیادتی کے ساتھ بیع پر یہ دلیل دی جاتی ہے کہ نوٹ عددی چیز ہے اور اموال ربویہ میں سے نہیں ہے اور عددی چیز میں احناف کے نزدیک زیادتی کے ساتھ بیع جائز ہے، جیسے ایک انڈے کے بدلے میں دو انڈوں کی بیع جائز ہے، اسی طرح دس کے ایک نوٹ کی دس کے دو نوٹوں کے بدلے میں بیع جائز ہے۔

یہ دلیل اپنے تمام مقدمات کے ساتھ باطل ہے اولاً تو یہ مفروضہ غلط ہے کہ نوٹ عددی چیز ہے اور اموال ربویہ میں سے نہیں حقیقت میں نوٹ وزنی چیز ہے اور اموال ربویہ میں سے ہے، کیونکہ نوٹ کی اصل کاغذ ہے اور کاغذ وزنی چیز ہے۔ کاغذ جتنے گرام کا ہوتا ہے اس کی قیمت اسی حساب سے مقرر کی جاتی ہے۔ ہم نے آج ۱۹ جنوری ۱۹۸۹ء کو کراچی پیپر مارکیٹ سے آفسٹ پیپر مارکیٹ کے نرخ معلوم کیے جن کی قیمت ان کے وزن کے اعتبار سے حسب ذیل ہے،

۲۰ ۳۰	۴۵ گرام	۲۵۰ روپیہ رم
۲۷ ۳۴	۵۵ گرام	۴۳۰ روپیہ رم
۲۰ ۲۶	۵۶ گرام	۳۴۵ روپیہ رم
۲۰ ۳۰	۵۶ گرام	۲۹۰ روپیہ رم
۲۳ ۳۶	۵۶ گرام	۳۹۶ روپیہ رم
۲۷ ۳۴	۵۶ گرام	۴۳۵ روپیہ رم

ان تمام صورتوں میں کاغذ کی تعداد ایک رم ہے لیکن قیمتوں میں اختلاف رم کی کمی بیشی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ سائز اور وزن کے اختلاف کے اعتبار سے قیمتوں میں اختلاف ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کاغذ کی خرید و فروخت پیمائش اور وزن کے اعتبار سے ہوتی ہے اور فقہاء احناف کے نزدیک انہی چیزوں میں سود کا اعتبار کیا جاتا ہے جن کی خرید و فروخت پیمائش اور وزن کے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اعتبار سے ہوتی ہے اس لئے یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ کاغذ اموال ربویہ میں سے نہیں ہے بلکہ کاغذ حقیقت میں اموال ربویہ میں سے ہی ہے۔اور کاغذ کو اموال ربویہ میں سے شمار نہ کرنا محض لاعلمی ہے۔''

مذکورہ بالا عبارت پر کلام کرنے سے پہلے ہم اپنے قارئین پر یہ بات واضح کردیں کہ اگرچہ مولوی صاحب نے یہاں کسی کا نام نہیں لیا مگر ان کی یہ عبارت امام اہل سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے دلائل کے رد میں ہے۔کیونکہ امام اہلِ سنت نے فتاویٰ رضویہ میں متعدد مقامات پر نوٹ کو اموال غیر ربویہ میں شمار فرمایا اور کمی بیشی کے ساتھ اس کی بیع کے جواز کی صراحت کی ہے۔آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

''نوٹ دراصل تول والی چیز نہیں ہے کیونکہ کاغذ کے پرچے عرف میں کبھی نہیں تولے جاتے لہٰذا پیمانہ (Measure) کاغذ کو شامل نہ ہوا جیسے غلہ سے ایک مٹھی (Hand Ful) اور سونے سے ایک ذرہ کو پیمانہ شامل نہیں ہوتا لہٰذا ہمارا یہ مسئلہ ہر حال میں مخالفت سے محفوظ ہے۔''

﴿فتاویٰ رضویہ جلد ۷ صفحہ ۱۵۷ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

ایک دوسرے مقام پر رقم طراز ہیں،

''نوٹ نہ تول کی چیز ہے نہ ناپ کی تو واجب ہوا کہ کمی بیشی اور ادھار دونوں جائز ہوں تو ظاہر ہوا کہ نوٹ سرے سے مال ربو ہے ہی نہیں۔''

﴿فتاویٰ رضویہ جلد ۷ صفحہ ۱۵۷ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

امام اہل سنت کی عبارات سے واضح ہو گیا کہ مولوی صاحب نے یہ عبارت امام اہل سنت ہی کے دلائل کے رد میں لکھی ہے۔مگر فقیر کو مولوی صاحب کی عبارت میں کئی وجوہ سے کلام ہے جو کہ درج ذیل سطور میں پیش کیا جاتا ہے۔

فقہ حنفی کی مخالفت

اولا: مولوی صاحب نے لکھا کہ ''یہ دلیل اپنے تمام مقدمات کے ساتھ باطل ہے''۔میرے نزدیک

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مولوی صاحب کا یہ جملہ حقیقت کے برعکس ہے۔ کیونکہ یہ دلیل دو مقدمات اور ایک نتیجہ پر مبنی ہے۔ پہلا مقدمہ تو یہ کہ "نوٹ عددی شیء ہے" دوسرا مقدمہ یہ کہ "عددی اشیاء میں ربوا جاری نہیں ہوتا" چنانچہ نتیجہ یہی نکلے گا کہ "نوٹ میں ربوا جاری نہ ہوگا"۔ بالفرض اگر مولوی صاحب کی بات درست بھی مان لی جائے تو بھی اس دلیل کا صرف پہلا مقدمہ یعنی "نوٹ عددی شیء ہے" باطل ہوگا نہ کہ دوسرا بھی کیونکہ دوسرا مقدمہ "عددی اشیاء میں ربوا جاری نہیں ہوتا" تو احناف کے مسلمہ اصولوں میں سے ہے۔ لہٰذا مولوی صاحب کا اپنی بات کو درست ثابت کرنے کے لئے احناف کے مسلمہ اصول کو یہ کہہ کر غلط قرار دینا کہ یہ دلیل اپنے تمام مقدمات کے ساتھ باطل ہے، انتہائی لغو ہے۔ اور حنفی فقہ کی صریح مخالفت ہے۔

نوٹ عرفاً عددی ہیں

ثانیاً: مولوی صاحب کا یہ کہنا کہ "اولاً تو یہ مفروضہ غلط ہے کہ نوٹ عددی چیز ہے اور اموال ربویہ میں سے نہیں حقیقت میں نوٹ وزنی چیز ہے اور اموال ربویہ میں سے ہے" درست نہیں بلکہ یہ ان کی کتب فقہیہ سے ناواقفی کی دلیل ہے۔ کیونکہ کسی چیز کے مفروضہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس چیز کے لئے کوئی معتبر بنیاد نہ ہو۔ حالانکہ امام اہلسنت رحمہ اللہ تعالیٰ نے نوٹ کو جب عددی اشیاء میں شمار فرمایا تو گذشتہ ساٹھ ستر سال سے کسی نے بھی نوٹ کے عددی ہونے کا انکار نہیں کیا حتی کہ علماء حرمین طیبین نے بھی اس کو بلا چون و چراہ قبول کیا اور وہ کیوں نہ قبول کرتے کہ امام اہل سنت نے نوٹ کے عددی ہونے پر عرف مسلمین کو دلیل بنایا۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

> "نوٹ دراصل تول والی چیز نہیں ہے کیونکہ کاغذ کے پرچے عرف میں کبھی نہیں تولے جاتے لہٰذا پیمانہ (Measure) کاغذ کو شامل نہ ہوا"

﴿فتاویٰ رضویہ جلد ۷ صفحہ ۱۵۷ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

اور نوٹ کے عددی ہونے کا عرف صرف امام اہل سنت کے زمانے تک ہی محدود نہ تھا بلکہ آج بھی فقیر کی معلومات کے مطابق دنیا میں کہیں بھی نوٹ وزن یا کیل کے مطابق نہیں بکتا۔ لہٰذا مولوی صاحب کا یہ لکھنا کہ نوٹ دراصل وزنی چیز ہے سراسر حقیقت کے خلاف اور عرف سے ناواقفی کی دلیل ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

فقہی مسائل سے ناواقفیت

ثالثاً: مولوی صاحب کا نوٹ کو وزنی ثابت کرنے کے لئے یہ لکھنا کہ "حقیقت میں نوٹ وزنی چیز ہے اور اموال ربویہ میں سے ہے، کیونکہ نوٹ کی اصل کاغذ ہے اور کاغذ وزنی چیز ہے۔" مولوی صاحب کی فقہی مسائل سے ناواقفی کی دلیل ہے۔ کیونکہ یہ ضروری تو نہیں ایک چیز کے ساتھ ہر حالت میں ایک سا ہی معاملہ کیا جائے یعنی اگر وہ ایک حالت میں وزنی ہو تو دوسری حالت میں بھی وزنی ہو یا مکیلی ہو تو دوسری حالت میں بھی مکیلی ہی رہے۔ بلکہ کتب فقہ میں اس بات کی متعدد مقامات پر تصریحات ہیں کہ چیز کی حالت بدلنے سے اسکے معیار میں بھی فرق آجاتا ہے بلکہ یہ بات تو ایک عام آدمی بھی سمجھتا ہے۔ روزمرہ زندگی میں بھی اس کی بکثرت مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں۔ مثلاً کپڑے کی اصل روئی ہوتی ہے اور روئی بازار میں تول کر خرید و فروخت کی جاتی ہے مگر جب یہ کپڑے کی صورت اختیار کر لیتی ہے تو عام طور پر وہ کپڑا گزوں کے حساب سے ملتا ہے اور خاص طور پر وہ کپڑا جو کہ لباس کے لئے استعمال کیا جاتا ہے وہ تو گزوں ہی کے ذریعے بکتا ہے۔ مگر کوئی جاہل آدمی بھی لباس کے لئے خریدے جانے والے کپڑے کے بارے میں اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ کپڑا تول کر دو کہ اس کی اصل روئی ہے جو کہ تول کر خریدی اور بیچی جاتی ہے۔ اسی طرح ہمارے عرف میں گوشت کی تول کر بیع کی جاتی ہے حالانکہ سب جانتے ہیں کہ اس کی اصل گائے یا بکری یا اونٹ عام طور پر تول نہیں بکتے مگر پھر بھی ہر شخص قصاب کے پاس آکر بلا کسی حیل وحجت تول کے ذریعے سے گوشت خرید لیتا ہے۔ بلکہ خاص کاغذ ہی کو لیجئے جب وہ کتاب یا کاپی کی صورت اختیار کر لیتا ہے بلکہ مجرد کاغذ ہی رہے مثلاً اسٹامپ پیپر یا ڈاک کے لفافے ہونے کی صورت میں تول کے بجائے گن کر ہی بکتا ہے اور کوئی یہ تقاضا نہیں کرتا کہ اسکی اصل کاغذ ہے اس لئے تول کر خریدیں گے۔

کتب فقہیہ کی یہ بحث ہدایہ پڑھنے والے طالب علم سے بھی مخفی نہ ہوگی کہ فقہائے احناف نے ایک سکے کی بیع دو سکوں سے ان کی ثمنیت باطل کرنے کے بعد جائز قرار دی ہے پھر اس پر یہ اعتراض وارد کیا جاتا ہے کہ جب ان کی ثمنیت باطل کر دی گئی اب یہ واپس اپنے اصل کی طرف لوٹ گئے ہیں چنانچہ ان کا وزنی ہونا بھی عود کر آئے گا۔ تو اس کا جواب فقہائے کرام نے یہ دیا کہ سکوں کی خرید و فروخت کرنے والوں نے صرف ان کی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ثمنیت کو باطل کیا ہے ان کے عددی ہونے کو باطل نہیں کیا ہے۔لہذا ان کی بیع کمی زیادتی کے ساتھ جائز ہے۔

ہدایہ شریف میں ہے،

"اذابطلت الثمنية تتعين بالتعيين ولا يعودوزنيالبقاء الاصطلاح على العد"

﴿ہدایہ آخرین صفحہ ۸۱ مطبوعہ: مکتبہ شرکت علمیہ ملتان﴾

ترجمہ: جب ثمنیت باطل ہوجائے تو سکے متعین کرنے سے متعین ہوجائیں گے اور وہ دوبارہ موزونی نہ ہونگے کیونکہ انکے عددی ہونے کی اصطلاح باقی ہے۔

حتیٰ کہ کتب فقہیہ میں خاص چاندی کہ جس کے وزنی ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اگر کسی صورت میں اگر اسکے عددی ہونے پر عرف قائم ہوجائے تو عرف مسلمین کا خیال رکھتے ہوئے جواز ہی کا فتویٰ دیا جائے گا جیسا کہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا کہ

فلوتعارف الناس بيع الدراهم بالدراهم او استقراضها بالعددكمافي زماننالايكون مخالفاللنص۔

﴿رسائل ابن عابدین جلد۲ صفحہ ۱۱۸ مطبوعہ: سہیل اکیڈمی لاہور﴾

ترجمہ: پس اگر درہموں (چاندی کے سکے) کی درہموں سے بیع یا قرض لینے دینے پر از روئے عدد کے لوگوں کا عرف جاری ہوجائے پھر بھی حدیث کے مخالف نہیں ہوگا جیسا کہ ہمارے زمانے میں ہے (حالانکہ چاندی کے وزنی ہونے پر نص ہے)۔

چونکہ نوٹ پر دنیا بھر کے لوگوں کا یہی عرف ہے کہ اس کا لین دین شمار کرکے ہی کیا جاتا ہے لہذا مولانا کا اس کو وزنی قرار دینا حقیقت سے بعید ہے۔

کم فہمی

رابعا: مولوی صاحب نے لکھا کہ "کاغذ جتنے گرام کا ہوتا ہے اس کی قیمت اسی حساب سے مقرر کی جاتی ہے۔ہم نے آج ۱۹ جنوری ۱۹۸۹ء کو کراچی پیپر مارکیٹ سے آفسٹ پیپر مارکیٹ کے نرخ معلوم کیے جن کی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

[illegible] کے اظہار سے حسب ذیل ہے،

۳۰ ۲۰	۴۵گرام	۲۵۰روپیہ رم
۳۴ ۲۷	۵۵گرام	۴۳۰روپیہ رم
۲۹ ۲۰	۵۶گرام	۳۴۵روپیہ رم
۳۰ ۲۰	۵۶گرام	۲۹۰روپیہ رم
۳۶ ۲۳	۵۶گرام	۳۹۶روپیہ رم
۳۴ ۲۷	۵۶گرام	۴۳۵روپیہ رم

ان تمام صورتوں میں کاغذ کی تعداد ایک رم ہے لیکن قیمتوں میں اختلاف رم کی کمی بیشی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ سائز اور وزن کے اختلاف کے اعتبار سے قیمتوں میں اختلاف ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ کاغذ کی خرید وفروخت پیائش اور وزن کے اعتبار سے ہوتی ہے۔" لگتا ہے کہ مولوی صاحب نے کاغذ کے ریٹ فون پر معلوم کیے ہیں ورنہ ایسی بات نہ کہتے۔فقیر نے بذات خود کئی مرتبہ کراچی پیپر مارکیٹ سے پیپر خریدے ہیں مگر پیپر مارکیٹ میں کہیں بھی کسی دکان پر کاغذ تولنے کے لئے کوئی پیانہ نہ دیکھا۔چنانچہ اگر کاغذ وزن کے حساب سے بکتا تو کہیں تو پیانہ نظر آتا۔ہاں البتہ کاغذوں کی قیمت اسی انداز میں بتائی جاتی ہے جیسا کہ مولانا نے لکھا ہے۔مگر یہ صرف کاغذ کی کوالٹی بیان کرنے کا ایک انداز ہے جس طرح کہ عام طور پر جانوروں کی منڈی میں جانور فروخت کرتے وقت جانور کا مالک اپنے جانور کی قیمت بتاتے وقت اس جانور کا وزن زیادہ بتاتا ہے یا گاہک قیمت کم کرواتے وقت اس کا وزن کم بتاتا ہے تو بائع اور مشتری (بیچنے اور خریدنے والے) کے ان کلمات سے وہ جانور موزونی نہیں ہو جاتا بلکہ عددی ہی رہتا ہے بالکل اسی طرح کاغذ کی خرید وفروخت کے وقت اگر اس کی صفت جاننے کے لئے ایک شیٹ کا وزن بتانے سے کاغذ موزونی نہیں بن جاتا۔پیپر مارکیٹ میں عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ جب گاہک کسی کوالٹی کا پیپر دیکھ کر اسے پسند کرلیتا ہے تو اس کاغذ کے جتنے رم خریدنے ہوتے ہیں لے لیتا ہے اور کوئی وزن نہیں کیا جاتا۔ان رموں (Rims) میں کاغذ کی مخصوص تعداد ہوتی ہے اگر بالاتفاق کسی رم میں کاغذ کم ہوں تو دکاندار اس تعداد کو اسی قسم کے کاغذ کی دوسری شیٹ دیکر پورا کر دیتا ہے۔بقول مولانا کے اگر کاغذ واقعی وزنی ہوتا تو دکاندار شیٹ (Sheet) دینے کے بجائے اس رم کا وزن کرتا اور جتنا وزن کم ہوتا دیگر کاغذ ڈال کرہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وزن پورا کر دیتا۔ مگر ایسا نہیں ہوتا تو ظاہر ہوا کہ مولوی صاحب کا کاغذ کو وزنی سمجھنا محض غلطی ہے۔

فقیر نے یہ تمام گفتگو مولوی صاحب کے طرز استدلال کے اعتبار سے کی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ عموماً کاغذ گن کر ہی بکتا ہے مگر بعض کاغذ اس قسم کا بھی ہوتا ہے جو تُل کر بکتا ہے۔ مگر یہ بات مولوی صاحب کو کسی طرح فائدہ نہ دیگی۔ کیونکہ بطور خاص نوٹ میں تو گنے جانے ہی کا عرف ہے۔ اور عرف کی اہمیت ہم گذشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں۔

مغالطہ آفرینی

خامسا: مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ ”اس سے معلوم ہوا کہ کاغذ کی خرید و فروخت پیائش اور وزن کے اعتبار سے ہوتی ہے اور فقہاء احناف کے نزدیک انہی چیزوں میں سود کا اعتبار کیا جاتا ہے جن کی خرید و فروخت پیائش اور وزن کے اعتبار سے ہوتی ہے اس لئے یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ کاغذ اموال ربویہ میں سے نہیں ہے بلکہ کاغذ حقیقت میں اموال ربویہ میں سے ہی ہے۔ اور کاغذ کو اموال ربویہ میں سے شمار نہ کرنا محض لاعلمی ہے۔“
مولوی صاحب نے اس عبارت میں کاغذ کو اموال ربویہ میں داخل کرنے کے لئے کاغذ کے پیائش سے بکنے کا بھی سہارا لیا ہے۔ مولانا کی یہ بات تو درست تسلیم کی جاسکتی ہے کہ کاغذ پیائش سے بھی بکتا ہے اور پیائش کی صرف ایک قسم سود کی علت ہے اور وہ کیل ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

”قال الربو محرم فی کل مکیل اوموزون اذابیع بجنسه متفاضلافالعلة عندناالکیل مع الجنس اوالوزن مع الجنس۔“

﴿ہدایہ آخرین صفحہ ۷۷ مکتبہ: شرکت علمیہ ملتان﴾

ترجمہ: سود حرام ہے ہر مکیلی اور موزونی چیز میں جب اسے اپنی جنس کے ساتھ کمی زیادتی کے ساتھ فروخت کیا جائے پس سود کی علت ہمارے نزدیک کیل مع جنس ہے یا وزن مع جنس ہے۔

مگر ہر قسم کی پیائش تو سود کی علت نہیں ہے۔ اسی لیے فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنی کتب میں واضح لفظوں میں لکھا کہ گزوں کے ذریعے سے ناپی جانے والی اشیاء اموال ربویہ میں سے نہیں ہیں اور ایک ہی جنس ہونے کی صورت میں ان کی نقد بیع کمی زیادتی کے ساتھ جائز ہے۔ لہذا مولوی صاحب کا کاغذ کو پیائش کی وجہ سے اموال

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ربویہ میں سے شمار کرنا کھلی ہوئی غلطی ہے۔

تضاد بیانی

سادسا: مزید برآں مولانا نے ایک ہی ملک کے نوٹوں کی آپس میں ادھار بیع کے ناجائز ہونے پر دلائل قائم کرتے ہوئے اسی صفحہ پر لکھا کہ،

''اور جب یہ بیع ادھار کی جائے گی تو بیع کے وقت دوسرے عوض پر قبضہ نہیں ہوگا اور سود کو حلال کرنے کے لئے اس بیع میں ادھار کا ہونا ضروری ہے پس مجوزین ربوا کا مقصود حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ جب ایک نوٹ کی دو نوٹوں کے عوض میں ادھار بیع ہوگی تو دوسری جانب سے نوٹ متعین نہ ہونگے اور اس صورت میں ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بیع ناجائز اور حرام ہے۔''

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ جب ایک ہی ملک کی کرنسی آپس میں ادھار بیع کی جائے تو وہ ناجائز ہے جیسا کہ ہم گذشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں۔ مگر حیرت ہے کہ مولوی صاحب نے اپنی اسی کتاب میں گذشتہ صفحات میں دو مقامات پر ایک ہی ملک کی کرنسی کے ادھار بیع کی جواز کی تصریح کی ہے۔ اور واضح لفظوں میں لکھا کہ اگر جانبین میں سے ایک طرف قبضہ ہو جائے تو جائز ہے۔ مگر اب اپنی بات ثابت کرنے کے لئے خود ہی اس کے خلاف لکھ دیا مولوی صاحب لکھتے ہیں،

''اسی طرح ایک ہی ملک کے کرنسی نوٹوں کا تبادلہ برابر سرابر کر کے بالاتفاق جائز ہے، بشرطیکہ مجلس عقد میں فریقین میں سے کوئی ایک بدلین میں سے ایک پر قبضہ کرلے۔''

اسی طرح دوسرے صفحے پر لکھتے ہیں،

''پھر ایک ہی ملک کے کرنسی نوٹوں کے درمیان تبادلے کے وقت اگر چہ کمی زیادتی تو جائز نہیں لیکن یہ بیع صرف بھی نہیں ہے کیونکہ کرنسی نوٹ خلقۃً ثمن نہیں ہیں بلکہ یہ ثمن عرفی یا اصطلاحی ہیں اور بیع صرف کے احکام صرف خلقی اثمان (سونے چاندی) میں جاری ہوتے ہیں۔ اس لئے مجلس عقد میں دونوں طرف سے قبضہ شرط نہیں''

مذکورہ بالا دونوں عبارات کا مفاد یہ ہے کہ اگر ایک ہی ملک کی کرنسی کی بیع میں مجلس عقد میں ایک جانب سے قبضہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہوجائے خواہ دوسری جانب کے نوٹ بعد میں بھی ادا کیے جائیں تو جائز ہے۔ ہم نے ان دونوں عبارات کی غلطیاں مولوی تقی عثمانی کی غلطیوں کے ضمن میں بیان کردی ہیں۔اور صفحہ نمبر ۳۴ اور ۳۵ پر صاحب فتح القدیر کے حوالے سے لکھی گئی عبارت مولوی صاحب کی ان دونوں عبارات کی غلطی پر واضح تصریح ہے۔

مولوی صاحب کی تنگ نظری

سابعا: مولوی صاحب نے لکھا ''مجوزین ربوا کا مقصود حاصل نہ ہوگا''۔مولوی صاحب کے یہ الفاظ ان کی تنگ نظری پر دلیل ہیں۔یعنی مولوی صاحب اپنے خیالات میں اتنے تنگ نظر واقع ہوئے ہیں کہ اگر کوئی ان کے برعکس مؤقف رکھے تو یہ ایک عالم کے مرتبہ سے تنزلی کر کے اسے انتہائی ناشائستہ اور تہذیب سے گرے ہوئے الفاظ بھی کہنے میں باک محسوس نہیں کرتے۔مولوی صاحب نے یہ جانتے بوجھتے کہ نوٹ کو امام اہل سنت رحمہ اللہ تعالیٰ نے عددی اور اموال غیر ربویہ میں شمار فرمایا ہے، اسے محض لاعلمی قرار دیا حتی کہ مجوزین ربوا (سود کو حلال کرنے والے) جیسے الفاظ بھی لکھتے ہوئے حیا نہ کی۔اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو ان جیسے غیر سنجیدہ لوگوں کے فریب سے بچائے۔ امین

واللہ تعالی اعلم بالصواب

کتبہ: محمد ابوبکر صدیق عطاری

۱۸ ستمبر ۲۰۰۲ء

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

آداب مرشد

مرشد کامل کے آداب سے متعلق ایک
مختصر مگر جامع تحریر

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ بکراور خالد زید کے مرید ہیں زید نے بکر کو کہا خالد کے خلاف اگر تم نے کچھ کہا یا خالد کی مخالفت کی تو تم دنیاو آخرت میں میرے نہیں اب زید کے اس فرمان کے بعد بکر نے خالد کی مخالفت چند وجوہات شرعی اور چند وجوہات تنظیمی کی وجہ سے کی آیا کہ بکر کی زید سے بیعت ٹوٹ گئی یا نہیں جب کہ زید کا قول، ذکر کیا گیا ارشاد فرمائیں کے بکر کے لئے کیا حکم ہے؟

سائل: محمد امجد علی عطاری

نیو کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب بعون الوھاب

اللھم ھدایة الحق والصواب

اگر شیخ جامع شرائط ہو تو مرید کے لیے اپنے شیخ پر اعتراض کرنا یا اس کی نافرمانی کرنا درست نہیں۔اسی طرح شیخ جس کی اطاعت کا حکم اور نافرمانی سے منع کرے تو اسکی اطاعت سے گریز کرنا اور نافرمانی میں سعی کرنا بھی درست نہیں کہ اس میں بعینہ شیخ کی نافرمانی ہے۔اگر مرید اپنے شیخ کے حکم کے برعکس کریگا تو یہ اسکے لیے دنیاو آخرت میں ہلاکت کا باعث ہے۔جیسا کہ غنیۃ الطالبین میں ہے:

"مرید پر واجب ہے کہ ظاہر میں اپنے شیخ کی مخالفت نہ کرے اور باطن میں اس پر اعتراض نہ کرے کیونکہ گناہ کرنے والا ظاہر میں ادب کا تارک ہوتا ہے اور دل سے اعتراض کرنے والا اپنی ہلاکت کے پیچھے پڑتا ہے بلکہ مُرید کو چاہیے کہ شیخ کی حمایت میں ہمیشہ کے لیے اپنے نفس کا دشمن بن جائے۔شیخ کی ظاہری اور باطنی طور پر مخالفت سے اپنے آپ کو روکے اور نفس کو جھڑک دے۔اور قرآن پاک کی یہ آیت کثرت سے تلاوت کرے: ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا ربنا انک رؤف رحیم اے ہمارے رب ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ایمان کے ساتھ ہم سے پہلے گذر

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

گئے اور ہمارے دل میں ایمان والوں کے لیے کھوٹ نہ ڈال۔ اے ہمارے رب بے شک تو مہربان رحم والا ہے۔

اگر شیخ سے کوئی ایسی بات ظاہر ہو جو شریعت میں ناپسند ہے تو مثالوں اور اشاروں کے ساتھ اُسے خبردار کرے واضح طور پر نہ کہے تا کہ اس کے دل میں اس سے نفرت نہ پیدا ہو اگر اس میں کوئی عیب دیکھے تو پردہ پوشی کرے اور اپنے نفس کو تہمت لگائے اور شیخ کے لیے کوئی شرعی تاویل کرے اگر شرعی طور پر کوئی عذر نہ ہو سکتا ہو تو اس کے لیے بخشش طلب کرے اور توفیق، علم، بیداری، حفاظت اور حمیت وغیرت کی دعا مانگے لیکن مرشد کو معصوم نہ سمجھے (انسانوں میں صرف انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہیں) اس بات کی کسی دوسرے کو اطلاع نہ دے۔ اور جب دوسرے دن یا کسی دوسرے وقت واپس آئے تو اس عقیدے کے ساتھ آئے کہ وہ عیب اب زائل ہو چکا ہوگا اور شیخ اس سے اگلے مرتبہ کی طرف منتقل ہو چکا ہوگا۔ اس پر ٹھہرا نہیں ہوگا۔ اور یہ بات اس سے غفلت اور دو حالتوں کے درمیان جدائی کے باعث واقع ہوئی ہے۔ کیونکہ دو حالتوں کے درمیان کچھ فصل ہوتا ہے اور شرعی رخصتوں، اباحتوں کی طرف رجوع نیز عزیمت اور سختی کو ترک کرنے کا حق ہوتا ہے۔ جس طرح دو کمروں کے درمیان دہلیز کا اور دو مکانوں کے درمیان ایک مکان ہوتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں پہلی حالت ختم ہوتی ہے اور دوسری حالت کی چوکھٹ پر کھڑا ہوتا ہے (ابھی اندر داخل نہیں ہوتا لہٰذا اس وقت کچھ کوتاہی ہو سکتی ہے) ایک ولایت سے دوسری کی طرف انتقال ہے۔ ایک ولایت کا لباس اتار کر دوسری ولایت کا لباس پہننا ہے جو اعلیٰ واشرف ہے کیونکہ ان لوگوں کو قربِ الٰہی سے حصول میں روزانہ اضافہ حاصل ہوتا ہے۔

اگر مبتدی سالک اپنے شیخ کو غضب ناک پائے، اس کے چہرے پر ناگواری کے اثرات دیکھے یا کسی قسم کا اعراض محسوس کرے تو اس سے تعلق ختم نہ کرے بلکہ اپنے باطن کی کھوج لگائے۔ شیخ کے حق میں جو بے ادبی یا کوتاہی ہوئی اگر اس کا تعلق امر خداوندی کو بجا نہ لانے اور منہیات شرع کے ارتکاب سے ہے تو اپنے رب عزوجل سے بخشش مانگے، توبہ کرے اور دوبارہ یہ جرم نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرے پھر شیخ کے ہاں عذر پیش کرے۔ عاجزی اور ذلت کا اظہار کرے اس کی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

چاپلوسی کرے، مستقبل میں مخالفت ترک کر کے اس کی محبت اختیار کرے ہمیشہ ساتھ رہے اور اس کی موافقت کرے۔ اور اسے اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان وسیلہ اور واسطہ بنائے۔

﴿غنیۃ الطالبین صفحہ ۷۱۸، ۷۱۹﴾

نیز امام اہلسنت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"بیعت ارادت کہ اپنے ارادہ اختیار سے یکسر باہر ہو کر اپنے آپ کو شیخ مرشد ہادی برحق واصل بحق کے ہاتھ میں بالکل سپرد کر دے اسے مطلقاً اپنا حاکم و مالک و متصرف جانے اُس کے چلانے پر راہ سلوک چلے کوئی قدم بے اس کی مرضی کے نہ رکھے اس کے لئے اس کے بعض احکام یا اپنی ذات میں خود اس کے کچھ کام اگر اس کے نزدیک صحیح نہ معلوم ہوں انہیں افعال خضر علیہ الصلاۃ والسلام کے مثل سمجھے اپنی عقل کا قصور جانے اس کی کسی بات پر دل میں بھی اعتراض نہ لائے اپنی ہر مشکل اس پر پیش کرے غرض اس کے ہاتھ میں مردہ بدست زندہ ہو کر رہے یہ بیعت سالکین ہے اور یہی مقصود مشائخ مرشدین ہے یہی اللہ عزوجل تک پہنچاتی ہے یہی حضور اقدس ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لی ہے جسے سیدنا عبادہ بن صامت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بایعنا رسول اللّٰہ ﷺ علی السمع والطاعۃ فی العسر والیسر والمنشط والمکرہ وان لا ننازع الامر اھلہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس پر بیعت کی کہ ہر آسانی دوشواری ہر خوشی و ناگواری میں حکم سنیں گے اور اطاعت کریں گے اور صاحب حکم کے کسی حکم میں چون و چرا نہ کریں گے۔ شیخ ہادی کا حکم رسول کا حکم ہے اور رسول کا حکم اللہ کا حکم اور اللہ کے حکم میں محال دم زدن نہیں اللہ عزوجل فرماتا ہے وما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللّٰہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم و من یعص اللّٰہ ورسولہ فقد ضل ضلالا مبینا ۝ کسی مسلمان مرد عورت کو نہیں پہنچتا کہ جب اللہ و رسول کسی معاملہ میں کچھ فرما دیں پھر انہیں اپنے کام کا کوئی اختیار رہے اور جو اللہ و رسول کی نافرمانی کرے وہ کھلا گمراہ ہوا۔ عوارف شریف میں ارشاد فرمایا دخولہ فی حکم الشیخ دخولہ فی حکم اللّٰہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ورسوله واحياء سنته المبايعة شیخ کے زیر حکم ہونا اللہ و رسول کے زیر حکم ہونا ہے اور اس بیعت کی سنت کا زندہ کرنا نیز فرمایا۔ ولا یکون هذا الا لمرید حصر نفسه مع الشیخ وانسلخ من ارادة نفسه وفنی فی الشیخ یترك اختیار نفسه یہ نہیں ہوتا مگر اس مرید کے لئے جس نے اپنی جان کو شیخ کی قید میں کر دیا اور اپنے ارادہ سے بالکل باہر آیا اپنا اختیار چھوڑ کر شیخ میں فنا ہو گیا۔ پھر فرمایا ویحذر الاعتراض علی الشیوخ فانه السم القاتل للمریدین وقل ان یکون مرید یعترض علی الشیخ بباطنه فیفلح و یذکر المرید فی کل ما اشکل علیه من تصاریف الشیخ قصة الخضر علیه السلام کیف کان یصدر من الخضر تصریفه ینکرها موسیٰ ثم لما کشف عن معناها بان وجه الصواب فی ذالک فهکذا ینبغی للمرید ان یعلم ان کل تصرف اشکل عیله من الشیخ عند الشیخ فیه بین و برهان للصحة پیروں پر اعتراض سے بچے کہ یہ مریدوں کے لئے زہر قاتل ہے۔ کہ کوئی مرید ہوگا جو اپنے دل میں شیخ پر کوئی اعتراض کرے پھر فلاح پائے شیخ کے تصرفات سے جو کچھ اسے صحیح نہ معلوم ہوتے ہوں ان میں خضر علیہ الصلاۃ والسلام کے واقعات یاد کرے کیونکر اُن سے وہ باتیں صادر ہوتی تھیں بظاہر جن پر سخت اعتراض تھا (جیسے مسکینوں کی کشتی میں سوراخ کر دینا بیگناہ بچے کو قتل کر دینا) پھر جب وہ اُس کی وجہ بتاتے تھے ظاہر ہو جاتا تھا کہ حق یہی تھا جو انہوں نے کیا یونہی مرید کو یقین رکھنا چاہیے کہ شیخ کا جو فعل مجھے صحیح نہیں معلوم ہوتا شیخ کے پاس اُس کی صحت پر دلیل قطعی ہے امام ابو القاسم قشیری رسالہ میں فرماتے ہیں میں نے حضرت ابو عبد الرحمٰن اسلمی کو فرماتے سُنا کہ ان سے ان کے شیخ حضرت ابو سہل

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

صعلوکی نے فرمایا من قال لا ستاذہ لِمَ لا یفلح ابدا جو اپنے پیر سے کسی بات میں کیوں کہے گا کبھی فلاح نہ پائیگا نسأل اللّٰہ العفو۔

﴿فتاوی افریقہ صفحہ ۱۵۰ تا ۱۵۲﴾

شیخ عبدالقادری عیسی الحقائق عن التصوف میں فرماتے ہیں:

مرید کے لئے ضروری ہے کہ وہ تربیت کے لیے شیخ کے طریقہ کار پر کوئی اعتراض نہ کرے کیونکہ تربیت کے واسطے شیخ اپنے علم وخبر اور تجربہ کی بناء پر مجتہد کے مقام پر فائز ہوتا ہے۔ اسی طرح مرید کے لیے یہ مناسب نہیں کہ شیخ کے ہر تصرف کو پرکھے۔ ایسا کرنے سے اس کا شیخ پر اعتماد کمزور ہو جائے گا۔ شیخ کے ساتھ اس کا قلبی اتصال ختم ہو جائے گا۔ شیخ اور اس کے درمیان روحانی استعداد کا رشتہ ختم ہو جائے گا اور وہ شیخ کے سبب حاصل ہونے والے خیر کثیر سے محروم رہ جائے گا۔

علامہ ابن حجر ہیثمی نے فرمایا ''جس نے مشائخ پر اعتراضات کے دروازے کو کھول دیا اور ان کے احوال وافعال میں نظر و بحث کرنے لگا تو یہ اس کی محرومی اور برے انجام کی علامت ہے'' (فتاوی حدیثیہ)۔ صوفیاء فرماتے ہیں جو شیخ سے لِمَا (کیوں) کہے (یعنی چیزوں کی علت وحکمت پوچھے) وہ کبھی فلاح نہیں پاتا۔ اگر کبھی شیطان کہے شیخ سے مرید کے اتصال اور اعتماد کو ختم کرنے کے لیے، مرید کے دل میں شیخ کے تصرفات کے متعلق شرعی اعتراض پیدا کرے تو مرید پر لازم ہے کہ ایسے شیطانی وسوسے کو من جانبِ الشیطان سمجھتے ہوئے فوراً دل سے نکال دے اور شیخ سے حسنِ ظن رکھے اور شیخ کے اس فعل میں کوئی شرعی تاویل یا فکری راستہ تلاش کرے۔ اگر یہ طاقت نہیں کہ اس فعل کی اچھی توجیح کر سکے تو ضروری ہے کہ شیخ سے ادب واحترام کے ساتھ اس بارے میں دریافت کرے۔ اس کی تفصیل مذاکرے کے باب میں آئے گی۔ علامہ ابنِ حجر فتاوی حدیثیہ میں فرماتے ہیں جس نے مشائخ کے لیے تاویل وتوجیح کا دروازہ کھولا، ان کے احوال سے صرفِ نظر کیا، ان کے معاملے کو اللہ کے حوالے کیا اور اپنی اصلاحِ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نفس کو مقصود بنایا اور مجاہدہ میں مشغول ہوا، ایسا مرید بہت جلد مقصود تک پہنچنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔

﴿الحقائق عن التصوف ص ۶۷﴾

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبــــہ محمد ابوبکر صدیق عطاری

۱۶ صفر المظفر ۱۴۲۲ھ ۱۱ مئی ۲۰۰۱

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ عزوجل

پردہ اٹھتا ہے

یہ مضمون ۱۶ اپریل ۱۹۹۹ کو آسٹریلیا کے شہر سڈنی میں چھپنے والے اخبار پاکستان میں ایک غیر مقلد وھابی مرزا زاھد نامی شخص کے مضمون "کیا سب آزمائشیں صرف غریبوں کیلئے ھیں" کے جواب میں لکھا گیا تھا۔ الحمدللہ تعالیٰ اس مضمون کے بعد سے مرزا زاھد پر سڈنی کے تمام اخبارات پر پابندی لگادی گئی تھی کہ کوئی اخبار اس کے مضامین شائع نہ کرے گا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

16 اپریل 1999 کو اخبار پاکستان میں ایک مضمون "کیا سب آزمائشیں صرف غریبوں کیلئے ہیں" نظر سے گذرا۔ جسے پڑھ کر انتہائی افسوس ہوا اور حیرت ہوئی کہ لوگ نبی اکرم ﷺ کے لائے ہوئے دین کو کس طرح اپنی عقل کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کررہے ہیں۔ اور کیا اللہ رحیم وغفور کے بارے میں اس عامیانہ انداز میں بھی سوچ سکتے ہیں؟ پھر اس پر طرہ یہ کہ جیسی سوچ ہے ویسے ہی سوقیانہ (بازاری) قسم کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں مثلاً کوئی پاگل حکمران سمجھ رکھا ہے، بیوقوف حاکم ہے، احمق ظاہر کرنا چاہتے ہیں وغیرہ قسم کے الفاظ۔ اگر کسی دل میں رب تعالیٰ کا جاہ وجلال، ادب واحترام ہو تو وہ اس ذات پاک کے بارے میں اس قسم کے الفاظ لکھنا تو درکنار سوچنے سے بھی کانپ اُٹھے گا۔ بہرحال اس کا حساب تو مالک ذوالجلال والاکرام کی بارگاہ میں ہو ہی جائے گا۔ مگر میں یہاں پر اس خطرناک گمراہ کن بات کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ جسے زاہد مرزا صاحب نے پانچ کالمز کی زبردست نفسیاتی تمہید کے بعد بیان کیا ہے۔ وہ شفاعت انبیاء واولیاء وعلماء علیہم السلام ورحمۃ اللہ علیہم کا انکار ہے۔ مگر انکار بھی ایسی زیرکی وچالاکی سے کیا گیا ہے کوئی انہیں منکر شفاعت بھی نہ کہہ سکے اور کام بھی بن جائے۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی باتیں لکھی گئیں جو کہ تعلیمات قرآنیہ وسنت نبویہ کے سراسر خلاف ہیں قبل اس کے کہ میں ان محرکات کو بیان کروں کہ جن کی وجہ سے مرزا صاحب نے یہ مضمون لکھا ہے۔ بہتر ہوگا کہ عوام بھائیوں کے سامنے اس حقیقت پر سے پردہ اٹھادوں کہ جس کی وجہ سے ان فتنوں نے جنم لیا۔ یہ خیرُ القرون قرنی کے بعد کا زمانہ ہے۔ تابعین کا زمانہ کہ جس میں صحابہ کرام ؓ کی ایک بڑی تعداد دنیا میں موجود ہے اور اپنے وجود مسعود کے ذریعے آفتاب نبوت سے حاصل کردہ نور کو پھیلا رہی ہیں ہر طرف قال قال رسول اللہ ﷺ کے نعرے بلند ہیں کہیں صحابہ کرام ؓ نے مجلس علم برپا کی ہوئیں تو کہیں ان کے تربیت یافتہ سعادت مند طلبہ نے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے۔ ان مقدس ہستیوں کی موجودگی کی برکت سے عقیدے کی بنیاد پر قائم ہونے والے فتنے نا ہونے کے برابر ہیں۔ اگر کسی کو کسی مسئلہ میں کوئی شبہ پیدا ہوا بھی تو صحابہ کرام یا تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بارگاہ میں حاضر ہو کر تشفی کر لیتا ہے۔ تابعین کرام بھی عوام کی نظروں میں انتہائی اہمیت کے حامل ہیں اور کیوں نہ ہوں کہ مصطفیٰ ﷺ نے جو فرما دیا تھا کہ "خیر القرون قرنی ثم الذین

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یلونہم ثم الذین یلونہم" کہ سب سے بہترین میرا زمانہ ہے پھر ان کا جو میرے بعد ہیں پھر انکا جو اس زمانے کے بعد ہیں۔ان مقدس ہستیوں میں سے حسن بصری رحمۃ اللہ بھی ہیں۔جن کی کنیت ابو سعید ہے۔جو کہ تابعین میں سے عظیم امام، شیخ جلیل سردار محدثین وفقہاء وصوفیاء ہیں۔اللہ تعالیٰ کے خوف میں رونے والوں اور متقیوں اور پرہیزگاروں میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا ﷛ کی صحبت میں رہے۔ان سے احادیث روایت کیں اور تصوف کا درس لیا۔حضرت علی ﷛ نے انہیں خرقہ خلافت عطا فرمایا۔آپ رحمہ اللہ سینکڑوں صحابہ کرام﷢ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے خراسان کے جہاد میں شرکت کی اس وقت ہمارے درمیان تین سو صحابہ کرام﷢ موجود تھے۔آپ رحمہ اللہ نے حضرت عثمان غنی، طلحہ اور ام المؤمنین عائشہ﷢ کی بھی زیارت کی ہے۔آپ کے محاسن گنے نہیں جا سکتے۔علماء فرماتے ہیں کہ آپ رحمہ اللہ کا کلام انبیاء کرام علیہم السلام کے مشابہ ہے۔آپ کی مجلس میں آخرت کا ذکر ہوتا تھا دنیا کی کوئی بات ذکر نہ کی جاتی تھی۔صحابی رسول ﷺ حضرت ابو بردہ ﷛ فرماتے ہیں کہ تابعین میں سے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سب سے زیادہ صحابہ کرام﷢ سے مشابہت رکھتے ہیں۔حضرت عثمان غنی ﷛ کی شہادت تک مدینہ طیبہ میں سکونت پذیر رہے پھر بصرہ تشریف لے آئے۔آپ کے والد کا نام ابو الحسن یسار تھا جو کہ زید بن ثابت ﷛ کے خادم تھے اور والدہ کا نام خیرہ تھا جو کہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ تھیں۔جب شیرخوارگی میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ روتے تو ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا انہیں اپنا دودھ پلایا کرتی تھیں بعض علماء فرماتے ہیں کہ حسن بصری رحمہ اللہ کے محاسن وکمالات اسی دودھ کی برکت سے تھے۔آپ رحمہ اللہ حضرت عمر فاروق ﷛ کی شہادت سے دو سال قبل پیدا ہوئے اور ۱۱۰ھ میں وصال فرمایا۔آپ رحمہ اللہ کی مجلس علمی میں ایک شخص واصل بن عطاء نامی بھی بیٹھا کرتا تھا۔اس کا لقب غزال (جولا) تھا۔اس شخص نے ایک مرتبہ حسن بصری رحمہ اللہ کے سامنے زبان درازی کرتے ہوئے کہا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ تو مومن ہے اور نہ ہی کافر۔اور کہا کہ کفر وایمان کے درمیان بھی ایک درجہ ہے۔یعنی اس کی مراد یہ تھی کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب اگر توبہ نہ کرے تو وہ نہ مؤمن رہتا ہے اور نہ ہی کافر ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جہنم میں رہے گا۔حسن بصری رحمہ اللہ نے اسے بہتیرا سمجھایا مگر وہ اسی پر اڑا رہا اور اپنی عقل پر بھروسہ کرتے ہوئے ہٹ دھرمی کرتا رہا بالآخر حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا "اعتزل عنا" یہ شخص ہم (اہلسنت وجماعت) سے جدا ہو گیا۔اس وقت سے یہ اور اس کے ہم

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

خیال لوگ معتزلہ کہلائے۔ مگر یہ لوگ خود کو اصحاب عدل وتوحید کہتے۔ (ماخوذ از نبراس شرح عقائد نسفی)
یعنی ہم لوگ وہ ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کو عادل جانتے ہیں اور ہم ہی ہیں جو توحید خالص پر ایمان رکھتے ہیں اور باقی لوگ اللہ تعالیٰ کو ظالم مانتے ہیں اور ان کی توحید بھی خالص نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کیلئے صفات مان کر مشرکوں کی طرح ہو گئے ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے سمجھانے کی وجہ یہ تھی کہ ان کے سامنے حدیث رسول اللہ ﷺ تھی کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو بندہ لا الہ الا اللہ کہے اور اسی عقیدے پر مر جائے تو جنت میں داخل ہو گا میں نے عرض کی کہ اگر چہ وہ زنا کرے اور چوری کرے سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا ہاں اگر چہ وہ زنا کرے اور چوری کرے میں نے (دوسری مرتبہ) عرض کی اگر چہ وہ زنا کرے اور چوری کرے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہاں اگر چہ وہ زنا کرے اور چوری کرے۔ میں نے (تیسری مرتبہ) عرض کی کہ اگر چہ وہ زنا کرے اور چوری کرے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہاں اگر چہ وہ زنا کرے اور چوری کرے ابوذر کی ناک رگڑنے کے باوجود" (بخاری و مسلم) اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ گناہ کبیرہ کرنے والا مؤمن بالآخر اپنی سزا بھگت کر جنت میں داخل ہو جائے گا۔ مگر واصل بن عطاء کے عقیدے کے مطابق اگر وہ توبہ نہ کرے تو کافروں کی طرح ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ بہر حال اس گمراہ فرقے نے اور بہت سے عقیدے ایجاد کئے جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

(۱) اللہ پر یہ بات واجب ہے کہ وہ گناہگاروں کو سزا اور نیکوکار کو ضرور نیکی کا بدلہ دے۔

(۲) شفاعت کا انکار کیا یعنی شفاعت قبول کرنا اللہ تعالیٰ کے عدل کے خلاف ہے اور یہ ہیرا پھیری ہے۔

(۳) اشیاء میں بنفسہ تاثیر پائی جاتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی محتاج نہیں ہیں۔

(۴) اولیاء کرام سے کرامت صادر ہونے کا عقیدہ رکھنا غلط ہے۔

معتزلہ فرقے کے لوگ اپنے زمانے کے بادشاہوں کی خوشامدیں کر کے بڑے بڑے سرکاری عہدے حاصل کرتے رہے اور اپنے گمراہ کن عقائد کی اشاعت کرتے رہے۔ ان لوگوں نے سینکڑوں محدثین کو قتل کروایا بلکہ جو لوگ ان کے باطل نظریات نہ مانتے ان پر طرح طرح کی سختیاں کرواتے۔ بلکہ ایک جنگ میں بہت سے مسلمان کافروں کے ہاتھوں قیدی بنے تو ان لوگوں نے ظلم کی انتہا کر دی کہ صرف اپنے ہم خیال لوگوں کو فدیہ دے کر چھڑوا لیا اور باقی مسلمانوں کو کافروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ یہ لوگ مختلف حکومتوں کے زیر سایہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

پروان چڑھتے رہے اور اپنے باطل نظریات کی عقلیات وفلسفے کے رنگ میں اشاعت کرتے رہے۔ تیسری صدی ہجری میں ایک مرد مجاہد ابوالحسن الاشعری پیدا ہوئے جن کا نام علی بن اسماعیل تھا۔ انہوں نے اس فرقے کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور انہیں ہر طرح سے مسکت جوابات دیئے۔ یہ مشہور صحابی رسول ﷺ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ شروع میں تو آپ بھی اس فرقے سے متاثر تھے اور ان کی مجالس میں باقاعدہ سے بیٹھا کرتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ایک واقعہ کو ان کی ہدایت کا باعث بنایا۔ ہوا یوں کہ ایک مرتبہ ابوالحسن الاشعری رحمہ اللہ نے اپنے معتزلی استاد علی جبائی سے سوال کیا آپ ان تین اشخاص کے بارے میں کیا کہتے ہیں کہ جن میں سے ایک نیک وصالح ہوکر مرا دوسرا گناہ گار وعاصی مرا اور تیسرا بچپن ہی میں مر گیا۔ تو اس نے جواب دیا کہ پہلا تو جنتی ہے اور دوسرا جہنمی ہے اور تیسرے کیلئے نہ ثواب ہے اور نہ ہی عقاب ہے۔ (حالانکہ اہلسنت وجماعت کے نزدیک مسلمانوں کے بچے بالاتفاق جنتی ہیں) ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ نے کہا کہ اگر وہ تیسرا یعنی بچہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرے کہ اللہ تو نے مجھے بچپن میں کیوں مار دیا تھا مجھے بڑا کرتا تاکہ میں تیری اطاعت کرتا اور جنت کا حقدار ہو جاتا۔ تو اللہ تعالیٰ کیا جواب دے گا۔ علی جبائی نے اپنی عقل کے بل بوتے فوراً جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ مجھے پہلے ہی سے علم تھا کہ تو بڑا ہوکر گناہ کرتا جس کی وجہ سے تو ہمیشہ کیلئے جہنم میں چلا جاتا لہٰذا تیرے لیے بہتر یہی تھا کہ تو بچپن ہی میں مر جائے۔ ابوالحسن اشعری نے کہا کہ اگر دوسرا (جو جہنمی ہوگا) کہے اے رب تو نے مجھے بچپن ہی میں کیوں نہ مار دیا کہ نا ہی بڑا ہوتا اور نا ہی گناہ کرتا تاکہ جہنم سے بچ جاتا۔ تو رب تعالیٰ کیا جواب دے گا۔ اس پر علی جبائی مبہوت ہوکر رہ گیا اور کوئی جواب نہ دے سکا۔ چنانچہ ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ نے اس گمراہ فرقے کو چھوڑ دیا اور اس فرقے کا خوب رد کیا اور لوگوں میں تعلیمات نبوی کی اشاعت کی۔ ﴿شرح عقائد نسفی﴾

مرزا صاحب نے یہ مضمون اسی گمراہ فرقے معتزلہ کے مزاج پر لکھا ہے۔ مرزا صاحب کے مضمون میں بہت سی باتیں قابل گرفت ہیں جن میں سے ہم چند باتیں لکھ رہے ہیں اور ساتھ ساتھ اسکی تردید بھی قرآن وحدیث کی روشنی میں لکھیں گے۔

اولاً

مرزا صاحب نے حق کی راہ میں ستائے ہوئے لوگوں کا ذکر کیا تو انہیں ابن تیمیہ ہی نظر آیا حالانکہ اس سلسلے میں امام الائمہ سراج الامہ امام اعظم ابوحنیفہ یا امام مالک یا امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ وغیرہم کا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تذکرہ کیا جانا چاہئے تھا کہ امام اعظم ابوحنیفہ کو قاضی القضاۃ کا عہدہ نہ قبول کرنے پر کوڑے مارے گئے قید میں رکھے گئے بالآخر دھوکے سے زہر پلا کر شہید کیا گیا۔ امام مالک بن انس رحمہ اللہ کو طلاق مکرہ کے مسئلے میں کوڑے مارے گئے اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو خلق قرآن کے مسئلے میں روزے کی حالت میں کوڑے مارے گئے۔ یہ وہ مقدس حضرات ہیں کہ ان کا تذکرہ نہ کیا جائے تو اہل حق کا ذکر مکمل ہی نہیں ہوسکتا مگر انہیں ابن تیمیہ کے علاوہ تاریخ میں کوئی ایسی شخصیت ہی نظر نہ آئی کہ مثال کے طور پر پیش کرتے اہل علم پر اس کی وجہ محتاج بیان نہیں ہے کہ مرزا صاحب نے سب کو چھوڑ کر ابن تیمیہ ہی کو نیک امام کیوں کہا۔ اپنے عوام بھائیوں کو باخبر کرنے کیلئے فقیر امت کے عظیم علماء کے اقوال لکھ رہا ہے تاکہ ان کے سامنے بھی معاملہ ظاہر ہو جائے۔ خاتم الفقہاء والمحدثین شیخ الاسلام احمد شہاب الدین حجر الہیتمی المکی المتوفی ۹۷۳ھ سے سوال کیا گیا کہ ابن تیمیہ نے صوفیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم پر اعتراضات کئے ہیں تو اس سلسلے میں اسکا مبلغ علم کیا ہے؟ تو آپ رحمہ اللہ نے ابن تیمیہ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا

''ابن تیمیہ ایک ایسا شخص تھا جسے اللہ تعالیٰ نے بے عزت کیا۔ گمراہ کیا۔ اندھا کیا۔ بہرا اور ذلیل کیا۔ ائمہ دین نے اس کے احوال کے فساد اور اقوال کے جھوٹ کو بیان کیا ہے جو اسکی حقیقت کو جاننا چاہے اسے چاہیے کہ وہ امام مجتہد ابوالحسن سبکی، الشیخ امام عزالدین بن جماعہ ان کے اہل عصر علماء اور دیگر شافعی، اور مالکی و حنفی علماء کی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ ابن تیمیہ نے صرف صوفیہ کرام پر ہی اعتراض نہیں کیا بلکہ حضرت عمر اور علی رضی اللہ عنہما پر بھی اعتراضات کئے ہیں ابن تیمیہ نے حضرت عمر فاروق ؓ کے بارے میں کہا ہے کہ انہوں نے بہت سی غلطیاں کیں اور مختلف چکروں میں پھنس گئے تھے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کہا کہ انہوں نے تین سو سے زیادہ غلطیاں کیں۔'' ﴿المختصر من الفتاویٰ الحدیثیہ﴾

علامہ کوثری رحمہ اللہ ''السیف الصیقل فی الرد علی ابن ذخیل'' ابن تیمیہ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

''وہابیہ کے مورث اعلیٰ ابن تیمیہ نے تو کھلے الفاظ میں فتویٰ دیا کہ حضور ﷺ کے روضہ شریف کی زیارت کے قصد سے سفر کرنا سفر معصیت ہے جس میں نماز قصر نہ کرنی چاہیے بنابریں زائرین کے علاوہ فرشتے بھی جو ہر روز صبح و شام آسمان سے اتر کر روضہ شریف پر حاضر ہوتے ہیں اور درود شریف پڑھتے ہیں اسی معصیت (گناہ) میں مبتلا ہیں۔ یہ حضور ﷺ کی جناب میں کمال

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

درجے کی گستاخی ہے۔ابن تیمیہ کے اس فتویٰ سے شام ومصر میں بڑا فتنہ برپا ہوا۔شامیوں نے ابن تیمیہ کے بارے میں استفتاء کیا۔علامہ برہان بن الفرکاح فزاوی نے تقریباً چالیس سطر کا مضمون لکھ کر اسے کافر بتایا۔علامہ شہاب بن جہبل نے اس سے اتفاق کیا۔مصر میں یہی فتویٰ مذاہب اربعہ کے چاروں قضاۃ پر پیش کیا گیا۔مفتی بدر بن جماعہ شافعی نے لکھ دیا کہ ابن تیمیہ کو ایسے فتاویٰ باطلہ سے بزجر وتوبیخ منع کیا جائے۔اگر باز نہ آئے تو قید کر دیا جائے۔محمد بن الجریری انصاری حنفی نے لکھا کہ اسی وقت بلا کسی شرط قید کیا جائے۔محمد بن ابی بکر مالکی نے کہا کہ اسے اس قسم کی زجر وتوبیخ کی جائے کہ ایسے مفاسد سے باز آ جائے۔احمد بن عمر مقدسی حنبلی نے بھی ایسا ہی لکھا۔نتیجہ یہ ہوا کہ ابن تیمیہ شعبان ۷۲۶ھ میں دمشق میں قلعہ میں قید کیا گیا اور قید ہی میں ۲۰ ذیقعدہ الحرام ۷۲۸ھ میں مر گیا۔

قارئین کرام آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ علمائے امت کے نزدیک ابن تیمیہ کو اللہ تعالیٰ نے بے عزت، گمراہ، اندھا اور ذلیل کر دیا تھا نیز اس کے حالات فاسد اور اقوال جھوٹے تھے، اس نے حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما کو (معاذ اللہ) غلط کار قرار دیا۔اسکے نزدیک نبی ﷺ کے روضے کی زیارت کرنا گناہ تھا اور چونکہ اللہ تعالیٰ کے معصوم فرشتے بھی صبح وشام ستر ستر ہزار کی تعداد میں آسمان سے سفر کر کے روضے مبارکہ کی طرف آتے ہیں وہ بھی (معاذ اللہ) گناہ گار ہیں۔میں نے ابن تیمیہ کی چند کافرانہ اور گمراہ کن باتیں ذکر کی ہیں ورنہ اسکی گمراہیوں کی فہرست بہت طویل ہے۔علمائے سابقہ نے اسکی انہیں حرکتوں کی وجہ سے اسے کافر وگمراہ اور گمراہ گر قرار دیا ہے۔عربی زبان کا مشہور مقولہ ہے" الجنس یمیل الی الجنس "یعنی ہم جنس افراد ایک دوسرے کی طرف مائل ہوتے ہیں۔مسلمان مسلمان ہی کی طرف کافر کافر ہی کی طرف اور گمراہ گمراہ ہی کی طرف مائل ہوتا ہے۔میں اپنے سمجھدار قارئین سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ بھی یقیناً سمجھ گئے ہوں گے کہ اسلام کی پندرہ سو سالہ طویل تاریخ میں مرزا صاحب کو ابن تیمیہ ہی کیوں نیک امام نظر آیا۔

ثانیا

مرزا صاحب کے مضمون سے درج ذیل باتیں ظاہر ہیں۔

(ا) شفاعت انبیاء واولیاء علیہم السلام ورحمۃ اللہ علیہم (معاذ اللہ) ہیرا پھیری ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(ب) شفاعت کا عقیدہ رکھنے والے قیامت پر ایمان نہیں رکھتے۔

(ت) شفاعت کو ماننے والے بے دین اور شیطان کے ایجنٹ ہیں۔

(ث) شفاعت کو ماننے والے بدمعاش ہیں۔

(ج) اگر نبی ﷺ شفاعت کروائیں گے تو معاذ اللہ وہ بھی وڈیروں کی طرح بدمعاشوں، چوروں اور ڈاکوؤں کی پشت پناہی کرنے والے ہونگے۔

(ح) شفاعت کے ماننے والے اگرچہ منہ سے قیامت کا اقرار کریں وہ کافر ہیں۔ (معاذ اللہ)

(خ) قرآن وصحیح حدیث میں کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ نبی ﷺ جس کو چاہیں چھڑوالیں۔

مرزا صاحب کی یہ تمام باتیں بے بنیاد ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی گمراہ کن بلکہ بعض تو کفر بھی ہیں۔ ان شاء اللہ میں اب قرآن وحدیث کے دلائل کی روشنی میں مرزا صاحب کی دروغ گوئی اور جہل سے پردہ اٹھاتا ہوں اور اپنے محترم قارئین سے عرض گذار ہوں کہ قرآن وحدیث کے ان دلائل کو غور سے دیکھیں اور اندازہ کریں کہ کس طرح سے بے دین لوگ لباس خضر میں ہمدردی کا ڈرامہ رچائے ہوئے ایمان کی دولت پر ہاتھ صاف کرتے ہیں کہ بیچارے لوگوں کو پتہ بھی نہیں چلتا اور اپنی آخرت کی پونجی سے ہاتھ بھی دھو بیٹھتے ہیں۔ پہلے چند قرآنی آیات پیش کی جاتی ہیں اسکے بعد احادیث مبارکہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

۱﴾ عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا۔ ﴿پارہ ۱۵ بنی اسرائیل﴾

ترجمہ:۔ قریب ہے کہ تمہیں تمہارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے کہ جہاں سب تمہاری حمد کریں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں صحیح بخاری میں روایت کرتے ہیں

”حضور شفیع المذنبین ﷺ سے عرض کی گئی۔ مقام محمود کیا چیز ہے فرمایا ھو الشفاعۃ وہ شفاعت ہے۔

۲﴾ ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ۔ (پارہ ۳۰ والضحیٰ)

ترجمہ:۔ اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دیگا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام دیلمی مسند الفردوس میں امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور شفیع المذنبین ﷺ نے فرمایا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

"اذن لا ارضی و واحد من امتی فی النار"

میں اس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک کہ میرا ایک امتی بھی جہنم میں ہوگا۔

امام طبرانی معجم اوسط اور امام بزار مسند میں مولی المسلمین علی ﷛ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ "اشفع لامتی حتی ینادینی ربی ارضیت یا محمد فاقول ای رب رضیت"۔

میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔ یہاں تک کہ میرا رب مجھے ندا کرے گا کہ اے محمد! کیا تم راضی ہو گئے تو میں کہوں گا کہ اے رب میں راضی ہوں۔

اگرچہ قرآن مجید کی دیگر اور آیات مبارکہ بھی ہیں کہ جن میں رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کا بیان ہے مگر میں طوالت کے خوف سے انہی آیات پر اکتفا کر رہا ہوں کہ یہ دو آیتیں ہی مرزا صاحب کی دروغ گوئی کو بے پردہ کرنے کیلئے کافی ہیں۔ قارئین کرام نے جان لیا ہوگا کہ مرزا صاحب کے قول "قرآن و صحیح حدیث میں کہیں ثابت نہیں ہے کہ نبی ﷺ جس کو چاہیں چھڑا لے" میں کتنی حقیقت ہے۔ اور مرزا صاحب کا کہنا "شفاعت تو دعا ہے اللہ تعالیٰ چاہے قبول کرے یا نہ کرے"۔ حقیقت سے کتنا بعید ہے۔

قارئین کرام اس بات پر بھی غور کریں کہ مرزا صاحب کی گالیوں کی زد میں کون آیا یعنی اللہ ﷻ اور رسول اللہ ﷺ بھی مرزا صاحب کی دریدہ ذہنی سے محفوظ نہیں رہے۔ اب چند احادیث شریف نقل کرتا ہوں جو ان شاء اللہ مومنین کے لئے دل کا چین اور منکرین شفاعت کیلئے خدائی مار ثابت ہونگی۔ سب سے پہلے صحیح بخاری و مسلم کی حدیث شریف نقل کی جاتی ہے جو دیگر بہت سی کتابوں میں نقل کی گئی ہے۔ یہ حدیث شریف مرزا صاحب اور ان کے ہم خیال ٹولے کیلئے خدائی تلوار ثابت ہوگی۔ امام بخاری اور امام مسلم اور دیگر محدثین روایت کرتے ہیں کہ

"معبد بن ھلال عنزی کہتے ہیں۔ ہم چند لوگ حضرت انس بن مالک ﷛ کی خدمت میں جانا چاہتے تھے ان سے ملاقات کیلئے ہم نے حضرت ثابت کی سفارش طلب کی جب ہم حضرت انس ﷛ کے پاس پہنچے تو وہ چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے ثابت نے ہمیں بلانے کی اجازت حاصل

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کی ہم اندر پہنچے انہوں نے ثابت کو اپنے پاس تخت پر بٹھالیا پھر ثابت نے حضرت انس ﷛ سے مخاطب ہو کر کہا اے ابوحمزہ (یہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ہے) آپ کے یہ بصری بھائی یہ چاہتے ہیں کہ آپ ان کے سامنے حدیث شفاعت بیان کریں۔ حضرت انس ﷛ نے کہا محمد ﷺ نے فرمایا جب حشر کا دن برپا ہوگا تو لوگ گھبرا کر ایک دوسرے کے پاس جائیں گے ۔پہلے وہ حضرت آدم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونگے اور ان سے عرض کریں گے اپنی اولاد کیلئے شفاعت کیجئے۔ حضرت آدم ﷺ فرمائیں گے میرا یہ مقام نہیں ہے البتہ تم حضرت ابراہیم ﷺ کے پاس جاؤ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں ۔پھر حضرت ابراہیم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونگے ۔وہ فرمائیں گے میرا منصب یہ نہیں ہے البتہ تم حضرت موسیٰ ﷺ کے پاس جاؤ وہ اللہ تعالیٰ کے کلیم ہیں پھر لوگ حضرت موسیٰ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے وہ کہیں گے میرا یہ مقام نہیں ہے البتہ تم حضرت عیسیٰ ﷺ کے پاس جاؤ وہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ روح ہیں اور اس کے پسندیدہ کلمے سے پیدا ہوئے پھر لوگ حضرت عیسیٰ ﷺ کے پاس جائیں گے وہ فرمائیں گے میرا یہ مقام نہیں ہے البتہ تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ پھر تمام لوگ میرے پاس آئیں گے میں ان سے کہوں گا کہ اس شفاعت کا کرنا میرا ہی منصب ہے پھر میں ان کے ساتھ چلوں گا اور اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کروں گا پھر مجھے شفاعت کرنے کی اجازت دی جائے گی۔ پھر اللہ ﷻ کی بارگاہ میں کھڑا ہوں گا اور ان کلمات سے اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا جو اس وقت میرے ذہن میں حاضر نہیں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اس وقت وہ کلمات میرے دل میں پیدا فرمائے گا۔ پھر میں اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ میں گر پڑوں گا پھر مجھ سے کہا جائیگا یا محمد ﷺ ارفع رأسک وقل یسمع لک وسل تعط و اشفع تشفع ۔اے محمد ﷺ اپنا سر اٹھاؤ اور کہو تمہاری بات قبول ہوگی ،مانگو! جو کچھ مانگو گے دیا جائے گا۔ اور شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا ربِّ امتی امتی ۔اے میرے رب میری امت میری امت۔ پس کہا جائے گا جاؤ جس شخص کے دل میں ایک گندم یا جو کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو۔ اس کو جہنم سے نکال لاؤ۔ میں انکو جہنم سے نکال لاؤں گا پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گا اور انہی کلمات سے اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا پھر سجدے میں گر جاؤں گا پھر مجھے کہا جائے گا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یا محمد ارفع رأسک وقل یسمع لک وسل تعط و اشفع تشفع۔ یا محمدﷺ اپنے سر کو اٹھائیے اور کہیں آپ کی بات سنی جائے گی اور سوال کیجئے آپ کا سوال پورا کیا جائیگا ۔آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی پس میں عرض کروں گا اے میرے رب امتی امتی پھر مجھ سے کہا جائیگا۔ جایئے جس شخص کے دل میں ایک رائی کے دانے کے برابر ایمان ہو اس کو جہنم سے نکال لایئے میں انکو جہنم سے نکال لاؤں گا پھر میں اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہوں گا اور انہی کلمات سے اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا اور پھر سجدے میں گر جاؤں گا پھر مجھ سے کہا جائے گا۔ یا محمدﷺ ارفع رأسک وقل یسمع لک وسل تعط و اشفع تشفع ۔اے محمدﷺ اپنا سر اٹھایئے اور کہیے۔ آپ کی بات قبول ہوگی اور جو کچھ مانگنا ہو مانگیے آپ کو دیا جائیگا اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول ہوگی میں عرض کروں گا اے میرے رب امتی امتی مجھ سے کہا جائے گا جس کے دل میں رائی کے دانے سے بھی کمتر ایمان ہو اس کو جہنم سے نکال لاؤ میں ان لوگوں کو بھی جہنم سے نکال لاؤں گا۔ یہ حضرت انس ﷺ کی بیان کردہ حدیث تھی۔ حدیث سن کر ہم وہاں سے چلے گئے۔ اور جب ہم صحرائے جبّان میں پہنچے تو ہم نے کہا کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے ملاقات کریں جب ہم ان کے پاس پہنچے تو وہ (حجاج بن یوسف کے خوف سے) ابوحنیفہ کے گھر میں چھپے ہوئے تھے۔ ہم نے جا کر انہیں سلام کیا اور عرض کیا اے ابوسعید! ہم آپ کے بھائی حضرت ابوحمزہ (حضرت انس ﷺ) سے مل کر آرہے ہیں۔ انہوں نے شفاعت کے بارے میں ہمیں ایک ایسی حدیث سنائی ہے جو ہم نے اس سے پہلے نہیں سنی تھی۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا کہ ہمیں بھی وہ حدیث سناؤ۔ ہم نے حدیث سنائی انہوں نے کہا اور سناؤ ہم نے عرض کیا ہم کو حضرت انس ﷺ نے اس سے زیادہ حدیث نہیں سنائی حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا ہم نے بھی 20 سال پہلے حضرت انس ﷺ سے یہ حدیث سنی تھی اس وقت انکی جوانی کا عالم تھا اور اب وہ بوڑھے ہو چکے ہیں۔ ہم کو جب انہوں نے یہ حدیث سنائی تھی تو اس سے زیادہ بیان کیا تھا اب مجھے معلوم نہیں وہ تم کو پوری حدیث سنانی بھول گئے یا انہوں نے مصلحتاً پوری حدیث نہیں سنائی کہ کہیں تم لوگ نیک عمل کرنا نہ چھوڑ دو ہم نے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

عرض کیا حدیث کا جو حصہ حضرت انس ﷺ نے نہیں سنایا وہ کیا ہے؟ یہ سن کر حضرت حسن بصری رحمہ اللہ ہنسنے لگے اور فرمایا خلق الانسان من عجل یعنی انسان بڑا جلد باز ہے۔ میں نے تم کو یہ پرانا واقعہ اس لیے سنایا تھا کہ حدیث شریف کا جو حصہ حضرت انس ﷺ نے تم کو نہیں سنایا وہ سنا دوں پھر حضرت انس ﷺ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ چوتھی بار پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونگے اور انہی کلمات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد کریں گے اور سجدے میں گر جائیں گے اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ یا محمد ارفع راسک وقل یسمع لک وسل تعط واشفع تشفع۔ اے محمد ﷺ اپنے سر کو اٹھایئے اور کہیے آپ کی بات سنی جائے گی۔ مانگیے! آپ کو عطا کیا جائے گا۔ اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں عرض کروں گا! اے اللہ! مجھے ان لوگوں کی شفاعت کی اجازت دیجئے جنہوں نے صرف ایک بار کلمہ پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ آپ کا حصہ نہیں اور نہ یہ شفاعت آپ کی طرف مفوض ہے لیکن مجھے اپنی عزت و جلال، عظمت و جبروت اور کبریائی کی قسم ہے میں ان لوگوں کو جہنم سے ضرور نکالوں گا جنہوں نے ایک بار بھی کلمہ طیبہ پڑھا ہے حدیث کے راوی معبد بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے حق میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ حدیث انہوں نے حضرت انس بن مالک سے سنی ہے۔ اور میرا گمان یہ ہے کہ یہ انہوں نے 20 سال پہلے ہی سنی ہو گی جس وقت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جوان تھے۔ (بحوالہ بخاری و مسلم)

2-1 امام احمد بسند صحیح اپنی سند میں حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ سے اور ابن ماجہ حضرت موسیٰ اشعری ﷺ سے راوی حضور شفیع المذنبین ﷺ فرماتے ہیں

''اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے کہ یا تو شفاعت لو یا یہ کہ تمہاری آدھی امت جنت میں جائے گی۔ میں نے شفاعت لی کہ وہ زیادہ تمام اور کام آنے والی ہے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میری شفاعت پاکیزہ مسلمانوں کیلئے ہے نہیں بلکہ وہ ان گنہگاروں کیلئے ہے جو گناہوں میں آلودہ اور سخت کار ہیں۔'' (بحوالہ مسند امام احمد)

3- ابن عدی حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی حضور شفیع المذنبین ﷺ فرماتے ہیں

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

"شفاعتی للھالکین من امتی یعنی میری شفاعت میرے ان امتیوں کیلئے ہے جنہیں گناہوں نے ہلاک کر ڈالا۔"

4-8۔ ابوداؤد و ترمذی وابن حبان وحاکم وبیہقی بافادہ تصحیح حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ترمذی وابن ماجہ وابن حبان وحاکم حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور طبرانی معجم کبیر میں حضرت عبداللہ اور خطیب بغدادی حضرت عبداللہ بن عمر فاروق وحضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین ﷺ فرماتے ہیں۔شفاعتی لاھل الکبائر من امتی میری شفاعت میری امت میں ان کیلئے ہے جو کبیرہ گناہوں والے ہیں۔

9- حضرت ابوبکر احمد بن علی بغدادی حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین ﷺ نے فرمایا کہ میری شفاعت میرے گناہگار امتیوں کیلئے ہے۔ابودرداء رضی اللہ عنہ نے عرض کی اگرچہ زانی ہو اگرچہ چور ہو۔نبی ﷺ نے فرمایا اگرچہ زانی ہو اگرچہ چور ہو۔برخلاف ابودرداء کی خواہش کے

اس موضوع پر مذکورہ احادیث کے علاوہ دیگر احادیث میرے سامنے موجود ہیں۔اگر ان سب کو لکھوں گا تو صرف اسی موضوع پر ایک رسالہ تیار ہو جائے گا۔مگر طوالت کے خوف سے صرف اسی پر اکتفاء کر رہا ہوں کہ غور کرنے والی عقل اور حق قبول کرنے والے دل کیلئے یہی کافی ہے۔محترم قارئین کو ایک مرتبہ پھر دعوت فکر دیتا ہوں کہ وہ ان آیات مبارکہ اور احادیث شریفہ کو توجہ سے دیکھنے کے بعد خود ہی مرزا صاحب کے بارے میں فیصلہ فرمائیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

۱﴾ عنقریب آپ ﷺ کا رب آپ ﷺ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا اور سرکار ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ شفاعت ہے۔مگر مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ شفاعت صرف دعا ہی کا نام ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے اتنی شان سے کیوں بیان فرمایا۔اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کو شفاعت کے منصب پر فائز فرما کر بھی آپ ﷺ کی عرض نہ قبول کرے تو اس منصب کا کیا فائدہ ہے۔

۲﴾ والضحیٰ کی آیت طیبہ کے مطابق اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے اور سرکار ﷺ فرماتے ہیں پھر تو میں اس وقت تک راضی نہ ہوں گا کہ جب تک میرا ایک امتی بھی آگ میں ہوگا۔مگر مرزا صاحب کہتے ہیں کہ حضور ﷺ اپنی مرضی سے کسی کو بھی نہیں چھڑوا سکتے۔اب مرزا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

صاحب ہی بتائیں کہ کیا ان کے پاس وحی آتی ہے جو انہوں نے یہ بے بنیاد دعویٰ کر دیا اور رسول ﷺ کے مقابلے میں معتزلہ کے عقیدے کے مطابق اپنی بات بیان کی۔

۳﴾ احادیث مبارکہ سے صاف ظاہر ہے کہ حضور ﷺ اپنی امت کے سخت گناہگار مثلاً چور وزانی وغیرہ حتیٰ کہ ان لوگوں کی شفاعت بھی فرمائیں گے کہ جنہیں گناہوں نے ہلاک کر دیا ہوگا۔ مگر مرزا صاحب کہتے ہیں کہ یہ تو وڈیروں کا طریقہ ہے جو انصاف کے خلاف ہے اور سراسر ظلم ہے۔ مرزا صاحب کا نبی اکرم ﷺ پر (معاذ اللہ) یہ الزام نیا نہیں ہے بلکہ انکے ہم خیال لوگ پہلے بھی پیدا ہو چکے تھے اور انہوں نے بھی سرکار دو عالم ﷺ پر ظلم کا الزام عائد کیا تھا۔ امام ابوداؤد سنن ابوداؤد میں روایت کرتے ہیں جسے ہم اختصار کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔

"نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ مال تقسیم فرما رہے تھے تو ایک شخص سامنے آیا جس کی آنکھیں دھنسی ہوئی، گال ابھرے ہوئے، تیکھی پیشانی، گھنی داڑھی اور اسکا سر گنجا تھا۔ اس نے کہا اے محمد اللہ سے ڈرو اور انصاف کرو۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں بھی اللہ کی نافرمانی کروں گا تو پھر کون انصاف کرے گا۔ اللہ تعالیٰ تو مجھے زمین پر امین مقرر فرماتا ہے مگر تم مجھے امین نہیں سمجھتے ہو۔ ایک صحابی (خالد بن ولید ﷺ) نے اس کے قتل کی اجازت طلب کی مگر نبی ﷺ نے منع فرما دیا۔ جب وہ شخص چلا گیا تو نبی ﷺ نے فرمایا اس کے بعد اسکی پوری قوم ہوگی جو کہ قرآن پڑھیں گے مگر ان کے حلق سے نہیں اترے گا اسلام سے ایسے نکل جائیں گے کہ جس طرح تیر شکار کو پھاڑ کے نکل جاتا ہے۔ یہ لوگ مسلمانوں کو قتل کرینگے مگر بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔ اگر ہم انکو پاتے تو قوم عاد کی طرح قتل کر دیتے۔

﴿جلد ۲ صفحہ ۳۰۸﴾

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جس نے ہمیں اہلسنت و جماعت میں شامل کیا اور مرزا صاحب اور ان کے ہم خیال گمراہ ٹولے سے دور رکھا۔ مرزا صاحب نے شفاعت بالوجاہت (یعنی نبی اکرم ﷺ جس کو چاہیں چھڑوالیں) ماننے والوں کو بدمعاش، بے دین، شیطان کے ایجنٹ اور کافر تک لکھا ہے۔ مرزا صاحب کی ان گالیوں سے کوئی بھی نہیں بچ سکا یعنی اللہ تعالیٰ، رسول اکرم ﷺ، صحابہ کرام، محدثین عظام بلکہ ساری کی ساری امت ان کی گالیوں کی زد میں آگئی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ کیا ان تمام گالیوں کے باوجود بھی مرزا صاحب

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مسلمان ہی رہینگے۔ فیصلہ قارئین کے ہاتھ میں ہے۔

ثالثاً

مرزا صاحب نے لکھا ''اسی طرح کا اللہ بھی ان لوگون نے سمجھ رکھا ہے یعنی برے کام کیے جاؤ نس پڑا تو جان چھوٹ گئی اور چاہے تو نیکی کرنے والوں کو دوزخ میں پھینک دے۔ یادرکھو اس طرح کا خدا قرآن وحدیث میں نہیں ہے''

مرزا صاحب نے ان جملوں میں معتزلہ کے عقیدے کے مطابق یہ کہنا چاہا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر لازم ہے کہ وہ گناہگاروں کو عذاب دے اور نیکوکاروں کو انعام دے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا تو یہ ظلم ہوگا۔ اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو نیکوکاروں کو عذاب دے اور گناہگاروں کو انعام دے تو یہ سراسر جھوٹ ہے ۔قرآن وحدیث میں یہ عقیدہ کہیں بیان نہیں ہوا۔ اس کے جواب میں میرا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ لگتا ہے مرزا صاحب کا قرآن وحدیث وہ نہیں ہے جس پر ساری امت ایمان رکھتی ہے بلکہ کچھ اور ہی ہے۔ ورنہ ہمارے قرآن مجید میں تو اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے۔

> ''لایسئل عمّا یفعل وھم یسئلون '' (۲۱۔۲۴ النساء) یعنی اللہ جو کچھ کرتا ہے اس کے بارے میں کوئی نہیں پوچھ سکتا البتہ لوگوں سے پوچھا جائے گا۔ ہمارے قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ■ ''فعال لما یرید '' وہ جو چاہتا کرتا ہے۔ مسلمانوں کی حدیث کی کتب میں ہے۔ امام ابن دیلمی فرماتے ہیں کہ ''میں صحابی رسول ﷺ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میرے دل میں تقدیر کے بارے میں عجیب وغریب خیالات آتے ہیں کوئی بات بتائیے کہ اللہ تعالیٰ اس کے وسیلے سے ان خیالات کو دور فرمادے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمان والوں اور زمین والوں کو عذاب دے تو وہ پھر بھی ظالم نہیں ہے اور اگر ان سب پر رحم کرے تو اس کی رحمت ان لوگوں کے نیک اعمال سے بہتر ہے۔ اور اگر تم اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا تقسیم کرو تو اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرمائے گا کہ جب تک تقدیر پر ایمان نہ لے آؤ۔ اس بات کو نہ مان لو کہ جو کچھ تمہیں پہنچا ہے وہ ہرگز تم سے خطا کرنے والا نہ تھا اور جو تم سے خطا کر گیا وہ ہرگز تمہیں پہنچنے والا نہ تھا۔ اگر تم اس عقیدہ پر نہ مرو تو تم ضرور جہنم میں داخل ہوؤ گے۔ حضرت ابن دیلمی فرماتے ہیں کہ پھر

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

میں حبر امت حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے بھی ایسی ہی بات فرمائی پھر میں حضرت حذیفہ بن الیمان ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے بھی یہی بات فرمائی پھر میں زید بن ثابت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے اسی کے مثل رسول اللہ ﷺ کی حدیث شریف سنائی۔" ﴿مسند احمد۔ سنن ابوداؤد وابن ماجہ﴾

یقیناً ہمارے ذہین قارئین بھی یہ بات سمجھ چکے ہونگے کہ مرزا صاحب کا اس قرآن و حدیث پر ایمان نہیں ہے کہ جس پر سب مسلمانوں کا ایمان ہے ورنہ جو آیات و احادیث میں نے لکھی ہیں وہ مرزا صاحب کو بھی نظر آ جاتیں اور اگر مرزا صاحب اصرار کریں کہ نہیں میں اسی قرآن کو مانتا ہوں۔ اور احادیث رسول اللہ ﷺ کو حق جانتا ہوں تو وہ خود ہی بتائیں کہ کیا قرآن کریم کی ایک بھی آیت کا منکر مسلمان کہلانے کا حقدار ہے حالانکہ انہوں نے تو کئی آیات اور احادیث کا ایک ہی سانس میں یہ کہہ کر انکار کر دیا ہے "یہ سب جھوٹ ہے" اب اہلسنت کے عقیدے کی وضاحت کر دوں کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے وہ کسی کا محکوم نہیں ہے وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہے۔ چنانچہ وہ جو چاہے کرے کوئی اس سے سوال نہیں کر سکتا۔ وہ ہمارا مالک یکتا ہے ہم اس کے عاجز بندے ہیں۔ آقا اپنے غلام میں جس طرح چاہے تصرف کرے مالک اپنی ملکیت کے ساتھ جو چاہے کرے۔ اس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا۔ ہاں البتہ اس نے اپنے ذمہ کرم سے یہ وعدہ فرمالیا ہے کہ وہ مومنوں کو جنت میں داخل فرمائے گا اور کافروں کو جہنم میں ڈالے گا۔ کہ وہ خود فرماتا ہے۔ ان اللہ لا یخلف المیعاد۔

رابعاً

مرزا صاحب لکھتے ہیں۔ "زہر چاہے ہندو کھائے یا مسلمان اس کا نتیجہ نکلنا ہی ہے۔ پانی پینے سے پیاس ختم ہوتی ہی ہے۔"

مرزا صاحب نے یہ بات بھی معتزلہ کے عقیدے کے مطابق لکھی ہے کیونکہ معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ اشیاء اپنی تاثیر میں حکم الٰہی کی محتاج نہیں ہیں یعنی زہر کا کام جان لینا ہے تو وہ ضرور جان لے گا۔ اسے اللہ تعالیٰ کے اذن (اجازت) کی ضرورت نہیں۔ چھری کا کام کاٹنا ہے اگر وہ کسی کے جسم پر چلے گی تو ضرور کاٹے گی۔ اسے اذن الٰہی کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ ہر آن، ہر لمحہ، ہر کام میں خواہ حرکت ہو یا سکون اللہ تعالیٰ کے حکم کا محتاج ہے۔ لاکھ ہوائیں چلیں مگر پتہ اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سکتا کہ جب تک اللہ تعالیٰ حکم نہ کرے۔ڈاکٹر لاکھ انجکشن لگائے خوب دوا دے مرض دور نہ ہوگا، دوا کام نہ کرے گی کہ جب تک اللہ تعالیٰ دوا کو کام کرنے کا حکم نہ کرے۔اس کی واضح مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ہے جسے قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔احادیث میں اسکی تفصیل موجود۔حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے حلقوم پر چھری چلائی تو نہ چلی کہ چھری کو حکم الٰہی نہ ہوا تھا مگر جب ابراہیم علیہ السلام نے غصہ میں اسی چھری کو پتھر پر مارا تو پتھر ٹوٹ گیا تھا۔اسی طرح حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک معرکہ میں عیسائی پادری نے انتہائی خطرناک زہر کی پڑیا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دکھائی اور کہا کہ اگر آپ قلعہ کے گرد سے محاصرہ نہ اٹھائینگے تو میں یہ زہر اس نہر میں ڈال دونگا اور قلعے والے اس کا پانی پی کر مر جائیں گے آپ لوگوں کے ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تک اللہ تعالیٰ نہ مارے کوئی نہیں مرتا۔اس پادری نے کہا اگر یہ بات ہے تو تم اس کو کھا کر دکھاؤ۔آپ رضی اللہ عنہ نے وہ زہر کی پڑیالی جو پورے قلعے کو مارنے کا کام دے سکتی تھی اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر وہ زہر کھا لیا۔آپ رضی اللہ عنہ کو ذرا سا پسینہ آیا اور کچھ بھی نہ ہوا۔لہٰذا پتہ چلا کہ مرزا صاحب کا یہ سمجھنا کہ اشیاء اپنی تاثیر میں حکم الٰہی کی محتاج نہیں ہے سراسر گمراہی ہے۔اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس سے بچائے۔امین

خامسا

مرزا صاحب لکھتے ہیں "وہاں پر بھی ہیرا پھیری ہو جاتی ہے (یعنی شفاعت) ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کو مانتے بھی ہوں اور منہ سے کہتے بھی ہوں کہ قیامت آنی ہے مگر یہ کافر ہی ہیں"۔

اس عبارت میں مرزا صاحب نے شفاعت کے ماننے والوں پر کفر کا فتویٰ دیا ہے کیونکہ ہیرا پھیری سے مراد انکے نزدیک شفاعت بالوجاہت ہی ہے جیسا کہ ان کی تحریر سے ظاہر ہے۔مرزا صاحب کا مسلمانوں پر یہ فتویٰ کفر اسی وقت درست ہو سکتا تھا جبکہ وہ ثابت کر دیتے کہ واقعی شفاعت بالوجاہت کا قرآن وحدیث میں کوئی وجود نہیں ہے۔مگر الحمدللہ میں نے کئی آیات واحادیث سے شفاعت بالوجاہت کا ثبوت پیش کیا ہے۔لہٰذا یہ کفر کا فتویٰ خود مرزا صاحب ہی کی طرف لوٹ جائے گا۔امام مسلم رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

"جس شخص نے اپنے کسی دینی بھائی سے کہا "اے کافر" تو کفر دونوں میں سے کسی ایک کی طرف

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

لوٹے گا۔ اگر وہ شخص واقعی کافر ہو گیا تھا تو ٹھیک ورنہ کہنے والے کی طرف لوٹ آئے گا۔"

﴿صحیح مسلم﴾

انشاء اللہ مرزا صاحب قیامت تک قرآن و حدیث سے کوئی ایسی دلیل نہیں لا سکتے کہ جس کے ذریعے ثابت کر سکیں کہ شفاعت کو ماننا کفر ہے۔ لہٰذا مرزا صاحب خود اپنے ہی فتوے کی زد میں آگئے ہیں۔ ہمارے معزز قارئین کو یاد ہو گا کہ مرزا صاحب نے اپنے پچھلے مضمون بعنوان "مسلمان اور فرقہ واریت آخر کیوں" میں صحابہ کرام﷢ ائمہ مذاہب اربعہ رحمۃ اللہ علیہم پر یہ کہہ کر الزام عائد کیا تھا کہ ان کے اختلافات ڈھکے چھپے نہیں ہیں اور ان کے پیروکار ایک دوسرے کو غلط اور کافر کہنے میں ذرا عار محسوس نہیں کرتے ہیں۔ لہٰذا صحابہ کرام﷢ اور ائمہ رحمۃ اللہ علیہم کو چھوڑ دو اور انہیں ایک طرف رہنے دو۔ میں نے جو مضمون جواباً لکھا تھا اس کی ابتداء ہی میں کہا تھا کہ مرزا صاحب ہمدردی کے لباس میں اپنے باطل نظریات کا پرچار کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بات مرزا صاحب کے دوسرے مضمون سے ظاہر ہو گئی کیونکہ مرزا صاحب نے اپنے اس مضمون میں ان تمام مسلمانوں کو جو شفاعت کے قائل ہیں بدمعاش اور شیطان کے ایجنٹ کہہ کر گالیاں بکی ہیں بلکہ انہیں کافر بھی لکھ دیا ہے۔ لہٰذا انہوں نے اپنے پہلے مضمون میں جو اتحاد بین المسلمین کی باتیں لکھیں تھیں وہ کھوکھلے نعروں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ شریعت اسلامیہ میں اسی دورخی پالیسی کو نفاق کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو منافقت اور منافقوں کے شر سے محفوظ فرمائے آمین۔

اگر چہ مرزا صاحب کے مضمون میں دیگر بہت سی باتیں ہیں جو کہ قابل گرفت ہے مگر میں قارئین کی اکتاہٹ کے خوف سے انہی نکات پر اکتفاء کر رہا ہوں آخر میں اس سوال کا جواب لکھ کر قلم کو روک رہا ہوں کہ جو مرزا صاحب کے مضمون کا محور ہے۔ "وہ یہ کہ اگر قیامت کے دن بھی گناہگاروں کو سزا نہ ملی تو مظلوموں کی دادرسی کیونکر ہو گی۔ ان کو سکون کس طرح آئے گا"۔ جہاں تک حقوق اللہ کا معاملہ ہے تو اللہ تعالیٰ جس کو چاہے معاف کر دے اور جس کو چاہے بخش دے مگر حقوق العباد کے معاملے میں لوگوں سے ضرور باز پرس ہو گی۔ اگر اہل حقوق نے اپنے حقوق معاف کر دیئے تو زیادتی کرنے والا شخص بغیر عذاب کے جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور اگر انہوں نے معاف نہ کیے۔ تو جہنم میں ڈالا جائیگا مگر رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کے طفیل جلد یا کچھ تاخیر سے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ اور اگر کسی زیادتی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ جہنم میں نہ ڈالنا چاہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مگر اس طرح سے کہ مظلوم بھی راضی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس بات کا حل ازل سے جانتا ہے ایک روایت میں اس کی مثال یوں بیان کی گئی ہے امام حاکم مستدرک میں صحیح سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں

''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اچانک حضور ﷺ نے تبسم فرمایا کہ آپ ﷺ کے دندان مبارک نظر آنے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں حضور ﷺ کس بات پر تبسم فرما رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے دو آدمی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونگے ان میں سے ایک کہے گا الہ العالمین مجھے اس بھائی سے انصاف دلا۔ رب تعالیٰ فرمائے گا اسے اس کا حق دو تو وہ عرض کرے گا۔ یاالٰہی میری نیکیوں میں سے کچھ باقی نہیں رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ انصاف چاہنے والے سے فرمائے گا اب کیا کہتے ہو؟ وہ عرض کرے گا اللہ عزوجل اسکے عوض میرے گناہوں کا بار اس کے سر کر دے۔ حضور ﷺ کی چشم ہائے اطہر اشک بار ہوگئیں۔ پھر فرمایا بے شک یہ بہت شدید دن ہوگا۔ لوگ اپنے گناہ دوسروں پر ڈالنے کے خواہشمند ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ پہلے شخص سے فرمائے گا نظر اٹھا کر جنت کو دیکھو۔ وہ جنت کو دیکھ کر کہے گا۔ میں نے سونے چاندی کے اونچے اونچے محلات دیکھے ہیں جن میں موتی جڑے ہوئے ہیں یہ کون سے نبی، صدیق یا شہید کیلئے ہیں؟ رب ذوالجلال فرمائے گا جو اس کی قیمت ادا کرے گا اسکو دونگا۔ وہ عرض کریگا اے اللہ عزوجل اسکی قیمت کس کے پاس ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس کی قیمت تیرے پاس ہے وہ یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کو معاف کر دے۔ چنانچہ وہ اسے معاف کر دیگا۔ رب تعالیٰ فرمائے گا اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ اور جنت میں داخل ہو جا۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور آپس میں صلح کراؤ۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مومنوں میں باہم صلح کرائے گا۔''

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ تمام مسلمانوں کو مرزا اور ان کی طرح دیگر گمراہوں کی گمراہی سے محفوظ فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الکریم وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ ونور عرشہ سیدنا و مولانا محمد والہ وصحبہ وبارک وسلم.

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ عزوجل

باغات اور تالاب کا ٹھیکہ

جدید شرعی مسائل کے حل کے لئے قائم کردہ مجلس
شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور (ہندوستان)
سے باغات اور تالاب کے ٹھیکہ سے متعلق موصول ہونے
والے سوالات کے تحقیقی جوابات

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سوال: تالاب اور باغات کے ٹھیکے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: تالاب و باغات کے مذکورہ ٹھیکے ناجائز ہیں کہ یہ استہلاک عین پر مبنی ہیں۔ علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں

واذا عرف ان الأجارة بيع المنفعة تخرج عليه بعض المسائل فنقول لا تجوز اجارة الشجر و الكرم للثمر لأن الثمر عين والأجارة بيع المنفعة لا بيع العين و لاتجوز اجارة الشاة للبنها أو سمنها او صوفها او ولدها لأن هذه اعيان فلا تستحق بعقد الاجارة و كذااجارة الشاة لترضع جديا او صبيانها قلنا ولا تجوز اجارة ماء فى نهر او بئر او قناة او عين لان الماء عين فان استاجر القناة والعين و البئر مع الماء لم تجز ايضاً لان المقصود منه الماء وهو عين ولا يجوز استيجار الآجام التى فيها الماء للسمك وغيره من القصب والصيد لأن كل ذالك عين فان استاجرها مع الماء فهو افسدوا خبث لان استيجار ها بدون الماء فاسدفكان مع الماء افسدولاتجوز اجارة المراعى لان الكلأ عين فلا تحتمل الاجارة۔ ﴿بدائع الصنائع دارالفكر بيروت ج۴ ص ۲۵۷﴾

ترجمہ: جب یہ معلوم ہو چکا کہ اجارہ منفعت کی بیع ہے چنانچہ ہم اس پر بعض مسائل کی تخریج کرتے ہیں پس ہم کہتے ہیں کہ درخت اور انگور کی بیل کا اجارہ پھلوں کیلئے ناجائز ہے کیونکہ پھل عین ہے جبکہ اجارہ منفعت ہے نا کہ عین کی بیع اور بکری کا اجارہ اسکے دودھ، گھی، اون اور بچے کے حصول کیلئے جائز نہیں۔ کیونکہ یہ اشیاء اعیان ہیں چنانچہ عقد اجارہ کے ذریعے مستحق نہ ہونگی اور ایسے ہی بکری کا اجارہ بکری کے بچے یا انسانی بچے کو دودھ پلانے کیلئے ناجائز ہے جیسا کہ اسکی وجہ ہم نے بیان کی ہے اور نہر، کنواں، تالاب یا چشمے کے پانیوں کا اجارہ جائز نہیں کیونکہ پانی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

عین ہے پس اگر کسی نے تالاب، چشمہ یا کنواں مع پانی کے اجارہ پر لیا تو بھی ناجائز ہے کیونکہ ان سے مقصود پانی ہے جو کہ عین ہے ایسے ہی ان جنگلات کا بھی اجارہ مچھلی کیلئے منع ہے کہ جس میں پانی ہو اسی طرح نرکل وشکار کے لئے بھی منع ہے کیونکہ یہ تمام اشیاء عین ہیں پس اگر وہ ان کو اجارہ پر مع پانی کے لے تو وہ زیادہ فاسد اور زیادہ خبیث ہے کیونکہ ان اشیاء کا اجارہ بغیر پانی کے فاسد تھا چنانچہ پانی کے ساتھ زیادہ فاسد ہوگا نہ ہی چراگاہوں کا اجارہ جائز ہے کیونکہ گھاس عین ہے اور عین شئ اجارہ کا احتمال نہیں رکھتی۔

كذلك في الدر المختار و ردالمحتار بالفاظ متغيّره

ہاں اگر تالاب کا اجارہ صرف سنگھاڑے کی کاشت کشتیاں اور اسٹیمر چلانے کے لئے ہو تو جواز میں کوئی شک نہیں کہ ان امور میں استہلاک عین نہ ہونے کے برابر ہے لہٰذا اس قلیل مقدار کا اعتبار نہ ہوگا جو کہ سنگھاڑے کی نشوونما کیلئے استعمال ہوا یا کشتی وغیرہ کے باہر نکالنے کی وجہ سے ضائع ہوگا۔

سوال ۲: استہلاک عین پر اجارہ کا بطلان وعدم جواز منصوص فی الشرع ہے یا منصوص فی المذہب ہے؟

جواب: آئمہ اربعہ کے نزدیک اجارہ بیع منفعت کا نام ہے احناف کا مسلک بدائع الصنائع کے حوالے سے بیان کیا جاچکا ہے آئمہ ثلاثہ کے نزدیک اجارہ کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر وھبہ ذھیلی رقمطراز ہیں:

و عرف الشافعيّة الايجار فقالوا هو عقد على منفعة مقصودة معلومة مباحة قابلة للبذل والاباحة بعوض معلوم..............وقال المالكية: الايجار تمليك منافع شئ مباحة مدة معلومة بعوض و بمثل ذلك قال الحنابله

﴿الفقه الاسلامی وادلتہ المکتبۃ الحبیبیہ کانسی روڈ کوئٹہ ج۴ص۷۳۲﴾

ترجمہ: شوافع نے ایجارہ کی تعریف میں کہا کہ اجارہ عقد ہے خرچ کے قابل منفعت معلومہ مقصودہ مباحہ کا اور یہ اباحت عوض معلومہ کے بدلے میں ہوگی.............مالکیہ کے نزدیک اجارہ عوض کے بدلے میں مدت معلومہ کیلئے شی مباح کے منافع کی تملیک ہے اسی طرح حنابلہ نے کہا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مذکورہ بالا عبارت سے ظاہر ہوا کہ مذاہب اربعہ میں اجارہ منافع کی بیع ہے لہٰذا ان سب کے نزدیک استہلاک عین پر اجارہ باطل ہوا۔ البتہ اس بطلان پر کوئی صریح نص فقیر کی نظر سے نہیں گذری ہاں فقہاء کرام اس سلسلے میں حدیث شریف ''نهى رسول الله ﷺ عن عسب الفحل'' سے استدلال کرتے ہیں ڈاکٹر وھبہ زحیلی رقمطراز ہیں:

ولا يجوز عند جمهور الفقهاء استجار الفحل للضراب لأن مقصود منه النسل بانزال الماء و هو عين وقد ثبت انه ﷺ نهى عن عسب الفحل اى كرائه و قد حذفت كلمة '' الكراء '' من باب المجاز المرسل مثل و اسئل القرية ولا يجوز اشجار الدراهم والدنانير و المكيلات و الموزونات لانه لايمكن الانتفاع به الا بعد استهلاك اعيانها والمعقود عليه فى الاجارة هو المنفعة لا العين۔

﴿الفقہ الاسلامی وادلتہ المکتبۃ الحبیبیہ کانسی روڈ کوئٹہ ج۴ ص۷۴۳﴾

ترجمہ: جمہور فقہاء کے نزدیک نر کو مادہ پر چھوڑنے کی اجرت جائز نہیں کیونکہ اس سے مقصود انزال ماء کے ذریعے نسل حاصل کرنا ہے اور انزال ماء عین ہے تحقیق یہ بات ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے نر کو مادہ پر چھوڑنے سے منع فرمایا ہے یعنی اس کی اجرت سے اس حدیث شریف میں کلمہ ''الکراء'' کا محذوف ہونا مجاز مرسل کے باب سے ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان واسئل القریۃ ہے اور جائز نہیں ہے درہم و دینار، مکیلات و موزونات کا اجارہ کیونکہ ان سے انتفاع استہلاک عین کے بغیر نہیں ہوسکتا۔

بہرحال فقیر کی نظر سے کوئی نص صریح استہلاک عین پر اجارہ کے بطلان پر نہیں گذری مگر جمہور علماء امت ائمہ اربعہ کا اس بات پر مجتمع ہونا کہ استہلاک عین پر اجارہ باطل ہے خود اجماع ہے اور اجماع مخالف نص نہ ہو تو خود نص کی حیثیت رکھتا ہے مگر اس کے باوجود استہلاک عین پر اجارہ کا عدم جواز منصوص فی الشرع نہیں کہلا سکتا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سوال ۳: کیا آج کے زمانے میں تالاب اور باغات کے ٹھیکے میں عرف وتعامل یا عموم بلویٰ متحقق ہو چکا ہے؟ بصورت اثبات کیا اس ٹھیکے کے جواز کا حکم دیا جائیگا؟

جواب: لاریب ہمارے زمانے میں تالاب اور باغات کے ٹھیکے میں عموم بلوی متحقق ہو چکا ہے چنانچہ ایسی صورت میں اس کے جواز ہی کا حکم کیا جائیگا جب ماضی میں اس قسم کے مسائل پیش آئے تو فقہاء رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عموم بلویٰ یا عرف وتعامل کی وجہ سے جواز ہی کا فتویٰ دیا علامہ شامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں

مسئلة بيع الثمار على الاشجار عند وجود بعضها دون بعض فقد اجازه بعض علماء نا للعرف قال فى الذخيرة البرهانية فى فصل السادس من البيع و اذا اشترى ثمار بستان و بعضها قد خرج و بعضها لم يخرج فهل يجوز هذا البيع ظاهر المذهب لا يجوز و كان شمس الائمه الحلوانى يفتى بجوازه فى الثمار و البازنجان والبطيخ و غيرذلك.......حكى عن الشيخ الامام الجليل ابى بكر محمد بن الفضل انه كان يفتى بجوازه

﴿رسائل ابن عابدین شامی سہیل اکیڈمی لاہور ج۲ ص۱۳۹﴾

ترجمہ: پھلوں کی بیع ایسے وقت میں جبکہ بعض موجود ہوں اور بعض نہ ہوں تحقیق اس کو بعض علماء نے عرف کیوجہ سے جائز قرار دیا ہے ذخیرہ برہانیہ کی بیع سے متعلق فصل سادس میں فرمایا کہ اگر کسی نے باغ کے پھل خریدے اس حال میں کہ بعض ظاہر ہو چکے ہوں اور بعض ظاہر نہ ہوئے ہوں تو کیا یہ بیع جائز ہے ظاہر مذہب کے مطابق یہ بیع جائز نہیں ہے شمس الائمہ الحلوانی پھل، بینگن، اور تربوز کے علاوہ دیگر اشیاء کی بیع کے جواز کا فتوی دیا کرتے تھے....اسی طرح الشیخ الامام الجلیل ابوبکر بن الفضل کے بارے میں حکایت کی گئی ہے کہ وہ اس کے جواز پر فتوی دیا کرتے تھے۔

علامہ شامی علیہ الرحمہ نے شمس الائمہ کے نزدیک جواز کا سبب ان الفاظ میں بیان فرمایا

قال استحسن فانهم تعاملوا بيع ثمار الكرم

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بهذه الصفة ولهم فی ذالک عادة ظاهرة و فی نزع الناس عن عادتهم حرج

﴿رسائل ابن عابدین شامی سہیل اکیڈمی لاہور ج۲ ص۱۴۰﴾

''فرمایا کہ لوگوں کے تعامل کیوجہ سے یہی مستحسن ہے بے شک لوگوں کے درمیان انگور کے پھلوں کی بیع کے اسی طرح سے کرنے کے بارے میں تعامل جاری ہو چکا ہے اور یہ ظاہرا لوگوں کی عادت ہو چکی ہے اور لوگوں کو ان کی عادتوں سے نکالنے میں حرج ہے''۔

تالاب کو اجارہ پر دینے کے مسئلہ میں امام اہلسنت اعلیحضرت علیہ الرحمہ نے فقہاء کرام کے مختلف اقوال نقل فرمائے جس میں جواز اور عدم جواز دونوں ہی قسم کے قول پائے جاتے ہیں مگر امام اہلسنت علیہ الرحمہ کا رجحان جواز ہی کی طرف ہے آپ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں'' یہ مسئلہ معرکۃ الآراء ہے عامۂ کتب میں اس اجارے کو محض حرام و ناجائز و باطل فرمایا اور یہی موافق اصول اور قواعد مذہب ہے۔

کیف و هی اجارة و ردت علی استهلاك عین اعنی الماء و السمک والارض التی تحت الماء لا تصح به للانتفاع بها فی الحال و هو شرط جواز الاجارة و لذا لم یجز اجارة الجحش للرکوب و فی وجیز الامام الکردری الاجارة اذا وقعت علی العین لا تصح فلا یجوز استنجار الاجام والحیاض لصید السمک او رفع القصب و قطع الحطب او لسقی ارضها او غنمه منها و کذا اجارة المرعی اه، و فی الدر المختار عن البحر الرائق تجوز اجارة برکة لیصاد منها السمک اه و فی ردالمحتار نقل فی البحر عن الایضاح عدم جوازها قال و ما فی الایضاح بالقواعد الفقهیة الیق لعد م الصحة ۔ اور جامع المضمرات میں جواز پر فتوی دیا ۔ و فی الدرالمختار جاز اجارة القناة و النهر مع الماء به یفتی لعموم البلوی ﴿فتاوی رضویه مکتبه رضویه کراچی ج۸ ص ۱۵۷﴾

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

خاتم المحققین علامہ ابن عابدین شامی اور سیدی اعلیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی عبارت سے ظاہر کہ ان معاملات میں اگر عموم بلویٰ واقع ہو جائے تو جواز ہی کا فتویٰ دیا جائے گا اور ہمارے زمانے میں تالاب اور باغات کے ٹھیکے پر عموم بلویٰ ہو چکا تو جواز ہی کا فتویٰ ہونا چاہیے۔

سوال ۴: اگر یہ ٹھیکہ ناجائز ہو تو کیا کسی شرط اور حیلے سے اس کے جواز اور لوگوں کو معصیت سے بچانے کی راہ نکل سکتی ہے؟ مفصل افادہ فرمائیں۔

جواب: اگرچہ فقہاء کرام نے تالاب و باغات کے اجارے کے مختلف حیلے بیان فرمائے ہیں جو کہ کتب فقہاء کے مطالعہ کرنے والے پر پوشیدہ نہیں ہیں مگر ان کا ذکر باعث تطویل ہوگا کہ یہ حیلے عقلاً ممکن مگر عادۃ محال ہیں لہٰذا تیسیر اً مطلقاً جواز ہی کا فتویٰ ہونا چاہیے جیسا کہ علامہ شامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں

(اقول) لا شک فی تحقیق الضرورة فی زماننا لغلبة الجهل علی عامة الباعة فانک لاتکاد تجد و احدا منهم یعلم هذه الحیلة لیتخلص بها عن هذه الغائلة ولا یمکن للعالم تعلیمهم ذلک لعدم ضبطهم و لو علموا ذلک لایعلمون الا بهما الفوا و اعتادوا و تلقوه جیلا عن جیل ولقد صدق الامام الفضلی فی قوله و لهم فی ذلک عادة ظاهرة و فی نزع الناس عن عاداتهم حرج فهو نظر الی ذلک غیر ممکن عادة فاثبت الضرورة والامام السرخسی نظر الی انه ممکن عقد بما ذکره من الیحلة فنفی الضرورة و لا یخفی ان المستحیل العادی لا حکم له و ان امکن عقلا و فیما ذکره الامام الفضلی تیسیر علی الناس و رحمة بهم من حیث صحة بیعهم و حل اکلهم الثمار و الخضروات و تناولهم اثمان ذالک۔

﴿رسائل ابن عابدین شامی سہیل اکیڈمی لاہور ج ۲ ص ۱۴۰﴾

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہاں اس جواز کے باوجود یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ لوگ ان عقود میں پھلوں کو درخت پر باقی رکھنے کی شرط لگاتے ہیں یا شرط نہ بھی لگائیں تو عرفا یہ عقود کیئے ہی اس لئے جاتے ہیں کہ درختوں پر باقی رکھے جائیں گے ورنہ بہت ہی کم لوگ یہ عقود کرینگے حالانکہ یہ شرط فاسد ہے علامہ شامی علیہ الرحمہ اس بارے میں فرماتے ہیں

ولا يخفى انهم فى هذا الزمان وان لم يشترطوا الترك لكنّه معروف عندهم و قد قالوا ان المعروف عرفا كالمشروط شرطا ولو علم المشترى ان البائع يامره بالقطع لم يرض بشرائه بعشرا لثمن و ايضا يشترون البطيخ و الخيار والباذنجان و نحوها من الخضروات بشرط ابقائها صريحاً و بشرط ان يسقيها البائع مرات متفرقات معدودة حتى تنمو و يظهر مالم يكن منها ظاہر و لم ارمن صرح بجواز ذالک بناء على العرف و ينبغى جوازه بناء على ما مرّ فانه حيث جاز للعرف بيع المعدوم مع ان بيعه باطل لا فاسد فيجوز البيع مع هذا الشرط باالاولىٰ فتامل.

﴿رسائل ابن عابدین شامی سہیل اکیڈمی لاہور ج ۲ ص ۱۴۱﴾

امام اہلسنت سیدی اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی تالاب والنہر وغیرہ کے اجارے پر خوب بحث فرمائی جیسا کہ آپ کی عادت طیبہ ہے۔ اسکے جواز میں مختلف حیلے بھی بیان فرمائے مگر امت کی آسانی کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ نے عموم بلوی کی وجہ سے مطلقا جواز ہی کے فتوی کو پسند فرمایا اور اسکی تحسین بھی فرمائی آپ فرماتے ہیں

ولقد احسن اذ علل الافتاء بعموم البلوىٰ لا بحصول الجوازبالتبع فاذن ان عمل بقوله به يفتى فلا شک ان قضية اطلاق الجواز وهو الايسر۔"

﴿فتاوی رضویہ مکتبہ رضویہ ج ۸ ص ۱۵۹﴾

والله تعالىٰ اعلم بالصواب

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

مدینہ کہہ کر پکارنا

مدینہ کہہ کر پکارنے کی شرعی حیثیت

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ لوگ (دعوت اسلامی والے) ہر سبز عمامہ والے کو مدینہ کہہ کر پکارتے ہو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

عبدالرشید ہمایوں۔راولپنڈی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب بعون الوهاب

اللهم هداية الحق والصواب

مسلمان کو خطاب کے وقت یا دیگر جائز مواقع پر لفظ ''مدینہ'' کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے۔اس مقدس لفظ ''مدینہ'' کے استعمال کے جواز کے دو جوابات ہیں ایک تو الزامی اور دوسرا تحقیقی۔الزامی تو یہ ہے کہ عام طور پر گفتگو میں علماء کے لئے خصوصاً اور دیگر افراد کے لئے عموماً خطاب کے لیے قبلہ و کعبہ وغیرہ مقدس اسماء استعمال کیے جاتے ہیں اور بعض کا تو تکیہ کلام ہی یہی الفاظ ہوتے ہیں اگر چہ یہ الفاظ ذو معنی ہیں مگر بیت اللہ شریف زادہ اللہ شرفا وتعظیما کے لیئے خصوصی طور پر استعمال کیے جاتے ہیں اور عوام تو اکثر اس سے بیت اللہ شریف ہی مراد لیتے ہیں دوسرے معنی کا تو انھیں علم بھی نہیں ہوتا ہے۔اسکے باوجود اسے کوئی ناجائز نہیں کہتا۔کوئی یہ نہیں کہتا کہ اس سے بیت اللہ شریف کی توہین ہوتی ہے یا ان الفاظ کے اسطرح استعمال سے بیت اللہ شریف کی اہمیت وہیبت دلوں سے کم ہو جائے گی یا یہ یہودیوں کی سازش ہے علماء کرام نے ان اوہام باطلہ کو اہمیت نہیں دی اس لئے مجدد دین وملت امام اہل سنت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن باوجود یہ کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ منکرات کا رد فرمایا اور کبھی بھی حق کہنے سے خاموش نہ رہے ان الفاظ یعنی کعبہ وقبلہ کے استعمال کو جائز رکھا۔ خود آپ رضی اللہ عنہ کو فتاوی رضویہ شریف میں کئی مقامات پر ان الفاظ سے مخاطب کیا گیا مثلاً فتاوی رضویہ جلد ششم صفحہ ۴ پر آپ رضی اللہ عنہ کو یوں خطاب کیا گیا ''قبلہ کونین وکعبہ دارین.........'' فتاوی رضویہ جلد ششم ہی کے صفحہ ۵۳۵ پر یوں مخاطب کیا گیا ''قبلہ دو جہاں وکعبہ دین وایمان دامت برکاتھم العالیہ........'' اسی جلد میں صفحہ ۹۶ پر یوں مخاطب کیا گیا ''حضرت مولٰنا صاحب قبلہ مدظلکم اللہ تعالیٰ'' صفحہ نمبر ۱۳۴ ج ۱۰ میں یوں ''زبدۃ المحققین قبلہ نمائے آیات اولین..........'' جلد دہم حصہ دوم صفحہ ۳۱۰ پر یوں'' قبلہ من مدظلہٗ............جلد دہم ''

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اسی دسویں جلد حصہ دوم صفحہ ۳۱۱ پر یوں " قبلہ جانم و کعبہ ایمانم ...." لہٰذا لفظ "مدینہ" استعمال کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

ثانیاً

عام بول چال میں تخاطب کے لیئے جناب، بھئی ابے، اوہ، ہیلو وغیرہ الفاظ استعمال کیئے جاتے ہیں جن پر آخرت میں کچھ بھی اجر نہ ملے گا ہم لوگ اس قسم کے الفاظ سے بچنے کے لیئے لفظ "مدینہ" بنیت عبادت بلند آواز میں کہتے ہیں اور اس کے ضمن میں سامنے والا متوجہ بھی ہو جاتا ہے اور بالفرض غلط بعض کے نزدیک ایسے موقع پر لفظ "مدینہ" کا استعمال منع بھی ہو تو بنیتِ عبادت درست ہو جائے گا کیونکہ یہ فقہ کا قاعدہ ہے کہ "کم من اشیاء تجوز فی ضمن اشیاء اخری ۔" یعنی کتنی ہی اشیاء ہیں جو دیگر اشیاء کے ضمن میں جائز ہو جاتی ہیں چونکہ یہاں بھی عبادت مقصود ہے تخاطب تو اس کے ضمن میں حاصل ہوا ہے اور ذکر مدینہ شریف کے عبادت ہونے پر درج ذیل احادیث دلالت کرتی ہیں

۱) من قال للمدینه یثرب فکفارته ان یقول المدینة عشر مرات رواه الحاکم فی تاریخه عن عامر بن ربیعه

﴿کنز العمال ج ۱۲ ص ۱۱۶ رقم الحدیث ۳۴۹۳۸﴾

۲) من سمی المدینه یثرب فلیستغفر اللّٰه هی طابة هی طابة رواه احمد فی مسنده عن البراء رقم الحدیث ۱۸۵۴۴ ج ۶ ص ۴۰۹ و رواه الخطیب فی المتفق و المفترق بلفظ هی طابة ثلاث مرات رقم الحدیث ۳۴۹۳۷

﴿کنز العمال ج ۱۲ ص ۱۱۶﴾

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ نے اشعۃ اللمعات کے حوالے سے نقل فرمایا آپ علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ

"امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اپنی تاریخ میں روایت کی کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جو ایک بار مدینہ کو یثرب کہے وہ کفارہ کے لئے دس بار مدینہ کہے۔"

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

﴿مراۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج۶ص ۲۹۴ نعیمی کتب خانہ گجرات﴾

اس حدیث شریف سے پتہ چلا کہ مدینہ شریف کو یثرب کہنا گناہ ہے لہٰذا اس کے کفارہ میں دس مرتبہ "مدینہ" کہنے اور استغفار کا حکم دیا گیا اور یہ بات اہل علم جانتے ہیں کہ گناہ کے کفارے میں نیکی ہی کی جاتی ہے۔ کما قال علیه الصلوٰة والسلام : واتبع السیئة الحسنة تمحها "اور تو گناہ کے بعد نیکی کرلے وہ گناہ کو مٹا دیگی "۔ لہٰذا مدینہ منورہ کا ذکر کرنا عبادت ہے۔

ثالثاً

لفظِ "مدینہ" کے مذکورہ استعمال سے یہ سعادت حاصل ہو جائیگی کہ ہمارے نامۂ اعمال میں فضول الفاظ کے بجائے مدینہ مدینہ مدینہ.................ہی لکھا جائیگا۔ کیونکہ انسان جو کچھ بولتا ہے وہ اسکے نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

مایلفظ من قول الا لدیه رقیب عتید

﴿کھف آیت ۱۸﴾

"کوئی بات وہ زبان سے نہیں نکالتا کہ اسکے پاس ایک محافظ تیار نہ بیٹھا ہو۔

﴿کنز الایمان﴾

حافظ ابن کثیر اس آیت کے تحت امام حسن اور قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"ان کے نزدیک ہر وہ بات لکھ لی جاتی ہے جسے انسان بولتا ہے"

﴿تفسیر ابن کثیر جلد۴ص ۲۸۶ مطبوعہ دمشق وریاض﴾

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ نے ایک قول یہ بھی نقل فرمایا کہ

"یہ فرشتے آدمی کی ہر بات لکھتے ہیں آدمی کا کراہنا تک۔"

لہٰذا آدمی جو بات بھی کہے گا وہ اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جائے گی اور یہ سب کچھ بروز قیامت پڑھنا بھی ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اقراء كتابك ، كفي بنفسك اليوم عليك حسيباً ٥

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

﴿بنی اسرائیل آیت ۱۴﴾

''اپنا نامۂ اعمال پڑھ آج تو خود ہی اپنا حساب پڑھنے کو بہت ہے۔''

﴿کنزالایمان﴾

لہٰذا ہر شخص اپنے اپنے مزاج کے مطابق لکھے ہوئے الفاظ پڑھے گا مگر عاشقانِ مدینہ کی تو عجیب ہی شان ہوگی۔ وہ قیامت کے دن بھی انشاء اللہ تعالیٰ مدینہ، مدینہ..................ہی کہیں گے۔

اللھم اجعلنا منھم

خدا گر قیامت میں فرمائے مانگو

لگائیں گے دیوانے نعرہ مدینہ

مدینہ مدینہ ہمارا مدینہ

ہمیں جان و دل سے ہے پیارا مدینہ

رابعاً

الحمدللہ ثم الحمدللہ ہم مدینہ شریف سے محبت کرتے ہیں اور اہلِ دل حضرات جانتے ہیں کہ یہ محبت کا قاعدہ ہے کہ انسان جس سے محبت کرتا ہے اس کا ذکر بھی کثرت سے کرتا ہے جیسا کہ زرقانی علی المواہب میں ہے

من احب شیأ اکثر ذکرہٗ

ترجمہ: جو کسی شئ سے محبت کرتا ہے اسکا ذکر کثرت سے کرتا ہے۔

﴿ذکر مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم مؤلف علامہ حسان رضا القادری الحنفی ص ۱۰﴾

مذکورہ عبارت اس بات پر صراحۃً دلالت کرتی ہے کہ کثرت ذکر کا سبب محبت ہے نہ کہ توہین۔ علامہ زرقانی علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں

علامة المحبين كثرة الذكر للمحبوب على طريق الدوام لا يقطعون ولا يملون ولا يفترون وقد اجمع الحكماء على ان من احب شيأ اكثر من ذكره فذكر المحبوب هو الغالب على قلوب المحبين لا يريدون به بدلا ولا يبغون عنه حولا ولو قطعوا عن

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ذکر محبوبھم لفسد عیشھم وما تلذذالمتلذذون بشئ الا من ذکر المحبوب۔

"محبت کرنے والوں کی علامت ہمیشگی کے ساتھ محبوب کا کثرت سے ذکر کرنا ہے اس طرح سے کہ نہ اس کو کبھی چھوڑتے ہیں اور نہ ہی اس سے جدا ہوتے ہیں اور نہ ہی اس سے کوتاہی کرتے ہیں حکماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو کسی شئ سے محبت کرتا ہے تو اسکا ذکر کثرت سے کرتا ہے اور محبوب کا ذکر محبین کے قلوب پر غالب رہتا ہے اور وہ اسکا کوئی بدلہ بھی نہیں چاہتے اور نہ ہی اس سے پھرنا چاہتے ہیں اور اگر ان سے ان کے محبوب کا ذکر چھوٹ جائے تو بالضرور ان کی زندگی تباہ ہو جائے اور لذت پانے والے محبوب کے ذکر کے علاوہ کسی بھی شئ میں لذت نہیں پاتے۔"

﴿ذکر مصطفیٰ ﷺ مؤلف علامہ حسان رضا القادری الحنفی ص ۱۰، ۱۱﴾

مذکورہ اقتباس سے اہل فہم پر یہ بات مزید واضح ہو گئی ہو گی کہ کثرتِ ذکر کا سبب عشق و محبت ہوتا ہے نہ کہ توہین و تحقیر۔ بعض حضرات کو یہ اعتراض ہے کہ آپ صرف مدینہ ہی کہتے ہیں اس مقدس لفظ کے ساتھ کوئی تعظیم کا لفظ کیوں نہیں بولتے اور یہ بے ادبی ہے حالانکہ سلف صالحین نے کبھی بھی مدینہ منورہ کا تذکرہ تعظیم کے لفظ کے بغیر نہیں کیا۔

فقیر اس اعتراض کے سلسلے میں یہی کہے گا یہ اعتراض خلاف واقع ہونے کی وجہ سے مبنی بر حقیقت نہیں ہے۔ اولاً تو اس اعتراض سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ معترض کے خود ساختہ اصول کے مطابق کوئی بھی شخص اگر کسی معزز کے ساتھ تعظیم کا لفظ ذکر نہ کرے تو یہ بے ادبی ہے۔ اور یہ ایسی بات ہے جو سراسر قرآن اور حدیث اور کتب فقہ کی کئی عبارتوں سے متصادم ہے۔ اور اھل علم اس سے بخوبی واقف ہیں۔ ثانیاً معترض کا یہ کہنا کہ سلف صالحین نے کبھی بھی مدینہ منورہ کا تذکرہ تعظیم کے لفظ کے بغیر نہیں کیا، خلاف واقعہ ہے کیونکہ علماء کرام کی کتابوں میں اس کی بہت سی مثالیں آسانی سے مل جاتی ہے جس میں انھوں نے کسی معظم دینی کا تذکرہ تو کیا مگر اس کے ساتھ تعظیم کا کلمہ ذکر نہ کیا۔ اس موقع پر مدینہ منورہ سے متعلق مثال دینا انسب ہے۔ مثلاً مولانا حسن رضا خان رحمۃ اللہ علیہ ذوق نعت میں فرماتے ہیں:

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

"عجب رنگ پر بہار مدینہ　　کہ سب جنتیں ہیں نثار مدینہ"

اسی طرح فتاویٰ رضویہ میں اعلیٰحضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمان نے کئی مقامات پر مدینہ شریف کا ذکر بغیر کلمہ تعظیم کے فرمایا اس کی دو مثالیں درج ذیل ہیں

"حضور اقدس سرور دو عالم ﷺ فرماتے ہیں وہ اسے یثرب کہتے ہیں اور وہ تو مدینہ ہے۔"

اور فرماتے ہیں ﷺ "بیشک اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام طابہ رکھا"۔

﴿فتاویٰ رضویہ جلد ۱۰ صفحہ﴾

ممکن ہے کہ کوئی نہ ماننے والا اس بات کو یوں کہہ کر رد کردے کہ ان تینوں مثالوں سے اپنے مدعا پر استشہاد کرنا درست نہیں کیونکہ مولانا حسن رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے اگر مدینہ منورہ کا تذکرہ بغیر کلمہ تعظیم کے کیا ہے تو وہ صرف رعایت شعری کی وجہ سے کیا ہے اور نظم میں وہ رعایتیں ہیں جو نثر میں نہیں۔ جبکہ امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے ان مثالوں میں کلمہ تعظیم استعمال نہیں کیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ احادیث کا ترجمہ ہیں اور ترجمہ کرنے میں یہ مترجم کی دیانت داری ہوتی ہے کہ وہ اتنا ہی لکھے جتنا کہ اصل مضمون ہو۔ فقیر اس بارے میں اتنا ہی کہے گا کہ آپ کی یہ تاویل اس مقام پر تو ٹھیک ہے مگر درج ذیل مقامات پر آپ کی یہ تاویل کوئی فائدہ نہ دیگی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف میں فضائل مدینہ منورہ پر پورا باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے" فضائل المدینۃ" یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ مدینہ تو لکھا مگر کوئی کلمہ تعظیم ذکر نہیں کیا۔

﴿صحیح البخاری جلد ۱ صفحہ ۲۵۱ قدیمی کتب خانہ﴾

اسی طرح علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک مقام پر مدینہ منورہ کا تذکرہ کیا مگر ساتھ میں کوئی کلمہ تعظیم ذکر نہیں کیا آپ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "اربعین میلا من المدینۃ"

﴿عمدۃ القاری جلد ۴ صفحہ ۲۶۹ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ﴾

علامہ احمد بن علی المعروف بابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

"وھو جبل بالمدینہ کما سنوضحہ"

﴿فتح الباری جلد ۴ صفحہ ۵۶۵ مطبوعہ دارالفکر بیروت﴾

علامہ علی قاری علیہ رحمۃ الباری لکھتے ہیں

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

"علم ان للمدینة حرمة عندنا"

﴿مرقاۃ جلد ۵ صفحہ ۶۰۷ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور﴾

اعلیحضرت امام اہلسنت مجدد دین وملت الشاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

" سیدنا امام مالک صاحب المذھب عالم المدینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ.................."

﴿فتاوی رضویہ جلد ۱۲ صفحہ ۸۸ مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی﴾

صدر الشریعۃ مولانا امجد علی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

"اھل مدینہ کے ساتھ برائی کرنے کے نتائج"

﴿بہار شریعت جلد ۲ حصہ ۶ صفحہ ۹۴ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور﴾

خلیفہ اعلحضرت مولانا عبد العلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیھما لکھتے ہیں

"It is very commendable for a pilgrim to pay a visit

to the Mausoleum of the Holy Prophet at Madina.

Elementry teachings of Islam Page 87)

Printed by: Taj Company (LTD)

اب فقیر معترض سے دریافت کرتا ہے کہ کیا ان تمام بزرگوں نے مدینہ منورہ کے ذکر کے ساتھ کلمہ تعظیم ذکر نہ کرکے بے ادبی کا ارتکاب کیا ہے (معاذ اللہ)۔ یہاں پر معترض نہ تو یوں حیلہ سازی کرسکتا ہے کہ رعایت شعری کی وجہ سے کلمہ تعظیم ذکر نہیں کیا گیا اور نہ یوں کہ اس مقام پر ان بزرگ حضرات نے ترجمہ کی وجہ سے ایسا کیا ہے کیونکہ یہ نہ تو شعری عبارتیں ہیں اور نہ ہی کسی عبارت کا ترجمہ ہیں۔ تو ظاہر ہوا کہ معترض کا اعتراض بے اصل ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو سوئے ظن، حسد اور بے جا اعتراضات کرنے سے بچائے اور تاجدار مدینہ ﷺ اور مدینہ منورۃ حفظھا اللہ تعالیٰ کی محبت عطا فرمائے۔ (امین)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبـــہ: محمد ابوبکر صدیق عطاری

۱۹ ربیع الغوث ۱۴۲۲ھ/۱۳ جولائی ۲۰۰۱

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

داڑھی کی شرعی حیثیت

ایک مشت داڑھی کے وجوب کے منکرین

کا شرعی محاسبہ اور ان کے دلائل کے مسکت

جوابات

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلے میں کہ زید نے ایک مشت داڑھی کے وجوب کے رد میں ایک کتاب تصنیف کی ہے اور اس کتاب میں دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ایک مشت داڑھی واجب نہیں ہے بلکہ مطلقا داڑھی واجب ہے۔اس میں مقدار کی کوئی قید نہیں۔اس نے یہ بھی دعوی کیا ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دھلوی رحمۃ اللہ تعالی سے پہلے کسی نے ایک مشت داڑھی کو واجب نہیں کہا ہے۔زید کے ایک مشت داڑھی کے نفی کے دلائل درج ذیل ہیں۔

۱۔ ’’بعض علماء کہتے ہیں حضرت ابن عمر اور حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہما نے قبضے کے بعد داڑھی کاٹی ان کا یہ فعل اس بات کا بیان ہے کہ داڑھی کا بڑھانا قبضہ تک واجب ہے یہ قول درست نہیں صحابہ کرام کے افعال سے کسی چیز کا وجوب کیسے ثابت ہوگا جبکہ نبی کریم ﷺ کے بھی صرف اقوال موجب ہیں اور آپ ﷺ کے صرف انہی افعال سے وجوب ثابت ہوتا ہے جو مجمل کتاب کا بیان ہوں اور باقی افعال میں اختلاف ہے اور جمہور کا قول اور مختار یہ ہے کہ آپ ﷺ کے افعال سے وجوب ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ ہم ابھی توضیح وتلویح اور نور الانوار کے حوالے سے نقل کر چکے ہیں۔ثانیا ہم یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے قبضے کے بعد داڑھی کاٹی (بعض روایات میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے مطلقاً داڑھی کاٹنے کا ذکر ہے جن کو ہم بیان کر چکے ہیں) ان کے اس فعل سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جو داڑھی بڑھانے کا حکم دیا تھا انکے نزدیک وہ حکم وجوب کے لئے نہیں تھا اگر ان کے نزدیک یہ حکم وجوب کے لیے ہوتا اور داڑھی بڑھانا واجب! تو وہ اپنی داڑھیوں کو ہرگز نہ کاٹتے۔

۲۔ ’’بعض علماء ’’**واعفوا اللحی**‘‘ میں امر کے صیغے سے استدلال کرتے ہیں کہ امر وجوب کے لیے ہوتا ہے لہذا داڑھی بڑھانا واجب ہے یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ امر وجوب کے لیئے اسوقت ہوتا ہے جب اسکے خلاف قرینہ صارفہ نہ ہو یہاں ایک سے زائد قرائن ہیں امام اعظم اور امام ابو یوسف رحمھما اللہ تعالی نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کو داڑھی کاٹنے کا حکم دیا امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور ﷺ کے طولاً عرضاً داڑھی کاٹ کر کم کرنے کو روایت کیا اور اس حدیث سے ہمارے فقہاء (مثلاً

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

صاحب نہایہ، علامہ عینی، علامہ ابن ھمام رحمھم اللہ تعالیٰ وغیرہ) نے استدلال کیا ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ اور فقہاء تابعین کے داڑھی کاٹ کر کم کرنے کے واقعات ہیں جن کو ہم نے شروع میں بحوالہ بیان کردیا ہے۔"

۳۔ "بعض علماء نے مجھ سے کہا کہ داڑھی بڑھانے کے متعلق بکثرت احادیث ہیں اور داڑھی کاٹنے کے بارے میں اتنی کثیر احادیث نہیں ہیں۔ میں نے کہا کسی مطلوب کے اثبات کے لیے حدیث کا صحیح اور قوی سند کے ساتھ مروی ہونا کافی ہوتا ہے ورنہ شافعی کہہ سکتے ہیں کہ اثباتِ رفع یدین اور اثبات فاتحہ خلف الامام کے متعلق اسی طرح کندھوں تک ہاتھ اٹھانے اور سینے پر ہاتھ باندھنے کے متعلق جتنی کثیر روایات ہیں اتنی روایات ترک رفع یدین اور ترک فاتحہ خلف الامام، اور کاندھوں تک ہاتھ اُٹھانے اور ناف پر ہاتھ باندھنے کے متعلق نہیں ہیں"

۴۔ "بعض علماء نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "داڑھی بڑھاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو" اور مجوس کی مخالفت واجب ہے اسلیے داڑھی بڑھانا واجب ہوا اسکا جواب یہ ہے کہ قرائن صارفہ کو دیکھے بغیر اگر محض مخالفت کے حکم سے داڑھی بڑھانا واجب ہوسکتا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ داڑھی رنگو اور یہود کی مخالفت کرو تو اس حدیث سے داڑھی کا رنگنا واجب ہوگا اور جب دیگر قرائن کی بناء پر داڑھی کا رنگنا واجب نہیں ہے تو اسطرح متعدد قرائن کی بناء پر داڑھی کا بڑھانا بھی واجب نہیں ہے کیونکہ اگر داڑھی کا بڑھانا واجب ہوتا تو کاٹنا اولاً جائز نہ ہوتا حالانکہ ہم کاٹ کر کم کرنے کے جواز کو بالدلائل بیان کرچکے ہیں"۔

۵۔ "بعض علماء کہتے ہیں کہ ایک قبضہ داڑھی رکھنا اسلیے واجب ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس پر مداومت کی ہے اور نبی کریم ﷺ جس کام کو دائمی کریں وہ واجب ہوتا ہے یہ دلیل بھی صحیح نہیں ہے ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے افعال سے وجوب ثابت نہیں ہوتا علاوہ ازیں اس میں بحث ہے کہ داڑھی رکھنا سنن زوائد میں سے ہے یا سنن ھدی میں سے ہے۔ (الفتوی الاسلامیہ من دارالافتاء المصریہ ج ۹ ص ۳۰۸۲)

نبی کریم ﷺ نے اعضاء وضو میں ہمیشہ دائیں عضو کو دھونے سے ابتداء کی اس کا خلاف کہیں ثابت نہیں اس کے باوجود دائیں عضو کو پہلے دھونا مستحب ہے واجب نہیں حالانکہ بالاتفاق سنن ھدی سے ہے اسطرح مسجد میں پیر رکھنے، جوتی پہننے اور کنگھی کرنے میں آپ ﷺ نے ہمیشہ دائیں جانب سے ابتداء کی ہمیشہ بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھایا اور انکا خلاف کہیں ثابت نہیں اسکے باوجود یہ امور مستحب ہیں واجب نہیں حالانکہ یہ امور بھی سنن ھدی میں

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سے ہیں۔"

۶۔ "بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ داڑھی میں قبضے کی مقدار کو فقہاء نے واجب کہا ہے تو یہ بھی صحیح نہیں ہے ہمارے علم کے مطابق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے کسی نے قبضے کو واجب نہیں لکھا سب نے اس کو سنت لکھا ہے۔

۷۔ "زید صاحب حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اور ایک متاخر عالم شیخ عبدالحق محدث دھلوی رحمہ اللہ نے محض اپنی رائے سے یہ لکھا کہ قبضہ واجب ہے" اور فقہاء کی ان عبارات میں سنت سے مراد یہ ہے کہ قبضہ کا وجوب سنت سے ثابت ہے اور بعد کے بعض علماء نے بھی شیخ رحمۃ اللہ کی پیروی کی۔ (واضح رہے کہ شیخ نے قبضہ کو واجب لکھا لیکن وجوب پر کوئی دلیل ذکر نہیں کی) ہمارے نزدیک شیخ کی یہ تاویل صحیح نہیں ہے کیونکہ تاویل کی ضرورت اسوقت ہوتی ہے جب دلائل شرعیہ اور قواعد فقہیہ سے قبضہ کا وجوب ثابت ہوتا ہو۔ اور اسکے برخلاف فقہاء نے قبضہ کو سنت کہا ہوتا تب یہ کہنا درست ہوتا کہ یہاں سنت سے مراد یہ ہے کہ قبضہ کا وجوب سنت سے ثابت ہے جبکہ یہاں معاملہ اسکے برعکس ہے"۔

۸۔ "اس سلسلے میں ایک شبہ پیش کیا جاتا ہے کہ جن حضرات نے قبضہ بھر داڑھی کو سنت کہا ہے ان کی مراد یہ ہے کہ داڑھی میں قبضہ اگرچہ واجب ہے مگر اس کا ثبوت سنت سے ہے جیسا کہ فقہاء کرام نے عید کی نماز کو باوجود واجب ہونے کے اسی بناء پر سنت کہا ہے اس دلیل میں سخت مغالطہ آفرینی کی گئی ہے نماز عید کا معاملہ یہ ہے کہ نماز عید کے متعلق امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے دو روایتیں منقول ہیں ایک میں نماز عید کو واجب کہا ہے اور ایک میں سنت۔ بعض فقہاء مثلاً صاحب ھدایہ نے واجب کے قول کو ترجیح دی ہے اور سنت کے قول کی تاویل کی ہے کہ اس کا ثبوت سنت سے ہے۔ سو اگر داڑھی میں قبضہ کے متعلق بھی امام اعظم رضی اللہ عنہ کے دو قول ہوتے ایک "وجوب کا" دوسرا "سنت کا" تو یہ بات درست ہوتی۔

براہ کرم ان اعتراضات کے جواب لکھ کر ہماری علمی الجھن کو دفع فرمائیں۔ اور خوب خوب ثواب پائیں۔

سائل: محمد مبشر عباس عطاری

متعلم جامعۃ المدینہ درجہ سابعہ۔ گلستان جوہر کراچی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون العلام الوھاب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

الحمد للہ الذی زین الرجال باللحی والنساء بالقرون والذوائب والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین الذی کان فخمامفخمایتلالؤوجھہ تلالؤالقمر لیلۃ البدرازھراللون واسع الجبین کث اللحیۃ وعلی الہ و اصحابہ اجمعین والعاقبۃ للمتقین۔ اللھم ارنا حقائق الاشیاء کما ھی ھی

علمائے اہلسنت کے نزدیک ایک مشت داڑھی رکھنا واجب اور ایک مشت سے کم کرنا مکروہ تحریمی ہے علمائے اہلسنت میں سے سوائے زید صاحب کے کسی سے اس کا انکار مسموع بھی نہیں ہے ان شاء اللہ تبارک وتعالیٰ ہم اسلاف کرام کی معتمد علیہ کتب سے زید صاحب کا رد بھی پیش کریں گے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے دلائل بھی رقم کریں گے۔

زید نے قبضہ کے وجوب کے قائلین کے دلائل کا جائزہ لیتے ہوئے انکے دلائل کا رد بھی کیا اب ان شاء اللہ تبارک وتعالیٰ ہم انکی عبارت کو مع انکے دلائل بالترتیب من وعن نقل کر کے انکا رد بھی لکھتے جائیں گے اور یہی رد ہمارے موقف ''داڑھی میں ایک مشت قبضے کے وجوب'' کے دلائل بھی ہونگے۔

زید صاحب کا اعتراض نمبر ۱

''بعض علماء کہتے ہیں حضرت ابن عمر اور حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہما نے قبضے کے بعد داڑھی کاٹی ان کا یہ فعل اس بات کا بیان ہے کہ داڑھی کا بڑھانا قبضہ تک واجب ہے یہ قول درست نہیں صحابہ کرام کے افعال سے کسی چیز کا وجوب کیسے ثابت ہوگا جبکہ نبی کریم ﷺ کے بھی صرف اقوال موجب ہیں اور آپ ﷺ کے صرف انہی افعال سے وجوب ثابت ہوتا ہے جو مجمل کتاب کا بیان ہوں اور باقی افعال میں اختلاف ہے اور جمہور کا قول اور مختار یہ ہے کہ آپ ﷺ کے افعال سے وجوب ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ ہم ابھی توضیح وتلویح اور

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نورالانوار کے حوالے سے نقل کر چکے ہیں ثانیا ہم یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے قبضے کے بعد داڑھی کاٹی (بعض روایات میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے مطلقا داڑھی کاٹنے کا ذکر ہے جن کو ہم بیان کر چکے ہیں) ان کے اس فعل سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جو داڑھی بڑھانے کا حکم دیا تھا انکے نزدیک وہ حکم وجوب کے لئے نہیں تھا اگر ان کے نزدیک یہ حکم وجوب کے لئے ہوتا اور داڑھی بڑھانا واجب ہوتا! تو وہ اپنی داڑھیوں کو ہرگز نہ کاٹتے"۔

مذکورہ بالا عبارت میں زید صاحب نے قبضہ کی دلیل کا رد تین وجوہ سے کیا ہے جو کہ حسب ذیل ہیں

(الف) صحابہ کرام کے افعال سے کوئی وجوب ثابت نہیں ہوتا اس لیے ان کے عمل سے ایک مشت داڑھی کا وجوب ثابت نہ ہوگا

(ب) سرکار دوعالم ﷺ کے انہی افعال سے وجوب ثابت ہوتا ہے جو مجمل کتاب کا بیان ہوں اور باقی میں اختلاف ہے

(ج) حضرت ابو ہریرہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جو داڑھی بڑھانے کا حکم دیا تھا وہ حکم وجوب کے لیے ہوتا تو وہ ہرگز اپنی داڑھیوں کو نہ کاٹتے"

ان تینوں اعتراضات کا رد حسب ذیل ہے

الجواب (الف)

اہلسنت کے نزدیک صحابہ کرام علیھم الرضوان کی تقلید واجب ہے کیونکہ یہ وہ مقدس اشخاص ہیں جو نبی کریم ﷺ کی صحبت سے فیضیاب ہوئے انھوں نے جو کچھ سیکھا اور سمجھا ہے وہ نبی کریم ﷺ کے افعال اور اقوال و تقریر ہی سے سیکھا اور سمجھا ہے اور اگر یہ لوگ اپنے اجتہاد سے بھی کوئی مسئلہ اخذ کریں تو انھی کی رائے سب سے درست ہے انہیں کا اجتہاد اصوب ہے جیسا کہ صدر الشریعہ عبیداللہ بن مسعود المتوفی ۷۴۷ھ فرماتے ہیں

تقلید الصحابی یجب اجماعا فیما شاع فسکتوا مسلمین

ترجمہ: صحابی کی تقلید اجماعی طور پر واجب ہے اس معاملہ میں جو مشہور ہو گیا ہو اور وہ اسے تسلیم کرتے ہوئے خاموش ہو گئے ہوں

پھر اس قول کی وجہ بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

فرأيهم اصوب لانهم شاهدوا موارد النصوص و لتقدمهم فى الدين و ببركة صحبة النبى ﷺ و كونهم خير القرون

﴿توضیح والتلویح صفحہ ۴۴۷ نور محمد اصح المطابع﴾

ترجمہ: پس ان کی رائے صحیح ترین ہے کیونکہ انھوں نے نصوص کے وارد ہونے کے محل کو دیکھا اور ان کے اسلام میں پہل کیوجہ سے اور حضور اکرم ﷺ کی صحبت کی برکت کے سبب اور انکے بہترین زمانے والے ہونے کے سبب سے

امام فخر الاسلام علی بن محمد البزدوی الحنفی المتوفی ۴۸۲ھ فرماتے ہیں

قال ابو سعيد البردعى تقليد الصحابى واجب يترك به القياس قال و على هذا ادركنا مشايخنا

﴿اصول بزدوی مطبوعہ میر محمد کتب خانہ صفحہ ۲۳۴﴾

ترجمہ: ابوسعید فرماتے ہیں صحابی کی تقلید واجب ہے اور قیاس کو اس کے مقابلہ میں چھوڑ دیا جائے گا اور فرمایا اسی پر ہم نے اپنے مشائخ کو پایا۔

البتہ بعض علماء نے اختلاف کیا اور کہا کہ صحابہ کرام علیھم الرضوان کی انہی معاملات میں تقلید کی جائے گی جو کہ غیر قیاسی ہوں جیسا کہ صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعود امام کرخی کا قول نقل فرماتے ہیں

عند الكرخى يجب فيما لا يدرك بالقياس

ترجمہ: امام کرخی کے نزدیک ایسے معاملات جو قیاس سے نہیں جانے جاتے ان میں تقلید واجب ہے۔

بہر حال اھلسنت و جماعت خصوصا احناف کے نزدیک صحابہ کرام کی تقلید ایسے مسائل میں اجماعا واجب ہے جنہیں قیاس کے ذریعے جانا نہ جاسکے مقدار بھی انہیں معاملات میں سے ہے جسے رائے کے ذریعے معلوم نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ علامہ عبد العلی محمد بن نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا

فان التقديرات مما لا يهتدى اليه الرأى

﴿فواتح الرحموت جلد دوم صفحہ ۱۸۷﴾

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترجمہ: مقداریں ان اشیاء میں سے نہیں جنکی طرف رائے کو عمل دخل نہیں۔

داڑھی شریف کا کم یا زیادہ یا ایک مشت ہونے کا تعلق بھی مقدار سے ہے یہ بھی ایسا ہی معاملہ ہے جسے رائے سے معلوم نہیں کیا جا سکتا لہٰذا ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اگر داڑھی کو قبضہ کے بعد کاٹا تو یقیناً سرکارِ دو عالم ﷺ سے ہی سیکھا ہوگا اسی طرح وہ واقعہ بھی اسی پر دال ہے کہ جسے علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدۃ القاری میں بیان فرمایا اور خود زید صاحب نے بڑی داڑھی کی مقدار میں فقہائے احناف کا نظریہ بیان کرتے ہوئے علامہ عینی کے حوالہ سے لکھا ہے اور وہ روایت درج ذیل ہے

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے دیکھا کہ ایک شخص نے داڑھی کو چھوڑا ہوا ہے آپ نے اس کی داڑھی کو کھینچا اور کہا میرے پاس قینچی لاؤ پھر کہا کہ اس کے ہاتھ کے نیچے جو داڑھی ہے اسکو کاٹ دو پھر فرمایا! جاؤ۔ اپنے بالوں کو سنوارو یا خراب کرو تم میں سے کوئی اپنے آپ کو اسطرح چھوڑ دیتا ہے جیسے وہ درندوں میں سے ایک درندہ ہو!

اس روایت سے تو قول صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ثابت ہو گیا ہے اور وہ بھی مقدار کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم کتنا واضح ہے کہ "اس کے ہاتھ کے نیچے جو داڑھی ہو کاٹ دو" یعنی قبضہ کے بعد! اور قبضہ مقدار شرعی ہے فان التقدیرات مما لا یهتدی الیه الرأی یعنی مقداریں ان اشیاء میں سے ہیں جن کی طرف رائے کو عمل دخل نہیں۔

پس اس سے ثابت ہوا کہ قبضہ کے بعد کاٹنا نبی کریم ﷺ کا حکم ہے کیونکہ

مذہب الصحابی دلیل الدلیل

﴿فواتح الرحموت﴾

ترجمہ: صحابی کا مذہب دلیل الدلیل ہے۔

پھر مزید یہ کہ ابن عمر ابو ہریرہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہم نے یہ افعال لوگوں کے سامنے کیے مگر کسی نے انکار نہ کیا یعنی اجماع سکوتی ہوا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ دیکھنے والوں کے نزدیک (جن میں صحابہ اور تابعین کرام رضی اللہ عنہم بھی تھے) یہ کوئی قابلِ اعتراض بات نہ تھی اسکے بارے میں تو علامہ عبدالعلی نے فرمایا ہے

وذلک ان وجوب التقلید و کون مذهبه فی حکم المرفوع (لانه

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وذلك ان وجوب التقليد و كون مذهبه فی حكم المرفوع (لانه لا بد من حجة نقلية) لان الفتوى و العمل من غير حجة شرعية حرام والصحابة بريئون عنه بعدالتهم فالحجة عقلية او نقلية والاول منتف بالفرض فتعين الثانی فله حكم الرفع فمذهبه دليل الدليل ۔

ترجمہ : اور یہ کہ تقلید کا واجب ہونا اور اسکا مذہب ہونا مرفوع کے حکم میں ہے۔ کیونکہ اسکا (تقلید) حجۃ نقلیہ ہونا ضروری ہے کیونکہ فتویٰ دینا اور عمل کرنا بغیر دلیل شرعی کے حرام ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی عدالت کی بدولت اس سے بری ہیں پس حجت عقلی ہے یا پھر نقلیہ بالفرض پہلی کی نفی ہو تو دوسری متعین ہو گئی پس اسکے لئے مرفوع کا حکم ہے پس صحابی کا مذہب دلیل الدلیل ہے۔

پھر چند سطور کے بعد صحابہ کرام کی تقلید کے بارے میں مزید فرماتے ہیں

فلا يجوز لنا ترك التقليد ۔

ترجمہ: پس ہمارے لیے صحابی کی تقلید کو چھوڑنا جائز نہیں

﴿هذا كله من فواتح الرحموت جلد دوم ص ۱۸۸۔۱۸۷﴾

شاید زید صاحب نے وجوب تقلید الصحابہ میں غور نہیں کیا یا تجاہل عارفانہ برتا ہے ورنہ علماء کرام کی بات کا جواب یوں نہ دیتے کہ صحابی کے عمل سے کوئی وجوب ثابت نہیں ہو سکتا حالانکہ اس بات کو تو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں اور علماء کرام کا یہ کہنا کہ "ان کا یہ فعل اس بات کا بیان ہے کہ داڑھی کو قبضہ تک بڑھانا واجب ہے" ہرگز بھی اس بات کا متقاضی نہیں کہ صحابی کا عمل مثبت وجوب ہے بلکہ اس سے علماء کرام کی مراد یہ ہے کہ وجوب تو مصطفیٰ ﷺ کے حکم اعفوا اللحی یعنی داڑھیوں کو معاف (چھوڑے) رکھو سے ثابت ہے مگر یہ حکم مجمل ہے اور صحابی کا عمل اس اجمال کی تفسیر ہے اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا نہ صرف فتوی بلکہ اس فتوے کو نافذ کر دینا بھی اسی اجمال کی تفسیر ہے نہ کہ مثبت وجوب جیسا کہ ہم نے فواتح الرحموت کے حوالے سے لکھا ہے کہ صحابہ کا مذہب حدیث مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ بغیر حجت شرعیہ کے فتوی دینا یا عمل کرنا حرام ہے اور صحابہ کرام علیہم الرضوان اس سے بری

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

دلاتے ہیں جنہیں اصولیین نے وجوبِ تقلیدِ صحابہ کہ باب میں بیان کیا ہے۔

صدر الشریعۃ رحمہ اللہ نے وجوبِ تقلیدِ صحابہ میں انھیں دو احادیث کو پیش کیا ہے۔

عند اهل السنة و (عند ابی سعید البروعی رحمه الله يجب لقوله عليه السلام اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم واقتدوا بالّذین من بعدی) تمام الحدیث عن ابی بکر و عمر۔

﴿توضیح ص ۴۴۸ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع﴾

اسی طرح فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی رحمہ اللہ نے انھیں دو احادیث کو ذکر کرکے وجوبِ تقلیدِ صحابہ پر استدلال کیا اور اسکی وجہ بتاتے ہوئے فرمایا

ان العمل برأیهم لوجهین احدهما احتمال السماع و التوقیف و ذلک اصل فیهم مقدم علی الرأی وقد کانوا یسکتون عن الاسناد ولاحتمال فضل اصابتهم فی الرأی فکان هذا الطریق هو النهایة فی العمل بالسنة لیکون السنة بجمیع وجوهها و شبهها مقدما علی القیاس

﴿اصول بزدوی ص ۲۳۶﴾

ترجمہ: ان کی رائے پر عمل کرنے کی دو وجہیں ہیں ان دونوں میں سے ایک سننے اور واقف ہونے کا احتمال ہے اور یہ اصل ہے ان میں اور رائے پر مقدم ہے۔ اور وہ بہت زیادہ اسناد کرنے سے خاموش رہے اور ان کی رائے کی درستی کی زیادتی کیوجہ سے۔ اور یہ طریقہ سنت پر عمل کرنے میں انتہا کا درجہ رکھتا ہے تاکہ سنت اپنی وجوہ اور شبھات کی بنا پر قیاس پر مقدم ہو۔

اگرچہ کہ وجوب تقلید صحابہ کرام علیھم الرضوان پر احادیثِ کثیرہ دال ہیں مگر ہم اسی پر اکتفاء کرتے ہیں حق قبول کرنیوالوں کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

جزء (ب)

''سرکار دوعالم ﷺ کے انھیں افعال سے وجوب ثابت ہوتا ہے جو مجمل کتاب کا بیان ہوں اور باقی میں

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اختلاف ہے۔"

الجواب:

زید صاحب کی یہ بات تو درست ہے کہ ہم احناف کی اکثریت کے نزدیک سرکار دو عالم ﷺ کے افعال سے وجوب ثابت نہیں ہوتا مگر زید نے اس مقام پر اس قاعدہ کو لکھ کر غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے کیونکہ یہ اس کا محل نہیں ہے اسکا محل تو وُہ ہے کہ جب مطلقاً عمل کی بات ہو۔ جیسے سرکار ﷺ سے کسی موقع پر کوئی عمل ظاہر ہوا مگر صحابہ کرام کو اس کا حکم نہ فرمایا ہو تو احناف کہتے ہیں کہ اس عمل سے امت پر وہ کام واجب نہ ہوگا کیونکہ ہمارے نزدیک صرف وُہ عمل موجب نہیں ہے جبکہ شوافع کا اس میں اختلاف ہے۔ اس کے برعکس داڑھی شریف کے مسئلے میں معاملہ مطلقاً فعل کا نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ واعفوا اللحیٰ (داڑھیاں بڑھاؤ) کا امر ملا ہوا ہے لہذا یہاں پر معاملہ ہی مختلف ہے ان شاء اللہ اس کی تفصیل اعتراض (۵) میں آئے گی۔

جزء (ج)

"حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جو داڑھی بڑھانے کا حکم دیا تھا وُہ حکم وجوب کے لئے نہ تھا اگر وجوب کے لیے ہوتا تو وُہ ہرگز اپنی داڑھیوں کو نہ کاٹتے۔"

الجواب

زید صاحب نے وضاحت نہیں کی کہ عبداللہ ابن عمر اور حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہما کے نزدیک نبی کریم ﷺ کے اس حکم کا محل کیا تھا؟ اگر بیان کر دیتے تو وضاحت ہو جاتی بہر حال انکے اس قول سے تو صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم انکے نزدیک وجوب کے علاوہ امر کی بقیہ اقسام میں کسی ایک کے لیے ہوگا اور قرین قیاس استحباب یا ندب کے لئے ہوگا اگر ان کی یہ بات مان لی جائے تو اس حدیث کا کیا مطلب ہوگا؟ کہ جسمیں اس بات کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ عموماً اپنی داڑھی مبارک سے طول اور عرض میں کم کر دیتے تھے

ان النبی ﷺ کان یاخذ من لحیته من عرضها و طولها یعنی نبی کریم ﷺ اپنی داڑھی مبارک میں سے طول عرض سے کم فرما دیا کرتے تھے۔ (جامع ترمذی نور محمد صفحہ ۳۹۴) اسی طرح اس حدیث کا کیا مطلب ہوگا؟ کہ جس میں نبی اکرم ﷺ نے ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کو داڑھی کم کرنے کا حکم دیا اسی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

طرح اس حدیث شریف کا کیا مطلب ہوگا؟ جسمیں نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو بے تحاشہ لمبے بال ہونیکی وجہ سے اسکے اس عمل کو بدصورت قرار دیا اور اپنی داڑھی اور سر کی طرف اشارہ کرکے فرمایا اپنی داڑھی اور سر کے بالوں کو کاٹ کر کم کرو۔ پہلی حدیث کے الفاظ اس بات کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ داڑھی مبارک کو کم کرلینا آپ ﷺ کی عادتِ طیبہ تھی کیونکہ اس میں صیغہ ماضی استمراری استعمال ہوا ہے جو کہ قرینہ کے اعتبار سے عادت پر دلالت کررہا ہے۔ سرکار ﷺ کی عادت مبارکہ، حدیث ابی قحافہ رضی اللہ عنہ اور بے تحاشہ بڑھے ہوئے بالوں والے شخص کی احادیث اشارہ کررہی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے پہلے جو اعفوا اللحی داڑھی بڑھانے کا حکم دیا تھا اسے خود اپنے عمل اور قول سے منسوخ کردیا یا پھر بیان جواز کے لیے ہے۔

مگر یہ دونوں وجہیں ہمیں تسلیم نہیں۔ دوسری وجہ تو اس لیئے تسلیم نہیں کی جاسکتی کہ یہ عادت کے خلاف ہے کہ کوئی عقل مند باعمل انسان اپنے پیروکاروں کو کسی اچھائی کی ترغیب دلاکر خود ہی اسکی مخالفت کرے چہ جائیکہ سرورکائنات ﷺ کیونکہ داڑھی بڑھانے کی مخالفت داڑھی کم کرنا ہے اور یہ بات حضور ﷺ کی شان کے لائق نہیں آپ ﷺ خود کسی اچھائی کا حکم کریں پھر خود ہی اسکی مخالفت کریں لہذا داڑھی کا کم کرنا بیان جواز پر محمول نہیں کیا جاسکتا کیونکہ بیان جواز کے لیے ایک یا دو مرتبہ کا عمل کافی ہے۔ مگر یہاں معاملہ ایک دو مرتبہ کا نہیں بلکہ عادت کا ہے چنانچہ یہ بیان جواز کی دلیل نہیں بن سکتی۔ ہم اسے منسوخ بھی تسلیم نہیں کرتے کیونکہ اسے منسوخ مان لیا جائے تو داڑھی کا لمبا کرنا مکروہ تحریمی ہوگا جیسا کہ صاحب نھایہ نے اسکا قول کیا ہے اگر صاحب نھایہ کا قول داڑھی بڑھانے کے حکم کے منسوخ ہونے کے متعلق درست مان لیا جائے تو داڑھی کا ایک مشت سے زیادہ بڑھانا اصولی اعتبار سے درست نہ ہوگا جیسا کہ علامہ حافظ الدین نسفی فرماتے ہیں:

واذا عدمت صفة الوجوب للماموربه لاتبقى صفة الجواز عندنا

﴿کشف الاسرار ص ۷۹﴾

ترجمہ:- اور اگر مامور بہ کے لیئے صفت وجوب معدوم ہوجائے تو ہمارے نزدیک صفت جواز باقی نہیں رہتی۔

فقہائے احناف بھی اسے منسوخ نہیں مانتے۔ علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الھمام فرماتے ہیں

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

فاقل ما فی الباب ان لم یحمل علی النسخ کما هو اصلنا فی عمل الراوی خلاف مرویه فیقع بذلک الجمع بین الروایات۔

﴿فتح القدیر صفحہ ۲۷۰﴾

ترجمہ:۔پس اس باب میں اقل یہ ہے کہ اسے نسخ پر محمول نہیں کیا جائے گا جیسا کہ یہ راوی کا اپنی روایت کے خلاف عمل کرنے میں ہمارا قاعدہ ہے پس اس سے روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

اسی قول کی متابعت کرتے ہوئے صاحب البحر الرائق وعلامہ شلبی اور حسن بن عمار اور دیگر فقہائے کرام نے نسخ کی ممانعت کی ہے مذکورہ بالا وجوہات کی بنا پر واعفوا اللحی کے حکم کو استحباب یا ندب پر محمول نہیں کیا جاسکتا بلکہ اسے وجوب پر محمول کیا جائے گا جیسا کہ فقہائے کرام نے کیا ہے ورنہ صاحب فتح القدیر اور دیگر فقہائے کرام کا ان کی پیروی میں دونوں قسم کی احادیث میں اس انداز میں تطبیق دینا کیا معنی رکھتا ہے۔زید صاحب کا بغیر دلیل یہ کہنا کہ عبداللہ ابن عمر اور ابوھریرہ رضی اللہ عنہما کے نزدیک یہ حکم وجوب کے لیے نہ تھا، درست نہیں ہے کیونکہ صحابہ کرام علیھم الرضوان اجمعین سرکار دوعالم ﷺ کے حکم کو وجوب پر محمول فرماتے تھے جیسا کہ امام ابوبکر محمد بن سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فان الصحابة امتثلوا امر رسول اللّٰه ﷺ کما سمعوا منه صیغة الامر من غیر ان اشتغلوا بطلب دلیل آخر للعمل ولو لم یکن موجب هذه الصیغة معلوماً بها لاشتغلوا بطلب دلیل آخر للعمل ولا یقال انما عرفوا ذلک بماشاهدوا من الاحوال لا بصیغة الامر لان من کان غائبا منهم عن مجلسه اشتغل به کما بلغه صیغة الامر حسب ما اشتغل به من کان حاضرا و مشاهدة الحال لاتوجد فی حق من کان غائبا۔

﴿اصول سرخسی صفحہ ۱۶﴾

ترجمہ:بے شک صحابہ کرام جیسے ہی نبی اکرم ﷺ سے امر کا صیغہ سنتے تو دوسری کسی دلیل کی تلاش میں مشغول ہوئے بغیر ہی پیروی میں لگ جاتے۔اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

امر کا صیغہ وجوب کے لیے نہ ہوتا تو وہ ضرور کسی دوسری دلیل کی تلاش میں لگ جاتے۔ یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ صحابہ کرام تو قرائن کے مشاھدہ کی وجہ سے اس حکم کے وجوب کو سمجھتے تھے نہ کہ صیغہ امر سے کیونکہ وہ صحابہ کرام جو نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں نہ ہوتے تھے جب انھیں بھی صیغہ امر کے ذریعے سے کوئی خبر پہنچتی تو وہ اس پر اسی طرح عمل کرنے میں مشغول ہو جاتے جس طرح سے وہ لوگ کہ جو اس مجلس میں حاضر ہوتے تھے۔ حالانکہ مشاھدہ حال ان لوگوں کے حق میں نہیں پایا جاتا تھا جو کہ اس مبارک مجلس میں حاضر نہ ہوتے تھے۔

زید صاحب کو یہ مغالطہ غالباً اسلئے ہوا ہے کہ راوی نے اپنی روایت کے خلاف عمل کیا ہے۔ شاید اسی لیے انھوں نے کہہ دیا کہ داڑھی کے بڑھانے کا حکم وجوب کے لیئے نہ تھا اگر وجوب کے لیئے ہوتا تو حضرت ابن عمر اور حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہما اپنی مرویات کے خلاف عمل نہ کرتے۔ زید صاحب کو چاہیئے کہ اصول فقہ کی کتابوں سے رجوع کریں البتہ ہم اپنے مدعا کے اثبات کے لیئے اپنے مؤقف پر حوالہ پیش کر دیتے ہیں جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ واعفوا اللحی والی حدیث شریف مجمل ہے اور حدیث مجمل حجت نہیں بنتی جب تک کہ اس کا بیان نہ ہو جیسا کہ علامہ عبد العلی محمد بن نظام الدین انصاری رحمہ اللہ نے لکھا

" الخبر ليس حجة فى نفسه لاجماله وانما يحتمل الحجية بالبيان والراوى قد بين فيقبل "۔

ترجمہ: خبر اپنی ذات میں اپنے اجمال کی وجہ سے حجت نہیں۔ بلکہ خبر بیان کے ساتھ حجت بننے کا احتمال رکھتی ہے۔ اور تحقیق راوی نے اسے بیان کر دیا پس اسے قبول کر لیا جائے گا۔

چند سطور بعد اس اصول کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں

" (والحنفية والحنابلة) يعملون (على ماحمل) ذلك الصحابى الراوى (لان ترك الظاهر بلا موجب حرام واذ هو عادل لا سيما اذا كان ممن اسلم قبل الفتح و دخل البيعة (فلا يتركه الا بدليل قطعا) و هذا الدليل اما السمع او القرينة المعاينة وكلاهما موجبان ان المعمول عليه مراد الله و رسوله فيجب اتباعه "۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترجمہ : حنفی اور حنبلی اسی پر محمول کرتے ہیں کہ جس پر روایت کرنے والے صحابی نے محمول کیا ہو(کیونکہ ظاہر کو بلا موجب کے ترک کرنا حرام ہے)اور صحابی تو عادل ہے۔خاص طور پر جب وہ ان میں سے ہو جس نے فتح سے قبل اسلام قبول کیا اور بیعت میں شامل ہوئے (پس وہ صحابی اسے دلیل قطعی کے بغیر نہیں چھوڑے گا) اور یہ دلیل یا تو سمع سے ہے یا قرینہ معاینہ سے ہے اور یہ دونوں ثابت کرنے والی دلیلیں ہیں کہ بے شک جس پر عمل کیا جارہا ہے وہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی مراد ہیں پس اس کی اتباع واجب ہے۔

ہم نے اعتراض (۱) کے جز الف میں اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ ایک مشت مقدار شرعی ہے جسے رائے کے ذریعے معلوم نہیں کیا جاسکتا لہٰذا ثابت ہوا کہ ابن عمر اور حضرت ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہما کا ایک مشت کے بعد داڑھی کاٹنا یا تو سرکار دوعالم ﷺ سے سُن کر ہوگا یا پھر دیکھ کر ہوگا پس انکی اتباع کرنا واجب ہے۔

اعتراض (۲)

’’ بعض علماء ’’واعفوا اللحی‘‘ میں امر کے صیغے سے استدلال کرتے ہیں کہ امر وجوب کے لیئے ہوتا ہے لہٰذا داڑھی بڑھانا واجب ہے یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ امر وجوب کے لیئے اسوقت ہوتا ہے جب اسکے خلاف قرینہ صارفہ نہ ہو یہاں ایک سے زائد قرائن ہیں امام اعظم اور امام ابو یوسف رحمھما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کو داڑھی کاٹنے کا حکم دیا امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور ﷺ کے طولاً عرضاً داڑھی کاٹ کر کم کرنے کو روایت کیا اور اس حدیث سے ہمارے فقہاء (مثلاً صاحب نہایہ، علامہ عینی، علامہ ابن ھمام رحمھم اللہ تعالیٰ وغیرہ) نے استدلال کیا ہے اور حضرت ابن عمر، حضرت ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہما اور فقہاء تابعین کے داڑھی کاٹ کر کم کرنے کے واقعات ہیں جنکو ہم نے شروع میں بحوالہ بیان کر دیا ہے۔‘‘

الجواب

مذکورہ عبارت میں زید صاحب نے نبی اکرم ﷺ کے قول و فعل (داڑھی کاٹنا اور داڑھی کاٹنے کے حکم دینے) اور ابن عمر اور ابو ھریرہ رضی اللہ عنہما کے عمل کو قرینہ صارفہ قرار دیتے ہوئے استدلال کیا ہے کہ امر وجوب کے لیے نہ تھا۔ جہاں تک عبداللہ ابن عمر اور حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہما کے عمل کو داڑھی بڑھانے کے حکم کو وجوب سے پھیرنے کے لیئے قرینہ صارفہ بنانے کا تعلق ہے اس کا جواب تو ہم پہلے دے چکے ہیں کہ یہ حکم مجمل تھا اور انکے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

فعل سے اس اجمال کی تفسیر ہوئی ہے نہ کہ تنسیخ اور نبی اکرم ﷺ کے قول اور عمل کے بارے میں بھی ہمارا یہی جواب ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے قول و فعل کے ذریعے اس اجمال کی تفسیر بیان کی ہے اصول فقہ کے اعتبار سے یہ جواب بالکل درست ہے کیونکہ مجمل سے مراد وہ لفظ ہے کہ جس سے نفسِ معانی میں اشتباہ پیدا ہو جائے اور اسکی وضاحت کے لیئے بیان کی ضرورت پیش آئے جیسا کہ حافظ الدین نسفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

واما المجمل فما اذدحمت فيه المعانى اشتبه المراد به اشتباها لا يدرك بنفس العبارة بل بالرجوع الى الاستفسار "۔

﴿کشف الاسرار جلدا ص ۱۵۰ مطبوعہ الصدف پبلشرز کراچی﴾

ترجمہ : اور مجمل وہ ہے جس میں معانی جمع ہو جائیں اور جس سے مراد ایسی مشتبہ ہو جائے کہ نفس عبارت سے اسے نہ جانا جا سکے بلکہ استفسار سے رجوع کر کے جانا جائے۔

نبی اکرم ﷺ کے فعل اور قول سے قرآن مجید کے اجمال کی تفسیر بیان کی جاتی ہے یہ ہم بھی مانتے ہیں اور زید صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں مگر زید صاحب نبی کریم ﷺ کی فعلی تفسیر کو صرف کتاب اللہ کے ساتھ خاص مانتے ہیں مگر زید صاحب کا یہ مؤقف درست نہیں ہے کیونکہ تمام فقہائے احناف کے نزدیک جس طرح نبی کریم ﷺ کے اقوال اور افعال قرآن کے اجمال کی تفسیر ہیں اسی طرح سنت کے اجمال کی بھی تفسیر ہیں۔

جیسا کہ امام بزدوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

ثم يلحق البيان بالسنة

﴿اصول بزدوی ص ۲۵۹﴾

ترجمہ: پھر سنت کے ساتھ بیان کو ملحق کیا جاتا ہے۔

جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے فرمایا "صلوا کما رأیتمونی اصلی" یعنی جس طرح تم مجھے نماز پڑھتا دیکھتے ہو اسطرح نماز پڑھو۔ اور ایسے ہی فرمایا" خذوا عنى مناسككم " یعنی تم مجھ سے اپنے مناسک سیکھ لو۔ شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ ان دو احادیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں

ففى هذا تنصيص على ان فعله مبين لهم و لان البيان عبارة عن اظهار المراد فربما يكون ذلك بالفعل ابلغ منه

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بالقول الا ترى انه امر اصحابه بالحلق عام الحديبية فلم يفعلوا ثم رأوه حلق بنفسه حلقوا فی الحال فعرفنا ان اظهار المراد یحصل بالفعل کما یحصل بالقول

﴿اصول سرخسی ص ۲۷ ج دوم﴾

ترجمہ : پس اس میں اس بات پر تصیص ہے کہ سرکار ﷺ کا فعل بھی مبین یعنی بیان کرنے والا ہے۔ کیونکہ بیان مراد کو ظاھر کرنے سے عبارت ہے۔ پس کبھی تو یہ فعل سے ہوتا ہے اور کبھی قول سے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ آپ ﷺ نے حدیبیہ کے سال صحابہ کو حلق کا حکم فرمایا تو انھوں نے حلق نہیں کیا پھر جب انھوں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے بنفسِ نفیس حلق فرمایا تو انھوں نے اسی وقت حلق کیا۔ پس ہم نے جانا کہ جس طرح قول سے مراد ظاہر ہوتی ہے اسی طرح فعل سے بھی مراد کا اظہار ہوتا ہے۔

اسی طرح امام ابن ھمام رحمہ اللہ نے امام ابوداؤد سے مروی حدیث شریف " مفتاح الصلوۃ الطھور و تحریمھا التکبیر و تحلیلھا التسلیم " یعنی نماز کی کنجی طہارت ہے اور اسکی تحریم تکبیر ہے اور اسکی تحلیل سلام ہے کو مجمل فرمایا اور سرکار ﷺ کے فعل کو بیان قرار دیا آپ فرماتے ہیں

" ھل الصلوۃ ھذہ فقط او معھا امور أخری وقع البیان فی ذلک کلہ بفعلہ۔ "

﴿فتح القدیر ج ۱ ص ۲۳۹﴾

ترجمہ : کیا نماز صرف یہی ہے یا اور امور بھی اس میں شامل ہیں اس تمام کا بیان سرکار ﷺ کے فعل سے ہوا۔

ایسے ہی داڑھی شریف کا معاملہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے داڑھی بڑھانے کا حکم دیا مگر داڑھی کے بڑھانے میں اجمال پایا جاتا ہے آیا کہ ایک مشت بڑھائی جائے، دو مشت بڑھائی جائے یا اس سے زیادہ۔ تو سرکارِ دو جہاں ﷺ نے اپنے قول و فعل کے ذریعے اس کو بیان فرما دیا کہ داڑھی کا بڑھانا اس حد تک ہے کہ وہ سینے کے بالائی حصے کو بھر دے اور اسکی مقدار کا اندازہ حضرتِ عبداللہ ابن عمر اور ابوھریرہ رضی اللہ عنہما کے فعل اور حضرت عمر فاروق

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

رضی اللہ عنہ کے قول و عمل سے ہوتا ہے۔ ہم نے اپنے مدعا کو فقہ حنفی کی معتبر کتب سے ثابت کر دیا ہے اب زید صاحب کی مرضی ہے کہ اسے نسخ پر محمول کریں یا بیان جواز پر۔ ہاں البتہ اتنا ضرور مشورہ دیں گے کہ زید صاحب کو چاہیے کہ کچھ اصول فقہ کی کتب کی طرف بھی توجہ مبذول فرمائیں۔

اعتراض (۳)

"بعض علماء نے مجھ سے کہا کہ داڑھی بڑھانے کے متعلق بکثرت احادیث ہیں اور داڑھی کاٹنے کے بارے میں اتنی کثیر احادیث نہیں ہیں۔ میں نے کہا کسی مطلوب کے اثبات کے لیئے حدیث کا صحیح اور قوی سند کے ساتھ مروی ہونا کافی ہوتا ہے ورنہ شافعی کہہ سکتے ہیں کہ اثباتِ رفع یدین اور اثبات فاتحہ خلف الامام کے متعلق اسی طرح کندھوں تک ہاتھ اٹھانے اور سینے پر ہاتھ باندھنے کے متعلق جتنی کثیر روایات ہیں اتنی روایات ترک رفع یدین اور ترک فاتحہ خلف الامام کاندھوں تک ہاتھ اُٹھانے اور ناف پر ہاتھ باندھنے کے متعلق نہیں ہیں"۔

الجواب

زید صاحب نے یا تو علماء کرام کی بات کا مطلب ہی نہیں سمجھا یا پھر اصل جواب سے پہلو تہی کرتے ہوئے خود ایک سوال وارد کر دیا حالانکہ علماء کرام کی اس سے مراد یہ ہے کہ چونکہ داڑھی بڑھانے سے متعلق احادیث تغیر لفظی کے ساتھ کثرت روایات کے سبب حد تواتر کو پہنچ چکی ہیں لھذا وہ معناً حدیث متواتر ہے۔ چنانچہ بیس (۲۰) کتب مشہورہ نے کچھ تغیر لفظی کے ساتھ مختلف اسانید سے اسی حدیث کو روایت کیا ہے۔ ان کے نام درج ذیل ہیں۔

1	مسلم شریف	2	موطاء امام مالک	3	مسند امام اعظم	4	مسند امام احمد ابن حنبل
5	بخاری شریف	6	ابوداؤد شریف	7	ترمذی شریف	8	نسائی شریف
9	ابن ماجہ	10	طحاوی شریف	11	ابن عدی کامل	12	طبرانی اوسط

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

13	بیہقی فی شعب الایمان	14	ضیاء صحیحہ	15	ابو نعیم فی الحلیہ	16	طبرانی اوسط
17	خطیب بغدادی	18	ابن سعد	19	الجامع الرضوی	20	جامع صغیر
21	مصنف ابن ابی شیبہ	22	کنز العمال	23	مجمع الزوائد		

ان کتب کے اخراج نے اس حدیث کو متواتر معنوی بنا دیا چنانچہ تدریب الراوی صفحہ نمبر ۳۷۳ پر ہے

"کون التواتر وجود کثیرۃ فی الاحادیث ان الکتب المشھورۃ المتداولۃ بایدی اھل العلم شرقا غربا اذا اجتمعت الی اخراج حدیث و تعددت طرقہ تعددا تحیل عادۃ تواطئھم علی الکذب "

﴿تدریب الراوی صفحہ نمبر ۳۷۳﴾

ترجمہ : تواتر سے مراد اس کا وجود کثیر احادیث میں پایا جائے وہ اسطرح سے کہ کتب مشہورہ جو کہ اہل علم کے درمیان شرقاً و غرباً متداول ہیں اس حدیث کی تخریج پر متفق ہوں اور ان کا جھوٹ پر جمع ہونا عادۃً محال ہو۔

اور اسکے برعکس داڑھی کاٹنے کے متعلق احادیث اس درجے کو نہیں پہنچیں لہٰذا وہ خبر واحد ہوئیں اور ان میں تعارض پایا جائے تو حتی الامکان تطبیق دینے کی کوشش کی جائے گی ورنہ خبر واحد کو ترک کر دیا جائیگا۔ چونکہ داڑھی سے متعلق وارد شدہ خبر متواتر اور خبر واحد میں مطابقت ممکن ہے وہ یوں کہ حدیث متواتر کو مجمل اور خبر واحد کو اس کا بیان مانا جائے اس طریقے سے دونوں میں مطابقت پیدا ہو جائے گی اور تعارض دور ہو جائے گا اور داڑھی کا وجوب ثابت ہو جائے گا۔ اس کے برعکس اگر زید صاحب کے موقف کو درست تسلیم کیا جائے تو خبر واحد سے خبر متواتر کا نسخ لازم آئے گا جو اصولیین کے نزدیک جائز نہیں ہے جہاں تک ان کے الزامی جواب کا تعلق ہے تو اسکے بارے میں اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ زید صاحب اپنی اسی کتاب کو بھول چکے ہوں تو پھر سے مطالعہ کر لیں۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

عوام اہلسنت کو اس کے جواب سے آگاہ کرنے کے لیئے مجدد دین وملت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ فقیہہ اعظم مولانا ابو یوسف محمد شریف محدث کوٹلوی رحمۃ اللہ علیہ کی " **فقہ الفقیہ** " سے مختصراً عرض کر دیتے ہیں فقیہہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے متعلق احادیث شریف لکھ کر اس کی پوری پوری تحقیق کی اور آخر میں ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے والی حدیثوں کا جائزہ لے کر فرمایا۔

" تو ثابت ہوا کہ سینے پر ہاتھ باندھنے کی کوئی بھی حدیث صحیح نہیں ہے" لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ اس حدیث کے کثرت طرق فائدہ نہیں دینگے۔

﴿فقہ الفقیہہ﴾

اسی طرح کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کے متعلق بحث کرنے کے بعد فرمایا

" اس سے معلوم ہوا کہ جن روایتوں میں مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانا آیا ہے وہ عذر سردی سے تھا یا یہ کہ مونڈھوں کے برابر ہاتھ ہوں اور دونوں انگوٹھے کانوں کے برابر ہوں۔" یہاں پر مطابقت پائی گئی ہے

﴿فقہ الفقیہہ﴾

لہٰذا تعدد طرق ہمارے لیئے نقصان دہ نہیں ہے

اور قرأت خلف الامام کا جواب دیتے ہوئے قرآن مجید کی آیت طیبہ "اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون " سے استدلال کرنے کے بعد فرمایا کہ

"معلوم ہوا کہ مقتدی فاتحہ خلف الامام نہ پڑھے یہی صحیح ہے۔ قرأت خلف الامام کے متعلق وارد ہونے والی احادیث کو تعدد طرق کے باوجود چھوڑ دیا جائیگا۔ کیونکہ کتاب اللہ کے اطلاق کے خلاف ہے۔"

﴿فقہ الفقیہہ ص ۱۲۸، ۱۲۹﴾

اسی طرح رفع یدین کا تحقیقی رد کرنے بعد فرمایا کہ

"امام طحاوی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح روایت کرتے ہیں کہ بجز تکبیر تحریمہ کے وہ رفع یدین نہیں کرتے تھے اسی طرح عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

الحاصل خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم سے بھی رفع یدین بسند صحیح ثابت نہیں اگر یہ فعل سنت ہوتا تو خلفائے اربعہ کا اس پر ضرور عمل ہوتا معلوم ہوا کہ سنت نہیں یہاں پر تعدد طرق ہمارے لئیے نقصان دہ نہیں کیونکہ یہ منسوخ ہے۔" (فقہ الفقیہہ ص ۱۲۷)

الحمدللہ ہم نے زید صاحب کے التزامی سوال کا جواب مجدد دین وملت امام اھلسنت اعلیحضرت احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمان (خذل اللہ عدوہ و ھدی حاسدہ) کے مقدس خلیفہ فقیہہ اعظم مولانا ابو یوسف کوٹلوی رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کر دیا مگر ہماری طرف سے پیش کردہ دلیل کاردان کے ذمہ قرض رہے گا۔

اعتراض نمبر (۴)

"بعض علماء نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "داڑھی بڑھاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو" اور مجوس کی مخالفت واجب ہے اسلئے داڑھی بڑھانا واجب ہوا اسکا جواب یہ ہے کہ قرائنِ صارفہ کو دیکھے بغیر اگر محض مخالفت کے حکم سے داڑھی بڑھانا واجب ہوسکتا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ داڑھی رنگو اور یہود کی مخالفت کرو تو اس حدیث سے داڑھی کا رنگنا واجب ہوگا اور جب دیگر قرائن کی بناء پر داڑھی کا رنگنا واجب نہیں ہے تو اسی طرح متعدد قرائن کی بناء پر داڑھی کا بڑھانا بھی واجب نہیں ہے کیونکہ اگر داڑھی کا بڑھانا واجب ہوتا تو کاٹنا اولاً جائز نہ ہوتا حالانکہ ہم کاٹ کر کم کرنے کے جواز کو بالدلائل بیان کر چکے ہیں"۔

الجواب

مذکورہ بالا عبارت میں زید صاحب نے داڑھی کو کاٹ کر کم کرنے کو داڑھی کے ایک مشت وجوب کے رد کے لیے قرینہ صارفہ قرار دیا ہے ہم اسکا جواب اعتراض نمبر ا کے جز والف اور ج (جیم) اور اسی طرح اعتراض نمبر ۲ کے جواب میں تفصیلی طور پر لکھ چکے ہیں یہاں اسکے مزید اعادہ کی ضرورت نہیں مگر ایک مسلمان کیساتھ خیر خواہی کی نیت کیساتھ پھر سے انتہائی آسان انداز میں لکھ دیتے ہیں تا کہ سمجھنے میں آسانی ہو شاید کے تیرے دل میں اتر جائے میری بات!

ہمارے نزدیک داڑھی بڑھانے کا حکم وجوب کیلئے ہے اس میں داڑھی کی لمبائی کے متعلق اجمال پایا جاتا ہے۔ آیا کہ داڑھی کی مقدار ایک مشت ہوگی، دو مشت یا اس سے زیادہ۔ اور صحابہ کرام کا داڑھی کاٹنا اس اجمال کا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بیان ہے یعنی انھوں نے اپنے قول اور فعل سے بتادیا کہ داڑھی ایک مشت واجب ہے اسکی مثال ایسے ہی ہے کہ جسطرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں " وامسحوا برؤسکم " کے ذریعے سر کا مسح کرنے کا حکم دیا مگر یہ حکم اجمالی ہے اس میں اجمال پایا جاتا ہے کہ نہ جانے چوتھائی سر کے مسح کا حکم دیا ہے، نصف کا یا تہائی کا یا کہ پورے سر کا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس اجمال کو اپنے فعلی بیان کے ذریعے رفع کر کے بتادیا کہ چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے اب اگر کوئی نا سمجھ، اصول سے ناواقف شخص یہ کہے کہ قرآن مجید کا یہ حکم وجوب کے لیئے نہ تھا کیونکہ اگر وہ وجوب کے لیئے ہوتا تو نبی اکرم ﷺ اپنے چوتھائی سر کا مسح کرنے کی بجائے پورے سَر مبارک کا مسح فرماتے لہٰذا ثابت ہوا کہ قرآن میں مسح کرنے کا حکم وجوب کے لیئے نہیں ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا عمل قرینہ صارفہ ہے تو اس نا سمجھ کو یہی کہا جائے گا کہ قرآن پاک کے حکم میں اجمال تھا تو نبی اکرم ﷺ نے اپنے عمل سے اس کا بیان فرمادیا۔ جبکہ داڑھی کے رنگنے کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ کیونکہ داڑھی رنگنے کے سلسلے میں تعارض پایا جاتا ہے۔ بعض آثار سے ثابت ہوتا کہ صحابہ کرام نے داڑھیاں نہیں رنگیں اور بعض میں داڑھی رنگنے کا بیان ہے لہٰذا داڑھی رنگنے کے معاملہ میں قرینہ صارفہ پایا جاتا ہے داڑھی رنگنے کا حکم وجوب کے لئے نہ تھا جیسا کہ ملّا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں

" خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بعض اوقات اپنے سفید بالوں پر خضاب لگایا اور اکثر اوقات خضاب نہیں لگایا لہٰذا دو شخصوں نے اپنے مشاہدہ کے مطابق روایت کی اور ہر ایک اپنے قول میں صادق ہے

﴿مرقات ج ۸ ص ۳۰۵﴾

الحمدللہ ایک مشت داڑھی رکھنے کا وجوب روز روشن کیطرح ظاھر ہوگیا ہے اب خرد و عقل سے عاری شخص ہی اسکو داڑھی رنگنے کے معاملہ پر قیاس کر کے اسکے وجوب کا انکار کرے گا۔

اعتراض (۵)

بعض علماء کہتے ہیں کہ ایک قبضہ داڑھی رکھنا اسلیئے واجب ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس پر مداومت کی ہے اور نبی کریم ﷺ جس کام کو دائمی کریں وہ واجب ہوتا ہے یہ دلیل بھی صحیح نہیں ہے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے افعال سے وجوب ثابت نہیں ہوتا علاوہ ازیں اس میں بحث ہے کہ داڑھی رکھنا سنن زوائد میں سے ہے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یا سنن ھدی میں سے ہے۔ (الفتاوی الاسلامیہ من دار الافتاء المصریہ ج۹ص ۳۰۸۲)

نبی کریم ﷺ نے اعضاء وضو میں ہمیشہ دائیں عضو کو دھونے سے ابتداء کی اس کا خلاف کہیں ثابت نہیں اس کے باوجود دائیں عضو کو پہلے دھونا مستحب ہے واجب نہیں حالانکہ بالاتفاق سنن ھدی سے ہے اسطرح مسجد میں پیر رکھنے، جوتی پہننے اور کنگھی کرنے میں آپ نے ہمیشہ دائیں جانب سے ابتداء کی ہمیشہ بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھایا اور ان کا خلاف کہیں ثابت نہیں اسکے باوجود یہ امور مستحب ہیں واجب نہیں حالانکہ یہ امور بھی سنن ھدی میں سے ہیں۔

الجواب

زید صاحب نے مذکورہ عبارت میں داڑھی کے وجوب کے رد میں دو دلیلیں پیش کی ہیں

(الف) نبی کریم ﷺ کے افعال سے وجوب ثابت نہیں ہوتا خواہ وہ دائمی ہوں یا غیر دائمی پھر اس پر دلیل پیش کرتے ہوئے لکھا کہ نبی کریم ﷺ نے اعضاء وضو کو دھونے میں ہمیشہ دائیں ہاتھ سے ابتداء کی اسطرح مسجد میں پیر رکھنے، جوتی پہننے اور کنگھی کرنے میں بھی۔ اور آپ ﷺ نے ہمیشہ بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھایا اور انکا خلاف کہیں ثابت نہیں اسکے باوجود یہ امور مستحب ہیں واجب نہیں۔

(ب) زید نے داڑھی کے معاملے میں تشکیک پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ داڑھی سننِ زوائد میں سے ہے یا سننِ ھدیٰ میں سے تاکہ اسکی اہمیت کم ہو جائے اور وجوب ثابت نہ کیا جا سکے۔

الجواب (الف)

نبی اکرم ﷺ کے عمل سے وجوب ثابت ہوتا ہے یا نہیں اسکا جواب ہم اعتراض نمبر ا کے جزو "ب" میں دے چکے ہیں اختصار کیساتھ یاددہانی کیلئے اعادہ کر دیتے ہیں۔ یہ ہمیں تسلیم ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کے مطلق افعال سے وجوب ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ ملّا جیون رحمہ اللہ نے فرمایا

ولا یثبت الوجوب الامن الامر دون الفعل

﴿نور الانوار ص ۲۹ مکتبہ امدادیہ﴾

ترجمہ : " وجوب ثابت نہیں ہوتا مگر امر سے بجائے فعل کے۔"

لیکن داڑھی بڑھانے کا معاملہ صرف نبی اکرم ﷺ کے فعل تک محدود نہیں بلکہ اسکے ساتھ " واعفوا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

الــلـحــى " (یعنی داڑھی کو معاف رکھو) کا امر بھی مقترن ہے اور اسے تو آپ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ امر وجوب کے لیئے ہوتا ہے۔لہٰذا لمبی داڑھی رکھنا واجب ہے اور اس داڑھی کی لمبائی کی مقدار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قول و فعل سے ایک مشت ثابت ہے اس لیئے ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے کیونکہ اصولیین متفقہ طور پر اس بات کی صراحت کر چکے ہیں کہ ایسے معاملات جنہیں عقل کے ذریعے جانا نہ جاسکے ان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تقلید واجب ہے۔

علماء کرام کا فرمانا کہ نبی کریم ﷺ کے دائمی فعل سے بھی وجوب ثابت ہوتا ہے اصولی اعتبار سے بالکل درست ہے۔فقہ اور اصول فقہ کی کتابیں بھی اس بات کی تائید کرتی ہیں اگر زید صاحب کے نزدیک ملا جیون رحمہ اللہ کی اصول فقہ میں کوئی علمی حیثیت ہے تو ہم انہی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کسی فعل پر بغیر ترک کے مداومت فرمائیں تو اس سے وجوب ثابت ہو جاتا ہے۔جیسا کہ ملا جیون رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں

" لا یکون فعل النبی ﷺ موجبا علی الامۃ من غیر مواظبتہ ﷺ"۔

﴿نور الانوار ص۳۰ مکتبہ امدادیہ﴾

ترجمہ : نبی کریم ﷺ کا وہ فعل کہ جس میں آپ ﷺ نے مواظبت نہ اختیار فرمائی ہو امت پر وجوب کو ثابت نہیں کرتا۔"

ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ کی اس بات کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر نبی کریم ﷺ کسی فعل پر مواظبت فرمائیں تو وجوب کو ثابت کرتا ہے۔اسی لیے مولانا علامہ عبدالحلیم نے نور الانوار کے حاشیہ قمر الاقمار میں ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول پر رد کرتے ہوئے لکھا۔

" ان الفعل مع مواظبتہ لیس بموجب ایضا "۔

ترجمہ : بے شک فعل آپ ﷺ کی مواظبت کے باوجود بھی واجب کرنے والا نہیں۔

اور اعتکاف کی سنت مؤکدہ سے استدلال کرتے ہوئے لکھا کہ نبی کریم ﷺ نے اس پر ہمیشہ مواظبت فرمائی لیکن وہ پھر بھی واجب نہیں ہے ملا جیون رحمہ اللہ کی طرف سے یہ فقیر جواب دیتا ہے۔اگر چہ نبی کریم ﷺ نے اعتکاف پر مواظبت فرمائی مگر اس کا ترک بھی حدیث صحیحہ سے ثابت ہے جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کرتے ہیں

"عن عائشة رضى الله عنها قالت كان رسول الله ﷺ يعتكف فى كل رمضان فاذا صلى الغداة حل مكانه الذى اعتكف فيه قال فاستاذنته عائشة ان تعتكف فاذن لها فضربت فيه قبة فسمعت بها حفصة فضربت قبة و سمعت زينب بها فضربت قبة اخرى فلما انصرف رسول الله ﷺ من الغداة ابصر اربع قباب فقال ماهذا؟ فاخبر خبرهن فقال ما حملهن على هذا البر انتزعوها فلا اراها فنزعت فلم يعتكف فى رمضان حتى اعتكف فى آخر العشر من شوال۔

﴿صحیح البخاری ص ۲۷۳،۲۷۴ قدیمی کتب خانہ﴾

ترجمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں سرکار دوعالم ﷺ ہر رمضان میں اعتکاف فرماتے جب (چاشت) کی نماز ادا فرمالیتے تو جس مکان میں اعتکاف فرمایا تھا اس کو چھوڑ دیتے۔ فرمایا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رحمت دوعالم ﷺ سے اجازت اعتکاف چاہی تو آپ ﷺ نے انھیں اجازت مرحمت فرمادی پس آپ رضی اللہ عنہا نے مسجد میں ایک خیمہ نصب کیا جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اس بارے میں سنا تو آپ رضی اللہ عنہا نے بھی ایک خیمہ نصب کردیا جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اس بارے میں سنا تو ایک دوسرا خیمہ آپ رضی اللہ عنہا نے بھی نصب کردیا جب نبی کریم ﷺ چاشت ادا فرما کر لوٹے تو چار قبے دیکھے تو فرمایا یہ کیا؟ پس آپ ﷺ کو امہات المؤمنین کے متعلق خبر دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اس نیکی پر انھیں کس چیز نے ابھارا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا انہیں (خیموں کو) ہٹادو میں انہیں نہ دیکھوں پس انہیں ہٹا دیا گیا تو آپ ﷺ نے رمضان میں اعتکاف نہ فرمایا یہاں تک کے شوال کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرمایا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

﴿صحیح البخاری ص۲۷۳،۲۷۴، قدیمی کتب خانہ﴾

مذکورہ حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ نبی کریم ﷺ نے اعتکاف کرنا ترک بھی فرمایا اگر یہ واجب ہوتا تو آپ ﷺ اسے ہرگز ترک نہ فرماتے۔ امام ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ قول نقل فرمایا کہ سرکار دو عالم ﷺ کی کسی فعل پر مواظبت عدم ترک کے ساتھ وجوب کی دلیل ہے۔

"المواظبة من غير ترك مرة دليل الوجوب".

﴿فتح القدیر الجلد الاول ص۲۳۹ مکتبہ رشیدیہ﴾

ترجمہ: مواظبت بغیر ترک کے دلیل وجوب ہے۔

اسی طرح مولانا جلال الدین خوارزمی رحمہ اللہ نے سورۃ فاتحہ کے وجوب پر نبی کریم ﷺ کی مواظبت مع عدم ترک کو دلیل بنایا اور فرمایا

انما جعلنا الفاتحة واجبة لمواظبة النبي ﷺ من غير ترك.

﴿کفایہ علی الہدایہ مع فتح القدیر ج۱ ص۱۹ مکتبہ رشیدیہ﴾

ترجمہ: ہم نے فاتحہ کو نبی کریم ﷺ کی مواظبت مع عدم ترک کی وجہ سے واجب کیا۔

اسی طرح امام اکمل الدین محمد بن محمود البابرتی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سورۃ فاتحہ کے وجوب پر نبی کریم ﷺ کی مداومت مع عدم ترک کو دلیل بنایا اور آپ نے فرمایا

"بان النبي ﷺ واظب على الفاتحة في الصلوة من غير ترك."

﴿العنایۃ علی الہدایہ مع فتح القدیر ج۱ ص۱۹ مکتبہ رشیدیہ﴾

ترجمہ: بے شک نبی کریم ﷺ نے نماز میں فاتحہ پر مواظبت فرمائی بغیر ترک کے۔

اور علامہ سعد الدین چلپی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو برقرار رکھا اور فرمایا

" اقول هذا جواب ثان "

﴿الحاشیۃ علی العنایہ مع فتح القدیر ج۱ ص۱۹ مکتبہ رشیدیہ﴾

ترجمہ: میں کہتا ہوں یہ دوسرا جواب ہے۔

علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ نے "البحر الرائق" میں لفظ "سلام" کے وجوب پر سرکار ﷺ کے مداومت فعل

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کو دلیل بنایا ہے

(لفظ السلام) للمواظبة عليه

﴿البحر الرائق جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۳۰۱﴾

ترجمہ: لفظ سلام مواظبت کی وجہ سے واجب ہے۔

اسی طرح علامہ حسن بن عمار شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرض کی پہلی دو رکعتوں میں تعین قراءت کو سورۃ فاتحہ کا سورۃ پر مقدم کرنے کو اور جلسہ اخیرہ میں تشہد پڑھنے کو اور لفظ سلام کو سرکار ﷺ کی مداومت کی وجہ سے واجب قرار دیا ہے۔

علامہ حسن بن عمار شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

يجب (تعين القراة) الواجبة (فى الاولين) من الفرض لمواظبة النبى ﷺ على القرائة فيهما

﴿مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی ص ۲۰۱﴾

ترجمہ: فرض کی پہلی دو رکعتوں میں قراءۃ کا واجب ہونا نبی کریم ﷺ کی ان دو رکعتوں میں قراءۃ پر مواظبت کی وجہ سے ہے۔

آپ مزید فرماتے ہیں

يجب (تقديم الفاتحة على) قرأة (السورة) للمواظبة.

﴿مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحاوی ص ۲۰۱﴾

ترجمہ: اور سورہ فاتحہ کی تقدیم سورت کی قراءت پر مواظبت کی وجہ سے واجب ہے۔

اور فرماتے ہیں

يجب (قرائته) اى التشهد (فى الجلوس الاخير) ايضاً للمواظبة

﴿ص ۲۰۳﴾

ترجمہ: اور مداومت کی وجہ سے جلسہ اخیرہ میں تشہد پڑھنا واجب ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

آپ فرماتے ہیں

یجب لفظ السلام مرّتین فی الیمنی والیسریٰ للمواظبة۔

﴿نور محمد اصح المطالع مراقی ص ۲۰۳﴾

ترجمہ: دائیں اور بائیں جانب لفظ سلام کہنا سرکار علیہ السلام کی مواظبت کی وجہ سے واجب ہے۔

علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ قعدہ اولیٰ کے وجوب پر سرکار دو عالم ﷺ کی مواظبت کو دلیل بناتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لان النبی ﷺ واظب علیه فی جمیع العمر وذا یدل علی الوجوب۔

﴿البحر الرائق ص ۳۰۰ ج ا مکتبہ رشیدیہ﴾

ترجمہ: کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس پر اپنی تمام عمر مداومت فرمائی تو یہ وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

علامہ شلبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی قرأت جہری اور سری کے وجوب پر سرکار دو عالم ﷺ کی مواظبت کو ہی دلیل بنایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

(الجهر والاسراء الی اخره) لمواظبة النبی ﷺ علیها۔

﴿حاشیۃ الشلبی علی هامش تبیین الحقائق ج ا ص ۱۰۶ مکتبہ حقانیہ﴾

ترجمہ: (جہری اور سری قراءت کرنا الخ) اس پر مواظبت کی وجہ سے واجب ہے۔

اسی طرح علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ فاتحہ کی کسی بھی آیت چھوٹ جانے پر سجدہ سہو کے وجوب کیلئے سرکار دو عالم ﷺ کی مداومت کو دلیل قرار دیا ہے آپ فرماتے ہیں۔

(یسجد بترك ایة منها و هو اولی) لعلة للمواظبة المفید للوجوب۔

﴿رد المحتار علی در المختار ج ۲ ص ۱۶۹ مکتبہ امدادیہ﴾

ترجمہ: اور سورہ فاتحہ کی ایک آیت کے چھوٹنے پر بھی سجدہ کرے گا اور یہی اولی ہے ایسی مداومت کی وجہ سے جو وجوب کے لئے مفید ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یہاں پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ صاحب بحر اور انکی متابعت میں علامہ شامی وغیرہ نے واجب کی تعریف میں مداومت کے ساتھ ساتھ نہ کرنے والے پر انکار کی قید بھی لگائی ہے جیسا کہ وہ فرماتے ہیں۔

وان اقترنت بالانکار علی من لم یفعله وھی دلیل الوجوب۔

ترجمہ: اور اگر وہ نہ کرنے والے پر مقترن بالانکار تو یہ دلیل وجوب ہے۔

یہ فقیر جواب دیگا کہ الانکار علی من لم یفعلہ کی قید لگانا درست نہیں ہے کیونکہ اس سے واجب کی تعریف میں جامعیت ختم ہو جائیگی اور وہ اپنے جمیع افراد پر صادق نہ آئے گی۔ جیسے سورۃ فاتحہ کا مقدم کرنا فرض کی ابتدائی دو رکعتوں میں قراءۃ کا تعین کرنا، قعدہ اولیٰ اور قعدہ اخیرہ میں تشہد پڑھنا اور خروج بصنعہٖ کا لفظ سلام سے مکمل ہونا وغیرہ واجبات۔ حالانکہ خود علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام امور کے وجوب کے لیئے سرکار دو عالم ﷺ کی مواظبت مع عدم ترک مرۃ ہی کو دلیل بنایا ہے لہذا ان ہی کی تعریف کے مطابق وجوب کو ثابت کیا جائے تو یہ تمام چیزیں وجوب سے تنزلی کر کے سنت کے درجے میں آجائیں گی اور یہ بات نہ علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ نہ ہی علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نہ ہی ہم اور نہ ہی زید صاحب تسلیم کرینگے۔ مذکورہ فقہائے کرام کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ نبی کریم ﷺ کے کسی فعل پر مواظبت مع عدم ترک فرمانا وجوب کی دلیل ہے حق قبول کرنے والے دل کے لیئے اتنا ہی کافی ہے اور اگر زید صاحب ان کے بارے میں بھی وہی کہہ کر رد کر دیں جو کہ انھوں نے شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہا تو ان کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ وہ اپنے لیئے ایک جدید فقہ اور اصول فقہ تیار کر لیں۔

جہاں تک زید صاحب کا یہ کہنا کہ نبی کریم ﷺ نے اعضائے وضو میں ہمیشہ دائیں عضو کو دھونے سے ابتداء کی اسکا خلاف کہیں ثابت نہیں اسکے باوجود دائیں عضو کو پہلے دھونا مستحب ہے واجب نہیں حالانکہ بالاتفاق سنن ھدٰی سے ہے اس طرح مسجد میں پیر رکھنے، جوتی پہننے اور کنگھی کرنے میں آپ نے ہمیشہ دائیں جانب سے ابتدا کی ہمیشہ بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھایا اور ان کے خلاف کہیں ثابت نہیں اسکے باجود یہ امور مستحب ہیں حالانکہ یہ امور بھی سنن ھدٰی میں سے ہیں زید نے اعضاء وضو میں ہمیشہ دائیں عضو کو دھونے سے ابتداء کرنے کو، مسجد میں پیر رکھنے، جوتی پہننے کنگھی کرنے ہمیشہ بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھانے کو سنن ھدی قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ سراسر غلط ہے کیونکہ وہ امور جن کا تعلق طبیعت، نوم، اکل وشرب، قیام وقعود سے ہو انھیں بالاتفاق سنن زوائد میں شمار کیا گیا ہے جیسا کہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مولٰنا محمد عبدالحلیم صاحب نے قمرالاقمار شرح نورالانوار میں فرمایا ہے

قوله لم تكن له تبعا كالافعال الطبعية التى لايخلو ذو نفس عنها كالنوم واليقظة والاكل والشرب و غيرها فلا يجب علينا اقتدائه فى هذه الافعال الطبعية بل هذه الافعال مباحة لامته بلا خلاف۔

﴿قمرالاقمار علی نورالانوار ص ۲۱۷ مکتبہ امدادیہ﴾

ترجمہ : ان کا قول کہ انکی پیروی واجب نہیں ہوگی۔جس طرح طبعی افعال میں جن سے ذی روح خالی نہیں ہوتا جیسے سونا اور جاگنا اور کھانا اور پینا وغیرہ۔ ہم پر ان افعال میں آپ ﷺ کی اقتداء واجب نہیں اور یہ افعال آپ ﷺ کی امت کے لئے بغیر اختلاف مباح ہیں۔

﴿قمرالاقمار علی نورالانوار ص ۲۱۷ مکتبہ امدادیہ﴾

زید صاحب کا ان افعال کو سنن ھدیٰ کہنے کی وجہ یا تو کم علمی ہے یا لوگوں کو دھوکہ دینے کیلئے جھوٹ لکھ دیا۔بہر حال سنی ہونے کے ناطے ہم انکی طرف جھوٹ کو منسوب کرنا مناسب نہیں سمجھتے لیکن دوسری وجہ ضرور متحقق ہو جائیگی اگر وہ فقہ کی درسی کتابیں توجہ سے پڑھ لیتے تو سنن ھدیٰ اور سنن زوائد کا فرق خوب سمجھ لیتے۔

شرح وقایہ میں صدر الشریعۃ رحمہ اللہ نے زید صاحب کا اعتراض بھی نقل فرمایا اور اسکا جواب بھی دیا ہے اور اسکے ساتھ ساتھ سنن ھدیٰ اور سنن زوائد کا فرق بھی بیان فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

(مستحبه التيامن) اى الابتداء باليمين فى غسل الاعضاء فان قلت لا شك ان النبى ﷺ واظب على التيامن فى غسل الاعضاء ولم يروا احد انه بدأ بالشمال فينبغى ان يكون سنة اقول السنة ما واظب عليه النبى ﷺ مع الترك احيانا فان كانت المواظبة المذكورة على سبيل العبادة فسنن الهدٰى وان كانت على سبيل العادة فسنن الزوائد كلبس الثياب و كالأكل باليمنى وتقدم الرجل اليمنى فى الدخول و نحو ذلك و كلامنا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

فی الاول و مواظبة النبی ﷺ علی التیامن کانت من قبیل الثانی و یفهم هذا من تعلیل صاحب الهدایة بقوله ﷺ ان اللّٰه یحب التیامن فی کل شئ حتی التنعل والترجل۔

﴿شرح وقایہ علی ھامش کشف الاسرار ج ۱۔ادارۃ القران﴾

ترجمہ :(اوراسکا مستحب سیدھی جانب ہے)یعنی اعضاء کے دھونے میں سیدھی جانب سے ابتداء کرنا مستحب ہے۔اوراگر تو کہے کہ بے شک نبی کریم ﷺ نے سیدھی جانب سے اعضاء دھونے پر مداومت فرمائی اور کسی نے بائیں جانب سے ابتداء کرتے ہوئے نہ دیکھا۔پس چاہیے کے سنت ہو۔میں کہتا ہوں کہ سنت وہ ہے جس پر آپ ﷺ نے مداومت فرمائی ہو اور کبھی ترک بھی فرمایا ہو۔اوراگر مداومت مذکورہ عبادت کی جہت سے ہوتو سنن ھدی ہے۔اور اگر بر سبیل عادت ہوتو سنن زوائد ہے جسطرح لباس پہننا اور جسطرح سیدھے ہاتھ سے کھانا اور سیدھا پاؤں کا مقدم کرنا دخول میں اوراسی کی مثل اور ہمارا کلام اول میں ہے۔اورسرکار دوعالم ﷺ کا سیدھی جانب پر مداومت فرمانا دوسرے قبیل سے ہے اوراسے صاحب ھدایہ کی تعلیل سے سمجھا جاسکتا ہے کہ رحمت دوعالم ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ عزوجل ہر چیز میں تیامن (سیدھی جانب)کو پسند فرماتا ہے حتی کہ جوتیاں پہننے میں اور پیدل چلنے میں بھی۔

﴿شرح وقایہ علی ھامش کشف الاسرار ج ا ص ۹۔ادارۃ القران﴾

اب شاید زید صاحب کی پریشانی دور ہوگئی ہوگی کہ یہ تمام کام مواظبت کے باوجود مستحب کیوں ہیں؟ بین انکار کرنے والا دل حق مشکل ہی سے قبول کرتا ہے اتمام حجت کے لیئے فتح القدیر کی عبارت نقل کیئے دیتے ہیں تا کہ مخالف کے لیئے کوئی عذر باقی نہ رہے۔

(قوله البدأة بالمیامن فضیلة) ای مستحب ثم استدل علیه بقوله علیه السلام ان اللّٰه یحب التیامن فی کل شئ و هو معنی ما روی السنة عن عائشة رضی اللّٰه عنها کان النبی ﷺ یحب التیامن فی کل شئ حتی فی طهوره و تنعله وترجله و

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

شانه کله و هو بناء علی عدم استلزام المحبوبية المواظبة لان
جميع المستحبات محبوبة له ﷺ و معلوم ان لم یواظب علی
کلها والا لم تکن مستحبة بل مسنونة۔

﴿فتح القدیر ج ا ص ۳۱ مکتبہ رشیدیہ﴾

ترجمہ: (ان کا قول سیدھی جانب سے ابتداء کرنے میں فضیلت ہے) یعنی مستحب ہے اور پھر اس پر سرکار ﷺ کے اس فرمان مبارک سے استدلال فرمایا کہ بے شک اللہ عزوجل ہر چیز میں تیامن (سیدھی جانب) کو پسند فرماتا ہے۔ اور یہ وہ معنی جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے صحاح ستہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر چیز میں تیامن (سیدھی جانب) کو پسند فرماتے تھے یہاں تک کہ طہارت میں، نعلین پہننے میں اور پیدل چلنے میں اور اپنے تمام کاموں میں۔ اور اس کی بنیاد ایسی محبوبیت پر ہے جو کہ مواظبت کو لازم نہیں کرتی کیونکہ آپ ﷺ کو تمام مستحبات محبوب ہیں اور یہ معلوم ہے کہ آپ ﷺ نے تمام مستحبات پر مواظبت نہیں فرمائی وگرنہ مستحب نہیں بلکہ سنت ہوتے۔

﴿فتح القدیر ج ا ص ۳۱ مکتبہ رشیدیہ﴾

الجزء الثانی (ب)

زید نے داڑھی کے معاملے میں تشکیک پیدا کرنیکی کوشش کی ہے کہ سنن زوائد میں سے ہے یا سنن ھدی میں سے تا کہ اس کی اہمیت کم ہو جائے اور وجوب ثابت نہ کیا جا سکے۔

الجواب: داڑھی سنن ھدی میں سے ہے یا سنن زوائد میں سے زید صاحب کی اس پریشانی کو دور کرنے کے لیئے ہم علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ کی عبارت لکھ دیتے ہیں۔ ان شاء اللہ زید صاحب کی پریشانی مع توھمات کے دور ہو جائیگی علامہ شامی فرماتے ہیں۔

والسنة نوعان سنة الهدى و تركها يوجب اساءة و كراهية
كالجماعة والاذان والاقامة و نحوها و سنة الزوائد و تركها لا
يوجب ذلك كسير النبي ﷺ في لباسه وقيامه وقعوده۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترجمہ: سنت دو اقسام ہیں سنت ھدی جس کا ترک اساءت اور کراھیت کو واجب کرتا ہے جیسا کہ جماعت، اذان، اور اقامت اور اس کی مثل دوسری چیزیں۔ اور سنن زوائد کہ جس کا ترک ان چیزوں کو واجب نہیں کرتا جیسے کہ لباس اور قیام وقعود وغیرہ میں آپ ﷺ کی عادت مبارکہ۔"

چند سطور کے بعد مزید فرماتے ہیں۔

واقول قد مثلوا لسنة الزوائد ايضا بتطويله عليه الصلوة والسلام القراء ة والركوع و السجود ولا شك فى كون ذلك عبادة و حينئذ فمعنى كون سنة الزوائد عادة ان النبى ﷺ واظب عليها حتى صارت عادة له ولم يتركها الا احيانا لان السنة هى الطريقة المسلوكة فى الدين فهى فى نفسها عبادة وسميت عادة ولما لم تكن من مكملات الدين وشعائره سميت سنة الزوائد بخلاف سنة الهدى وهى سنن المؤكدة القريبة من الواجب التى يضلل تاركها لان تركها استخفاف بالدين بخلاف النفل۔

ترجمہ: اور تحقیق علماء نے سنت زوائد کی مثالیں قراءت، رکوع اور سجود کی طوالت کے ساتھ دیں ہیں اور ان کے عبادت ہونے میں کوئی شک نہیں۔ پس اس وقت سنت زوائد کا معنی ایسی عادت ہوگا کہ سرکار ﷺ نے جس پر مواظبت فرمائی اور یہاں تک کہ وہ آپ ﷺ کی عادت ہوگئی اور آپ نے اسے سوائے بعض اوقات کے ترک نہ فرمایا کیونکہ سنت دین میں وہ جاری طریقہ ہے جو بذات خود عبادت ہے اور اس کو عادت کہنے کی وجہ کو ہم ذکر کر چکے اور چونکہ یہ دین کی تکمیل اور اس کے شعار سے نہیں اسی لئے اسے سنت زوائد کہا گیا بخلاف سنت ھدی کے اور یہ سنن موکدہ اور اس واجب کے قریب ہوتی ہے کہ جس کا ترک کرنے والا گمراہ ہوتا ہے کیونکہ اس کو ترک کرنا دین کو ہلکا جاننا ہے بخلاف نفل کے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت فرمادی کہ اگر سرکار ﷺ کی عادت کا تعلق شعائر یا مکملات

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

دین سے ہوگا تو وہ سنن زوائد میں سے نہ ہوگی بلکہ وہ سنن ھدی میں شمار کی جائیگی اور شعائر سے مراد علامت ہے کہ جس سے کسی کی پہچان ہو جیسا کہ سعدی ابو حبیب صاحب لکھتے ہیں۔

شعائر الاسلام ای معالمه الظاهرة و متعبداته۔

ترجمہ: یعنی اسلام کی ظاہری علامات اور اسکی عبادتیں۔

﴿القاموس الفقهی صفحہ ۱۹۷ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی﴾

الحمد للہ لمبی داڑھی بلکہ ایک قبضہ ساری دنیا میں مسلمانوں کا شعار ہے لہٰذا علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ کی تصریح کے بعد یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ داڑھی سنن ھدی میں سے ہے نہ کہ سنن زوائد میں سے۔ بہر حال داڑھی سنن زوائد میں سے ہو یا سنن ھدی میں سے ہمارے لیئے قطعی مضر نہیں کیونکہ شعار اسلام میں سے ہے جیسا کہ زید صاحب نے خود اسی کتاب میں اسکا اعتراف کیا۔

زید صاحب لکھتے ہیں "اور یہ لمبی داڑھی رکھنا اسلام میں مسلمانوں کا شعار ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے

" یا ایها الذین امنوا لا تحلوا شعائر الله "

ترجمہ: " اے ایمان والو! نہ حلال کر لینا تم اللہ عز و جل کے نشانات کو"۔

زید صاحب کی عجیب منطق ہے کہ لمبی داڑھی کو شعائر اسلام بھی کہتے ہیں اور پھر اُسے چھوٹا کرنے کو حلال بھی قرار دیتے ہیں حالانکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مومنوں کو اس قسم کی حرکت سے سختی سے باز رہنے کا حکم فرمایا۔ الحمد للہ علماء اہلسنت اور عوام اہلسنت ہی حقیقی مومن ہیں جو اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس حکم کو نہ صرف مانتے ہیں بلکہ اس پر عمل بھی کرتے ہیں اس لیے ایک مشت سے داڑھی کم کرنے کو مکروہ تحریمی کہتے ہیں کیونکہ یہ شعائر اللہ میں سے ہے جیسا کہ امام سرخسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

" حكم السنة هو الاتباع فقط ثبت بالدليل ان رسول الله ﷺ متبع فيما سلك من طريق الدين قولا و فعلا و كذلك الصحابة و هذا الاتباع ثابت بمطلق السنة خال عن صفة الفرضية والوجوب الا ان يكون من اعلام الدين فان ذلك منزلة

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

الواجب فی حکم العمل ‘‘۔

ترجمہ : سنت کا حکم اسکی پیروی کرنا ہے اور تحقیق یہ بات دلیل سے ثابت ہو چکی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قولی یا فعلی جو بھی طریقہ اختیار فرمایا اس میں انکی پیروی کی جائے گی ایسے ہی آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے صحابہ کرام علیہم الرضوان کی پیروی کیجائے گی اور یہ پیروی کرنا ان امور میں ہے جو مطلق سنت سے ثابت ہوں اور صفت فرضیت اور وجوب سے خالی ہوں وگرنہ اگر وہ دین کے شعائر میں سے ہوں تو بے شک وہ عمل کے لحاظ سے واجب کے درجے میں ہیں‘‘۔

اور ایسے ہی صاحب کفایہ نے مکحول علیہ الرحمۃ کا قول نقل فرمایا کہ

السنة سنتان سنة اخذها هدى و تركها ضلالة و سنة اخذها حسن وتركها لاباس به فالاول نحو صلوة العيد والاذان والاقامة والصلوة بالجماعة لهذا لو تركها قوم استوجب اللوم والعتاب ولو تركها اهل بلدة واصروا ذلك قوتلوا عليها لياتوا بها والثانى نحو ما نقل من طريقة رسول اللهﷺ فى قيامه و قعوده و لباسه وركوبه ۔

﴿اصول سرخسی ۱ ص ۱۱۴﴾

ترجمہ: سنت دو قسموں پر ہیں ایک وہ سنت جس پر عمل کرنا ھدایت اور ترک کرنا گمراہی ہے اور ایک سنت وہ ہے جس پر عمل کرنا مستحسن اور چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں۔ پس پہلی قسم کی مثال نماز عید اور اذان اور اقامت اور نماز باجماعت ہے۔ لہٰذا اگر اسے کوئی قوم چھوڑ دے تو ملامت و عتاب لازم آئے گا اور اگر اسے شہر والے چھوڑ دیں اور اس پر مصر ہوں تو ان سے قتال کیا جائے گا تا کہ اس پر عمل کریں اور دوسری قسم اسکی مثال جو سرکار ﷺ کے طریقہ سے آپ ﷺ کے اٹھنے اور بیٹھنے اور لباس وسواری سے متعلق نقل کی گئی ہے۔

اسی طرح صاحب کفایہ نے بھی جلد اول ص ۲۱۰ پر کچھ تغیر لفظی کے ساتھ اس قول کو نقل فرمایا ہے ممکن ہے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کہ زید صاحب داڑھی کو سنن زوائد میں سے قرار دے کر اپنا دفاع کرنے کی کوشش کریں مگر ایسا کرنا انھیں کچھ فائدہ نہ دے گا کیونکہ وہ خود اسے شعائر اسلام تسلیم کر چکے ہیں۔اور علامہ ابن نجیم مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

”ان السنة المؤكدة والواجبة سواء خصوصا ما كان من شعائر الاسلام“

﴿البحر الرائق ص ۳۷۴ مکتبہ رشیدیہ، الجلد الاول﴾

ترجمہ: بے شک سنت مؤکدہ اور واجب برابر ہیں خاص کر جب کہ وہ شعائر اسلام سے ہو۔

امام فخر الدین زیلعی فرماتے ہیں

”اذا كان السنة من شعائر الدين يقاتل عليها“

﴿زیلعی۔تبیین الحقائق ج ا ص ۹۰﴾

ترجمہ: اگر سنت شعائر دین سے ہو تو اس پر قتال کیا جائے گا۔

فقہاء کرام کی ان تصریحات کے بعد یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ شعائر اسلام واجب کے درجہ میں ہیں اور انکو ترک کرنے والا گنہگار اور مستحق لوم وعتاب ہے اور اس کا حلال جاننے والا دین کا مزاق اڑانے والا ہے اب اس کے باوجود بھی اگر کوئی ہٹ دھرمی کرے اور بغیر تاویل یہی کہتا رہے کہ ایک مشت سے داڑھی کا کم کرنا کوئی گناہ نہیں ہے تو ایسا شخص استخفاف بالدین اور شعائر اللہ کا مزاق اڑانے والا ہے اور اس کا دل تقوی سے خالی ہے جیسے کہ اللہ تبارک وتعالی فرماتا ہے۔

”ومن يعظم شعائر الله فانها من تقوى القلوب“

ترجمہ: اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔

اعتراض (۶)

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ داڑھی میں قبضے کی مقدار کو فقہاء نے واجب کہا ہے تو یہ صحیح نہیں ہے ہمارے علم کے مطابق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے کسی نے قبضے کو واجب نہیں لکھا سب نے اس کو سنت لکھا ہے۔

الجواب: زید صاحب نے فقہاء کرام کی ان عبارتوں کو کہ جن میں انھوں نے ایک مشت داڑھی کو سنت لکھا ہے نقل

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ ان کے نزدیک ایک مشت داڑھی سنت ہے مگر وہ اقوال نقل نہیں کیے کہ جن میں فقہاء کرام نے کہ قبضہ سے داڑھی کم کرنے کو غیر مسلموں اور ہیجڑوں کا فعل قرار دیا ہے کیونکہ اگر وہ انکے ان اقوال کو نقل کر دیتے تو وہ انکے موقف کے خلاف دلیل ثابت ہوتے اب ہم فقہاء کرام کی وہ عبارتیں پیش کر رہے ہیں کہ جن میں انھوں نے داڑھی کو ایک مشت سے کم کرنے کو نا جائز کہا ہے۔

علامہ ابن ھمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"واما الاخذ منها و هی دون ذلک كما يفعله بعض المغاربة و المخنثة من الرجال فلم يبحه احد.

﴿ج۲ص۲۷۰﴾

ترجمہ: اور داڑھی کم کرنا درآنحالیکہ وہ اس (قبضے) سے کم ہو جیسا کہ بعض مغربی اور مردوں میں سے ہجڑے کرتے ہیں۔ اسے کسی نے بھی جائز نہیں کہا۔

اسی طرح علامہ ابن نجیم مصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

واما الاخذ منها و هی دون ذلک كما يفعل بعض المغاربة والمخنثة من الرجال فلم يبحه احد.

﴿البحر الرائق ج۲ص۲۸۰﴾

ترجمہ: اور داڑھی کم کرنا درآنحالیکہ وہ اس (قبضے) سے کم ہو جیسا کہ بعض مغربی اور مردوں میں سے ہجڑے کرتے ہیں۔ اسے کسی نے بھی جائز نہیں کہا۔

اسی طرح علامہ حسن بن عمار شرنبلالی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

واما الاخذ من اللحيه و هی دون القبضة كما يفعله بعض المغاربة فلم يبحه احد و اخذ كلها فعل مجوس الاعاجم واليهود والهنود و بعض اجناس الافرنج

﴿ص۲۰۸ حاشیہ الدرر والغرر ج۱ امیر محمد کتب خانہ﴾

ترجمہ: اور داڑھی کو کاٹنا درآنحالیکہ وہ ایک مشت سے کم ہو جیسا کہ بعض مغاربہ کرتے ہیں کسی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نے جائز نہیں کہا۔اور پوری ہی داڑھی کو کاٹ لینا مجمی یہودیوں اور ہندوؤں اور بعض فرنگیوں کا کام ہے۔

اسی طرح علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

واما الاخذ منها وهي دون ذلك كما يفعل بعض المغاربة و مخنثة الرجال فلم يبحه احد۔

﴿ردالمحتار ج۳ ص۳۹۸﴾

علامہ سید احمد طحطاوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

والاخذ من اللحية وهو من دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة و مخنثة الرجال لم يبحه احد و اخذ كلها فعل يهود الهند ومجوس الاعاجم۔

﴿حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۵۶۱ مکتبہ نور محمد اصح المطابع﴾

علامہ شلبی علیہ رحمۃ الرحمان فرماتے ہیں۔

واما الاخذ منها و هي دون ذلك كما يفعله بعض المغاربه و مخنثة الرجال فلم يبحه احد۔

﴿مکتبہ حقانیہ شلبی علی تبیین الحقائق ج ۱ ص ۳۳۲﴾

ہم نے چھ مستند فقہائے کرام کی عبارتیں نقل کیں جن سے صریحا ثابت ہوتا ہے کہ جب داڑھی ایک مشت سے کم ہو تو اسے کاٹنا ناجائز ہے۔اس کے برعکس زید صاحب کے نزدیک ایک مشت سے داڑھی کم کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔قواعد فقہیہ کی رو سے ناجائز کا اطلاق مکروہ تحریمی اور حرام پر کیا جاتا ہے۔جبکہ خلاف اولی اور مکروہ تنزیہی حلال و جائز کی اقسام میں سے ہیں جیسا کہ صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

المكروه نوعان مكروه كراهة تنزيهه وهو الى الحل اقرب و مكروه كراهة تحريم وهو الى الحرام اقرب۔

﴿توضیح و تلویح ص ۶۸۶ مکتبہ نور محمد اصح المطابع﴾

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترجمہ: ''مکروہ کی دو قسمیں ہیں۔مکروہ تنزیہہ جو کہ حلال کے نزدیک ہے اور مکروہ تحریمی جو کہ حرام سے قریب ہے۔''

اسی طرح علامہ شامی علیہ الرحمہ نے بھی مکروہ تنزیہی کو جائز ہی کی اقسام سے شمار فرمایا ہے۔آپ فرماتے ہیں

مطلب: قد يطلق الجائز على مالا يمتنع شرعا فيشمل المكروه و قد يقال اطلق الجائز واريد به ما يعم المكروه ففى الحليه عن اصول ابن حاجب انه قد يطلق و يراد به مالا يمتنع شرعا وهو يشمل المباح و المكروه والمندوب والواجب اه لكن الظاهر ان المراد المكروه تنزيها لان المكروه تحريما ممتنع شرعا منعا لازما

﴿ردالمحتار علی الدر المختار ج اص ۲۴۲ مکتبہ امدادیہ﴾

ترجمہ: کبھی جائز کا اطلاق اس پر کر دیا جاتا ہے جو شرعاً ممنوع نہ ہو پس وہ مکروہ کو شامل ہوگا۔اور کبھی کہا جاتا ہے کہ جائز کا اطلاق کیا گیا اور اس سے مراد وہ لیا جاتا ہے جو مکروہ کو عام ہو۔پس حلیہ میں اصول ابن حاجب سے ہے کہ کبھی مطلقا جائز کہہ دیا جاتا ہے اور اس سے مراد وہ لیا جاتا ہے جو کہ شرعاً ممنوع نہ ہو اور مباح، مکروہ، مندوب اور واجب کو شامل ہوتا ہے۔لیکن ظاہر تر یہی ہے کہ اس سے مراد مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ مکروہ تحریمی شرعاً لازمی طور پر ممتنع ہوتا ہے۔

صدر الشریعۃ اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریحات کے بعد یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ جن فقہاء کرام نے ایک مشت کے بعد کاٹنے کو ناجائز قرار دیا ہے اس سے انکی مراد مکروہ تحریمی ہے لہٰذا علامہ ابن ھمام ،ابن نجیم مصری، شلبی، شرنبلالی، طحطاوی رحمہم اللہ نے داڑھی میں قبضہ کو سنت قرار دیا ہے اس سے مراد قبضہ کا وجوب سنت سے ثابت ہے۔کیونکہ ان کے سنت کے قول میں مذکورہ تاویل نہ کیجائے تو تضاد لازم آئے گا اس قسم کی تاویل کرنا کوئی انوکھی بات نہیں ہے فقہاء کرام کی کتب میں اس قسم کی تاویلات بکثرت ملتی ہیں جیسے کہ باجماعت نماز کا مسئلہ ہے اس کے بارے میں متون مذہب میں سنت ہی کا قول کیا گیا ہے مگر شارحین نے اس کے دلائل میں غور کر کے واجب قرار دیا ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

الجماعة سنة مؤكدة كذا في المتون و الخلاصة والمحيط و محيط السرخسي و في غاية قال عامة مشائيخنا انها واجبة وفي المفيد و تسميتها سنة لوجوبها بسنة.

﴿فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۸۲ مکتبہ رشیدیہ﴾

علامہ ابن ہمام صاحب ہدایہ کے قول " الجماعة سنة مؤكدة " کی تاویل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اذ مقتضاه الوجوب الا لعذر الا ان يريد ثبوتها لسنة

﴿فتح القدیر ص ۳۰۰ ج ۱﴾

ترجمہ: اس کا مقتضاء جماعت کا وجوب ہے سوائے کسی عذر کی بنا پر مگر اس سے مراد یہ لی جائے کہ یہ سنت سے ثابت ہے۔

اسی طرح صاحب کفایہ فرماتے ہیں۔

قوله الجماعة سنة مؤكدة قوية تشبه الواجب في القوة حتى استدل بمعاهدتها على وجوب الايمان بخلاف سائر المشروعات و هي التي يسميها الفقهاء سنة الهدى اى اخذها هدى وتركها ضلال۔

﴿عنایہ ج ۱ ص ۲۹۹﴾

صاحب بحر الرائق فرماتے ہیں

الجماعة سنة مؤكدة اى قوية تشبه الواجب في القوة۔

﴿البحر الرائق ج ۱ ص ۳۴۴﴾

اختصار کے پیش نظر ہم انہی فقہاء کرام کی عبارات پر اختصار کرتے ہیں ورنہ اس سلسلے میں علامہ شامی، طحطاوی، شرنبلالی وغیرھم فقہاء کرام کے اقوال بھی ان کی کتب میں موجود ہیں ہمارے نزدیک یہاں بھی یہی معاملہ ہے کہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

فقہائے کرام نے قبضہ کے بارے میں سنت کا قول کیا ہے مگر جب اسکے دلائل میں غور کیا جائے تو قبضہ کا وجوب ثابت ہو جاتا ہے جیسا کہ ہم پیچھے ثابت کر آئے ہیں۔

زید صاحب نے فقہاء کرام کے سنت کے قول کو قبضہ کے وجوب کے رد کیلئے استعمال کر کے مغالطہ آفرینی کی کوشش کی ہے کیونکہ ان فقہاء کے یہ اقوال داڑھی کو ایک مشت سے کم کرنے کے سلسلے میں وارد نہیں ہوئے ہیں بلکہ وہ صاحب نہایہ اور حسن بصری رحمہما اللہ وغیرہ کے رد میں ہیں کیونکہ صاحب نہایہ کے نزدیک ایک مشت کے بعد کاٹنا واجب ہے اور حسن اور قتادہ رحمہما اللہ کے نزدیک داڑھی کو مطلقا کاٹنا ہی مکروہ ہے۔

جیسا کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ مرقات میں صاحب نہایۃ سے نقل فرماتے ہیں۔

(۱) و فی النھایۃ شرح الھدایۃ: واللحیۃ عندنا طولھا بقدر القبضۃ بضم القاف وما وراء ہ ذلک یجب قطعہ

ترجمہ: ھدایہ کی شرح نہایہ میں ہے کہ داڑھی کی لمبائی ہمارے نزدیک ایک قبضہ ہے اور ایک قبضہ سے زیادہ کاٹنا واجب ہے۔

پھر صاحب نہایہ کے وجوب کے قول کی تاویل کرتے ہوئے فرماتے ہیں

(۲) وقولہ یجب بمعنی ینبغی او المراد بہ انہ سنۃ مؤکدۃ قریبۃ الی الوجوب والا فلا یصح علی اطلاقہ وقال ابن الملک تسویۃ شعر اللحیۃ سنۃ و ھی ان یقص کل شعرۃ اطول من غیرھا لیستوی جمیعھا وفی الاحیاء قد اختلفوا فیما طال من اللحیۃ فقیل ان قبض الرجل علی لحیتہ و اخذ ما تحت القبضۃ فلا باس بہ و قد فعلہ ابن عمر وجماعۃ من التابعین واستحسنہ الشعبی وابن سیرین وکرھہ الحسن وقتادۃ ومن تبعھما۔ وقالوا ترکھا عافیۃ احب لقولہ ﷺ اعفوا اللحی لکن الظاھر ھو القول الاول فان الطول المفرط یشوہ الخلقۃ و یطلق السنۃ المغتابین بالنسبۃ الیہ فلا بأس للاحتراز عنہ علی ھذہ النیۃ۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

﴿مرقاۃ المفاتیح ج ۸ ص ۲۲۴﴾

ترجمہ: اور انکا کہنا واجب ہے دراصل "چاہیے" کے معنوں میں ہے یا اس سے مراد ایسی سنت مؤکدہ ہے جو کہ وجوب کے قریب ہے ورنہ ان کا قول اپنے اطلاق کے اعتبار سے درست نہیں ہے اور ابن ملک نے فرمایا داڑھی کے بالوں کو برابر کرنا سنت ہے اسکی کیفیت یہ ہے کہ جو بال دوسرے بالوں کے مقابلے میں لمبا ہو اسے کاٹ دیا جائے تا کہ تمام بال برابر ہو جائیں اور احیاء میں ہے کہ علماء کرام کا لمبی داڑھی میں سے کاٹنے کے معاملے میں اختلاف ہے پس کہا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی داڑھی کو مٹھی میں پکڑ کر مٹھی سے باہر رہ جانے والے حصے کو کاٹ دے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور تحقیق ابن عمر اور تابعین رحمہم اللہ کی ایک جماعت نے ایسا ہی کیا ہے۔ اور شعبی اور ابن سیرین رحمہم اللہ نے اس کی تحسین کی ہے جبکہ حسن اور قتادہ رحمہم اللہ اور انکے متبعین نے ناپسند کیا ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ اسکے چھوڑنے میں عافیت ہے اور سرکار دو عالم ﷺ کے حکم "داڑھیاں بڑھاؤ" کے تحت ایسا کرنا ہی زیادہ پسندیدہ ہے لیکن ظاہر بات قول اول ہی ہے یعنی (کہ ایک مشت کے بعد داڑھی کاٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے) کیونکہ بے تحاشہ لمبی داڑھی سے طبیعت کو وحشت ہوتی ہے اور غیبت کرنے والوں کی زبانیں اُس پر دراز ہو جاتی ہیں۔ پس اس اچھی نیت کے ساتھ۔ بے تحاشہ بڑھی ہوئی داڑھی سے بچنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مذکورہ عبارت سے درج ذیل امور ظاہر ہوتے ہیں۔

(الف) ایک مشت سے زائد داڑھی کاٹنا سنت مؤکدہ ہے۔

(ب) اگر داڑھی میں چند ایک بال لمبے ہو جائیں تو اسے کاٹ کر برابر کر لینا سنت ہے۔

(ج) علماء کرام کا اس بات میں اختلاف ہے کہ اگر داڑھی ایک مشت سے زیادہ لمبی ہو جائے تو اسے کاٹ کر ایک مشت تک کم کر لینا پسندیدہ ہے یا مکروہ ہے، صحابہ کرام میں سے ابن عمر رضی اللہ عنہ اور تابعین کی ایک جماعت نے ایک مشت کے بعد داڑھی کاٹی جبکہ حسن، قتادہ رضی اللہ عنہ اور انکے پیروکاروں کے نزدیک لمبی داڑھی میں سے کچھ کم کر لینا مکروہ ہے بلکہ اسے اپنی حالت ہی پر رہنے دیا جائے اور انھوں نے سرکار دو عالم

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ﷺ کے حکم ''داڑھیاں بڑھاؤ'' سے استدلال کیا ہے۔

(د) مگر علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالی کے نزدیک اچھی نیت کے ساتھ ایک مشت سے زیادہ بڑھی ہوئی داڑھی کو کاٹنا جائز ہے۔

مذکورہ بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ فقہاء کرام نے قبضہ کو جو سنت لکھا ہے وہ دراصل ان لوگوں کے رد میں ہے جو داڑھی کو ایک مشت کے بعد بھی کاٹنے کو منع کرتے ہیں اور جہاں تک زید صاحب کا قبضہ کو مطلقاً سنت یا مستحب قرار دیکر ایک مشت سے داڑھی کو کم کرنے کے جواز کو ثابت کرنا ہے وہ قطعا درست نہیں ہے کیونکہ فقہاء کرام کی عبارتیں صریحا ان کے مؤقف کے خلاف ہیں۔ وہ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالی کہ جن کے بارے میں زید صاحب نے قبضہ کے بارے میں سنت یا استحباب کا قول نقل کیا ہے وہ خود زید صاحب کا رد ان الفاظ میں فرما رہے ہیں۔

و سیجئ استحباب اخذ اللحیة طولا و عرضا لکنه مقید بما اذا زاد علی القبضة و هذا فی الابتداء واما بعد ما طالت فقالوا لا یجوز قصها کراهة ان تصیر مثلة واقول ینبغی ان یدرج فی اخذ ها لتصیر مقدار قبضة علی ما هو سنة و اعتدال متعارف لا انه یاخذها بالمرة فیکون مثلة۔

ترجمہ: اور عنقریب داڑھی میں سے طولا اور عرضا لینے کے استحباب کا بیان آئیگا مگر یہ فعل اسی داڑھی کیساتھ مقید ہے جب وہ قبضہ سے زائد ہو جائے اور یہ بھی ابتداء میں مگر جب داڑھی بڑھ جائے تو اس کے بارے میں علماء نے فرمایا کہ لمبی داڑھی کے مثلہ ہونے کی کراہت کی وجہ سے کم کرنا جائز نہیں ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ داڑھی کو اس قدر کاٹنا چاہیے کہ وہ قبضہ کی مقدار تک ہو جائے جو کہ سنت اور میانہ روی کا معروف انداز ہے۔ مگر ایک دم سے نہ کاٹے کہ کہیں وہ مثلہ نہ ہو جائے۔

﴿مرقات المفاتیح ج ۸ ص ۲۱۱﴾

زید صاحب نے چالاکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے غلط مؤقف کو ثابت کرنے کے لئے علامہ ملا علی قاری رحمہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اللہ کی عبارت کا سیاق وسباق چھوڑ کر صرف وہی جملہ لے لیا جسے وہ اپنے غلط مؤقف پر دلیل بنا سکتے تھے ہم نے علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالی کی وہ عبارت خط کشیدہ کر دی ہے جو زید صاحب کے مؤقف کے صریحا خلاف ہے علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے صاف صاف لفظوں میں وضاحت فرما دی کہ داڑھی کے جس حصے کو کاٹنا مستحب ہے وہ وہی حصہ ہے جو کہ قبضے سے زائد ہو جائے وہ بھی صرف ابتداء میں۔ اور اگر زیادہ لمبی ہو جائے تو علماء کے نزدیک اس کا کاٹنا مکروہ ہے اور آخر میں یہ بھی فرما دیا کہ داڑھی کاٹنے میں احتیاط کرے ورنہ مثلہ ہو جائے گی۔ علامہ علی قاری رحمہ اللہ نے مثلہ کرنے سے اس لئے منع فرمایا کہ مثلہ کرنا حرام ہے اور انکی مذکورہ بالا عبارت سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ انکے نزدیک ایک مشت سے داڑھی کم کرنا مثلہ ہے اور مثلہ کرنا حرام ہے۔ اسی طرح زید صاحب نے اپنی اسی کتاب میں داڑھی کی مقدار میں فقہاء احناف کا نظریہ بیان کرتے ہوئے علامہ بدر الدین عینی، علام زبیدی حنفی اور علامہ ابن ہمام کی جو عبارات لکھی ہیں وہ کسی طرح بھی انکے لیئے مفید نہیں ہیں کیونکہ ان تمام عبارتوں میں یہ صراحت موجود ہے کہ داڑھی اسی وقت کاٹی جائیگی کہ جب وہ ایک مشت سے زائد ہو جائے جبکہ علامہ ابن ہمام کی عبارت تو صریحا انکے خلاف ہے کیونکہ انھوں نے تو صاف صاف لفظوں میں فرمایا کہ ایک مشت سے داڑھی کم کرنا فرنگیوں اور ہیجڑوں کا فعل ہے اسی طرح علامہ ابن نجیم مصری، علامہ شرنبلالی، علامہ شلبی، علامہ طحطاوی اور ابن عابدین شامی رحمہم اللہ تعالی نے بھی اسے فرنگیوں اور ہیجڑوں کا فعل قرار دیا ہے جیسا کہ ہم نے ان کی عبارتیں گذشتہ صفحات پر نقل کی ہیں۔ ہیجڑوں سے مشابہت کرنا حرام ہے رسول اللہ ﷺ نے ان پر لعنت فرمائی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے

”قال لعن النبی ﷺ المخنثین من الرجال المترجلات من النساء و قال اخرجوھم من بیوتکم“ رواہ البخاری

﴿مشکوۃ المصابیح ص ۳۸۰ قدیمی کتب خانہ﴾

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے لعنت فرمائی مرد مخنثین اور ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت کریں۔ اور فرمایا کہ ان کو اپنے گھروں سے نکال دو۔

لیکن زید صاحب نے امام ابن ہمام کی عبارت کو اصل معنوں سے پھیرنے کی درج ذیل الفاظ میں کوشش کی ہے۔
”بعض علماء کہتے ہیں کہ اس عبارت میں علامہ ابن ہمام نے قبضہ کو واجب کہا ہے یہ صحیح نہیں اول تو یہ عبارت قبضے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کے متعلق نہیں یہ داڑھی کے اکثر اور غالب حصے کے متعلق ہے اور وہ قبضے سے عام ہے۔"
مگر زید صاحب کا ہیرا پھیری کر کے اس عبارت سے قبضے کی نفی کرنا کسی کام نہ آئے گا جبکہ حسن بن عمار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عبارت میں صریحاً قبضے کا لفظ استعمال کیا ہے۔ علامہ حسن بن عمار علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

واما الاخذ من اللحيه وهى دون القبضة كما يفعله
بعضالمغاربة فلم يبحه احد ﴿الھامش علی الدرر ج۱ص ۲۰۸﴾

ترجمہ: اور داڑھی میں لینا جبکہ وہ قبضہ سے ہو جیسا کہ بعض اہل مغرب کرتے ہیں اسے کسی نے بھی جائز نہیں کیا۔

زید صاحب اس صفحہ پر اسی ہیرا پھیری والے انداز میں مزید لکھتے ہیں۔
"ثانیا یہ ٹھیک ہے کسی نے اسکو مباح نہیں کہا لیکن کسی نے قبضہ سے کم داڑھی کاٹنے کو حرام یا مکروہ تحریمی بھی نہیں کہا حتی کہ قبضہ کا وجوب ثابت ہو۔"

زید صاحب نے " لم يبحه احد "کا ترجمہ "مباح" کر کے دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے تا کہ اپنا مطلب نکال لیں مگر علامہ ابن ہمام کی عبارت انھیں جھوٹا ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کیونکہ اس عبارت میں لم يبحه احد کا ترجمہ مباح ہوتا تو علامہ ابن ہمام علیہ رحمۃ الرحمان ایک مشت سے کم داڑھی کرنے والوں کو ہیجڑا کیوں قرار دیتے انہیں اتنا برا کیوں کہتے حالانکہ مباح کا ترک ہرگز ہرگز خلاف اولی بھی نہیں ہے تو پھر علامہ ابن ہمام نے ایسا کیوں فرمایا؟ جواب صاف ظاہر ہے کہ علامہ ابن ہمام کی "لم يبحه احد " سے مراد مباح شرعی کے بجائے "ناجائز" یا "غیر حلال" ہے جیسا کہ مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمان نے اس کا ترجمہ فرمایا ہے۔ اور ہم اعتراض نمبر (۶) میں علامہ شامی علیہ الرحمۃ اور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے حوالے سے یہ بات ثابت کر آئے ہیں کہ ناجائز کا اطلاق مکروہ تحریمی یا حرام پر ہوتا ہے لہٰذا یہ بات ظاہر ہوگئی کہ علامہ ابن ہمام، ابن نجیم مصری علامہ شلبی، حسن بن عمار، طحطاوی اور علامہ شامی کے نزدیک ایک مشت داڑھی میں سے کم کرنا مکروہ تحریمی ہے اور مکروہ تحریمی کے مقابل واجب ہوتا ہے لہٰذا ان سب کے نزدیک داڑھی میں قبضہ واجب ہے چنانچہ یہ ضروری ہے کہ ابن ہمام علیہ الرحمہ کے داڑھی کے متعلق سنیت کے قول میں یہ تاویل کی جائے کہ قبضہ کا وجوب سنت سے ثابت ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

زید صاحب نے امام ابن ھمام رحمہ اللہ کے کلام کو فاسد تاویل کے ذریعے اپنے حقیقی معنی سے پھیرنے کے لئے تیسری کوشش بھی کی ہے مگر اس قسم کی فاسد تاویلات انھیں کچھ بھی فائدہ نہیں دیں گی زید صاحب اس سلسلے میں مزید لکھتے ہیں۔" ثالثاً علامہ ابن ھمام نے اسی صفحہ پر یہ تصریح کی ہے کہ داڑھی میں قدر مسنون قبضہ ہے یہ اس بات پر نص ہے کہ قبضہ سنت ہے واجب نہیں ہے علامہ ابن ھمام لکھتے ہیں۔

"وھو ای القدر المسنون فی اللحیة القبضة"

ترجمہ: اور وہ یعنی داڑھی میں مقدار مسنون قبضہ ہے

اس لئے علامہ ابن ھمام کی اس دوسری عبارت میں تاویل کرنا ضروری ہے تاکہ ان کی دو عبارتیں متعارض نہ ہوں اور وہ تاویل یہ ہے کہ اباحت تحسین کے معنی میں ہے اور" فلم یبحہ احد " اس کو کسی نے مباح نہیں کہا" کا معنی ہے "لم یحسنہ احد " اس کی کسی نے تحسین نہیں کی ہے" یعنی قبضہ سے کم داڑھی کاٹنے کو کسی نے مستحسن نہیں کہا۔

فقیر کہتا ہے کہ علامہ ابن ھمام رحمہ اللہ کے کلام میں اس ناجائز تاویل کی قطعاً ضرورت نہیں ہے ان کی عبارت میں کوئی تعارض نہیں پایا جاتا کیونکہ لفظ سنت عام ہے جو کہ سنت مؤکدہ اور واجب کو عام ہے جیسا کہ ہم نے گذشتہ صفحات میں شمس الائمہ سرخسی، مکحول، صدر الشریعہ، علامہ شامی وغیرہم کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اذان، جماعت، صلوۃ عیدین، سنن ھدی میں سے ہیں۔ جبکہ جماعت اور صلوۃ عیدین وجوب کے درجے میں ہیں۔ علامہ شامی علیہ الرحمۃ منحۃ الخالق میں بیان فرماتے ہیں۔

ان اطلاق اسم السنة لا ینفی الوجوب بعد قیام الدلیل علی وجوبھا

﴿منحۃ الخالق علی البحر الرائق ج۲ ص۱۵۷﴾

ترجمہ: کسی حکم کے وجوب پر دلیل قائم ہو جائے تو اسے سنت کہنے سے اس کے وجوب کی نفی نہیں ہوتی۔

اسی طرح اگر علامہ ابن ھمام نے داڑھی کو سنت کہا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اس سے داڑھی کے وجوب کی نفی نہیں ہوتی۔ کیونکہ خود ان کا قول" کہ ایک مشت سے داڑھی کم کرنا ہیجڑوں کا فعل ہے۔" نص صریح ہے کہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نفی نہیں ہوتی۔ کیونکہ خود انکا قول ''کہ ایک مشت سے داڑھی کم کرنا ہیجڑوں کا فعل ہے۔'' نص صریح ہے کہ داڑھی واجب ہے ان تمام تشریحات کے باوجود اگر کچھ لوگ ہٹ دھرمی کرتے رہیں اور کہتے رہیں کہ ایک مشت سے داڑھی کم کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے بلکہ مباح ہے تو ہم انھیں خبردار کرتے ہیں کہ وہ علامہ ابن ھمام، علامہ ابن نجیم مصری، علامہ شلبی، علامہ حسن بن عمار، علامہ طحطاوی، علامہ شامی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، امام احمد رضا خان بریلوی اور دیگر علمائے امت کے نزدیک فرنگیوں اور ہیجڑوں کے سے فعل کے مرتکب ہو کر ہیجڑے اور فرنگی کہلانے کے مستحق ہوں گے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے لوگوں پر لعنت فرمائی ہے جو کہ نہ صرف دنیا بلکہ آخرت کے بھی خسران کا باعث ہے۔

(العیاذ باللہ تعالی)

اعتراض (۷)

زید صاحب حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اور ایک متاخر عالم شیخ عبدالحق محدث دھلوی رحمہ اللہ نے محض اپنی رائے سے یہ لکھا کہ قبضہ واجب ہے۔ اور فقہاء کی ان عبارات میں سنت سے مراد یہ ہے کہ قبضہ کا وجوب سنت سے ثابت ہے اور بعد کے بعض علماء نے بھی شیخ رحمہ اللہ کی پیروی کی۔ (واضح رہے کہ شیخ نے قبضہ کو واجب لکھا لیکن وجوب پر کوئی دلیل ذکر نہیں کی) ہمارے نزدیک شیخ کی یہ تاویل صحیح نہیں ہے کیونکہ تاویل کی ضرورت اسوقت ہوتی ہے جب دلائل شرعیہ اور قواعد فقہیہ سے قبضہ کا وجوب ثابت ہوتا ہو۔ اور اسکے برخلاف فقہاء نے قبضہ کو سنت کہا ہوتا تب یہ کہنا درست ہوتا کہ یہاں سنت سے مراد یہ ہے کہ قبضہ کا وجوب سنت سے ثابت ہے جبکہ یہاں معاملہ اسکے برعکس ہے''۔

الجواب

زید صاحب کی عبارت میں خط کشیدہ الفاظ قابل توجہ ہیں زید صاحب نے ان الفاظ کے ذریعے شیخ عبدالحق محدث دھلوی رحمہ اللہ کی طرف حرام فعل کی نسبت کی ہے کیونکہ بغیر حجت شرعیہ کے فتوی دینا اور عمل کرنا حرام ہے جیسا کہ علامہ عبدالعلی رحمہ اللہ نے فواتح الرحموت میں تصریح فرمائی ہے آپ فرماتے ہیں

(لانه لابد من حجة شرعية) لان الفتوی والعمل من غير حجة

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

﴿فواتح الرحموت ج ۲ ص ۱۸۷﴾

ترجمہ: (ضروری ہے کہ دلیل شرعی ہو) کیونکہ بغیر دلیل شرعی کے فتویٰ دینا اور عمل کرنا حرام ہے۔ والعیاذ باللہ شیخ محقق کی طرف حرام فعل کی نسبت کرنا ظلم عظیم ہے۔

حالانکہ شریعت اسلامیہ نے تو ایک عام مسلمان کے بارے میں براگمان کرنے کی اجازت نہیں دی چہ جائیکہ اس پر الزام تراشی کی جائے مگر زید صاحب جوش تعصب میں تمام اخلاقی اور شرعی حدود پھلانگ گئے اور اللہ تعالیٰ کے ایک ولی، عاشقِ رسول ﷺ ایک بے مثال عالم دین کی طرف حرام فعل کی نسبت کر کے ایک ایسے قبیح فعل کا ارتکاب کیا جسکی توقع ایک عام مسلمان سے بھی نہیں کی جاسکتی۔ یقیناً یہ کام ایک منافق ہی کر سکتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔

لایستخف بحق ثلٰث الا منافق بین النفاق ذوالشیبة فی الاسلام وذ والعلم وامام مقسط۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر

ترجمہ: تین شخصوں کے حق کو ہلکا نہ جانے گا مگر کھلا منافق ایک وہ جسے اسلام میں بڑھاپا آیا اور عالم دین اور بادشاہ اسلام عادل۔

بہرحال ہم زید صاحب کو اسطرح کی گالیاں دینے سے تو قاصر ہیں جو انھوں نے شیخ کی طرف منسوب کی۔ مگر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ اے مالک و مولا تو شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کے معاملے میں زید سے انصاف کا معاملہ فرما۔ (آمین)

اور جو زید نے قوسین (بریکٹ) کے درمیان میں لکھا ہے کہ "واضح رہے کہ شیخ نے قبضہ کو واجب لکھا لیکن وجوب پر کوئی دلیل ذکر نہیں" اس سے یہ بات کہاں ثابت ہوتی ہے کہ انھیں اس قول کی دلیل بھی نہیں معلوم تھی حالانکہ عدم ذکر عدم علم پر دلالت نہیں کرتا۔ زید صاحب کو اس معاملے میں حسن ظن سے کام لینا چاہئے تھا اسکے بعد ان کی مرضی تھی کہ وہ اسے تسلیم کرتے یا نہ کرتے کیونکہ عربی زبان کا مشہور مقولہ ہے کہ اذا فاتك الادب فلزمت الصمت واذا فاتك الحیاء فافعل ماشئت۔

الحمدللہ اس عاجز وفقیر نے بفیضان ارواح شیخ محقق عبدالحق محدث دھلوی اور امام اہلسنت اعلحضرت رحمۃ اللہ علیہما کے قبضہ کے وجوب پر گذشتہ صفحات پر مستقل چھ دلیلیں بیان کی ہیں اس لئے یہ فقیر انتہائی وثوق سے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

رحمۃ اللہ علیہما کے قبضہ کے وجوب پر گذشتہ صفحات پر مستقل چھ دلیلیں بیان کی ہیں اس لئے یہ فقیر انتہائی وثوق سے کہتا ہے کہ شیخ محقق علیہ الرحمہ نے فقہاء کرام کے اقوال میں جو تاویل فرمائی ہے وہ بالکل درست ہے۔

البتہ یہ سگ بارگاہ شیخ محقق و اعلیٰحضرت رضی اللہ عنھما کہتا ہے کہ زید نے صاحب فتح القدیر امام ابن ھمام کے کلام میں جو تاویل کی ہے وہ انتہائی دوراز کار ہے اور فاسد ہے جیسا کہ ہم اسکو ثابت بھی کر چکے ہیں۔ اس لئے ہم زید صاحب کے الفاظ کو انہی کے لئے دہرا دیتے ہیں جو کہ انھوں نے شیخ محقق کے لئے استعمال کئے ہیں

ہم زید صاحب سے کہتے ہیں کہ اگر دلائل شرعیہ اور قواعد فقہیہ کا لحاظ کئے بغیر اس قسم کی تاویل کو جائز قرار دیا جائے تو پھر فقہاء کی اصطلاحی تصریحات بازیچۂ اطفال بن جائیں گی۔ اور ہر شخص فقہاء کی تصریحات کو اپنی رائے کے مطابق تبدیل کر سکے گا۔ واجب کو کہہ دے گا کہ یہ ثابت کے معنوں میں ہے فرض کو کہہ دے گا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حرام نہیں ہے لہٰذا اس کا کرنا ضروری نہیں ہے اور حرام کو کہہ دے گا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ فرض نہیں ہے لہذا اس کا ترک کر دینا ضروری نہیں اور اس کا فعل جائز ہے۔ **(العیاذ باللہ تعالی)**

یہ فقیر کہتا ہے کہ خود زید صاحب اس قسم کی حرکات کا ارتکاب کئی مقامات پر کر چکے ہیں اول تو انھوں نے علامہ زبیدی حنفی کی عبارت کو نقل کرنے کے بعد یہ لکھا کہ

"اس بات میں یہ تصریح ہے کہ جمہور ائمہ کے نزدیک داڑھی بڑھانا اولیٰ ہے جسکا تقاضا ہے کہ داڑھی کو کاٹ کر کم کرنا خلاف اولیٰ ہے حرام نہیں ہے"۔

اس عبارت میں زید صاحب نے یہ دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے کہ مطلقا داڑھی کو کاٹنا خواہ وہ قبضہ سے کم ہو یا زیادہ خلاف اولیٰ ہے۔ حالانکہ علامہ زبیدی کا کلام اس داڑھی کے متعلق ہے جو کہ قبضہ سے زیادہ ہو اور کاٹ کر کم کرنے سے مراد داڑھی کا وہ حصہ ہے جو کہ قبضے سے زائد ہو۔

دوم زید نے علامہ ابن ھمام رحمہ اللہ کے قول "اور اس سے مزید داڑھی کم کرنا جیسا کہ بعض فرنگی اور ہیجڑے کرتے ہیں اسکو کسی نے جائز نہیں کہا"۔ میں فلم یبحه احد کا ترجمہ "مباح نہیں کہا" کر کے علمی خیانت کا ارتکاب کیا ہے پھر مزید اسی عبارت کے عتاب سے بچنے کے لئے اور لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے غلط نتیجہ نکالتے ہوئے یوں لکھا "ثانیا یہ ٹھیک ہے کہ کسی نے اسکو مباح (صحیح ترجمہ جائز یا حلال ہوگا۔ عطاری) نہیں لکھا لیکن کسی نے قبضہ سے کم داڑھی کاٹنے کو حرام یا مکروہ تحریمی بھی نہیں کہا حتی کہ قبضہ کا وجوب ثابت ہو"۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہم نے زید صاحب کی دو علمی خیانتیں نقل کر دی ہیں انکو دیکھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ شاید اردو زبان کا محاورہ "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے" زید صاحب جیسے ہی لوگوں کے لئے کہا گیا ہے کیونکہ انھوں نے شیخ محقق عبدالحق محدث دھلوی رحمہ اللہ کے بارے میں اس قسم کی علمی خیانت کی نسبت کی ہے مگر اسے ثابت نہ کر سکے جبکہ خود انکے کلام میں اس قسم کی علمی خیانتیں موجود ہیں۔

اعتراض (۸)

زید صاحب لکھتے ہیں،

اس سلسلے میں ایک شبہ پیش کیا جاتا ہے کہ جن حضرات نے قبضہ بھر داڑھی کو سنت کہا ہے ان کی مراد یہ ہے کہ داڑھی میں قبضہ اگر چہ واجب ہے مگر اس کا ثبوت سنت سے ہے جیسا کہ فقہاء کرام نے عید کی نماز کو باوجود واجب ہونے کے اسی بناء پر سنت کہا ہے اس دلیل میں سخت مغالطہ آفرینی کی گئی ہے نماز عید کا معاملہ یہ ہے کہ نماز عید کے متعلق امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے دو روایتیں منقول ہیں ایک میں نماز عید کو واجب کہا ہے اور ایک میں سنت۔ بعض فقہاء مثلاً صاحب ھدایہ نے واجب کے قول کو ترجیح دی ہے اور سنت کے قول کی تاویل کی ہے کہ اس کا ثبوت سنت سے ہے۔ سو اگر داڑھی میں قبضہ کے متعلق بھی امام اعظم رضی اللہ عنہ کے دو قول ہوتے ایک "وجوب کا" دوسرا "سنت کا" تو یہ بات درست ہوتی۔

الجواب

زید صاحب نے اس عبارت میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف نماز عید کے متعلق نسبت کر کے علماء کرام کے مؤقف کو کمزور کرنے کے لئے دلیل بنایا ہے حالانکہ علماء کرام نے جو بات بیان کی ہے وہ ہمارے فقہاء کرام کی عادت کے عین مطابق ہے کیونکہ فقہاء کرام عموماً واجب کو سنت اس لئے کہہ دیتے ہیں کہ اس کا وجوب سنت سے ثابت ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے پچھلے صفحات میں اعتراض (٦) کے جواب کی تفصیل میں نماز باجماعت کے بارے میں فقہاء کرام کے اقوال نقل کئے ہیں۔ البتہ زید صاحب نے علماء کرام کی طرف سے نماز عید کو مقیس علیہ لکھا ہے اس میں ہمیں شک ہے کہ علماء کرام نے نماز عید کو مقیس علیہ بنایا ہے یا نہیں کیونکہ فقیر کی نظر سے اس باب سے متعلق علماء کرام کی کوئی ایسی عبارت نہیں گذری۔ بہر حال یہ فقہاء کرام کی عادت ہے کہ جب ان کے سامنے کسی مسئلے کا وجوب ظاہر ہو جائے تو وہ متقدمین کے اقوال میں یہ کہہ کر تاویل کرتے ہیں کہ سنت سے مراد اسکا وجوب

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

زید صاحب کی تنگ نظری

زید صاحب نے اپنی اسی کتاب میں داڑھی میں قبضہ کے وجوب کے قائلین پر قرآن مجید کی وہ آیات چسپاں کی ہیں جو کہ یہود و ہنود و نصاریٰ اور دیگر کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہیں زید صاحب نے ان آیات طیبات کو بالکل اسی طرح استعمال کیا ہے جسطرح وہابی اور دیوبندی قرآن مجید کی ان آیات کو اہل سنت کے خلاف استعمال کرتے ہیں یہ ایک نہایت ہی افسوس ناک امر ہے جس کا ایک پہلو تو اس کا غماز ہے کہ زید صاحب اپنے نظریات میں انتہائی تنگ نظر اور متعصب ہیں اور دوسرا پہلو اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ زید صاحب کے یہاں سلف وصالحین کی کوئی عزت و آبرو نہیں ہے بلکہ اپنی خود ساختہ تحقیق کے مقابلے میں ہر ایک کو ہیچ سمجھتے ہیں حالانکہ وہ اس بات سے خوب اچھی طرح واقف ہیں کہ فقہاء متقدمین کا بعض مسائل میں اختلاف کے باوجود آپس میں کس قسم کا تعلق تھا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کئی مسائل میں اختلاف کے باوجود کبھی بھی امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی بھی سخت قسم کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ جب امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مزار پر فجر کی نماز پڑھی تو اپنی تحقیق کو چھوڑ کر امام اعظم کے طریقے کے مطابق نماز پڑھی اور استفسار پر ارشاد فرمایا کہ مجھے صاحب قبر سے حیاء آتی ہے۔ اس کے برعکس زید صاحب نے شیخ محقق اور اعلیحضرت علیہما الرحمۃ اور انکے معتقدین کو یہود و نصاریٰ کے گمراہ علماء اور گمراہ عوام سے تشبیہ دیتے ہوئے قرآنِ مجید کی کئی آیات مع تفسیر چسپاں کردی ہیں۔ زید صاحب لکھتے ہیں، اتخذوا احبارھم و رھبانھم اربابا من دون اللہ ﴿القران توبہ۔۳۱﴾

ترجمہ: ''انھوں نے اپنے پیروں اور عالموں کو اللہ عزوجل کے سوا رب بنالیا ہے''۔

علامہ آلوسی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے یہ آیت پڑھ کر رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ یہ لوگ اپنے پیروں اور عالموں کی عبادت تو نہیں کرتے تھے آپ ﷺ نے فرمایا کیا یہ بات نہیں ہے کہ جس کو اللہ عزوجل نے حلال کیا یہ اس کو حرام کہتے ہیں۔ اور جس کو اللہ عزوجل نے حرام کیا اس کو یہ حلال کہتے ہیں۔ میں نے کہا کیوں نہیں آپ ﷺ نے فرمایا یہی ان کی عبادت ہے۔

اسی طرح زید صاحب نے جمیع مسلمانانِ اہلسنت اور علماء کرام کو داڑھی میں قبضہ کے وجوب کا قول کرنے کی وجہ سے کافروں اور ان کے گمراہ آباؤ اجداد کے مترادف سمجھتے ہوئے قرآنِ مجید کی ذیل میں دی ہوئی آیت بھی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

چسپاں کردی ہے۔

واذا قیل لهم اتبعوا ما انزل الله قالوا بل نتبع ما وجدنا علیه اٰبائنا
ولو کان الشیطان یدعوهم الی عذاب السعیر. ﴿لقمان ۲۰۔ ۲۱﴾

ترجمہ: ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کی اتباع کرو تو وہ کہتے ہیں کہ (نہیں) بلکہ ہم تو اسکی اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ خواہ شیطان ان کو دوزخ کی طرف بلاتا ہو''۔

ان تمام گستاخیوں کے جواب میں ہم انھیں صرف اتنا کہتے ہیں کہ زید صاحب اپنی ان حرکات کی بناء پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک بدترین مخلوق میں شامل ہیں جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں

وکان ابن عمر یراهم شرار خلق الله و قال انهم انطلقوا الی
آیات نزلت فی الکفار فجعلوها علی المومنین۔

﴿بخاری ج ۲ ص ۱۰۲۴﴾

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما انھیں بدترین مخلوق شمار کرتے تھے کیونکہ انھوں نے وہ آیات جو کافروں کے بارے میں نازل ہوئیں تھیں انہیں مسلمانوں پر چسپاں کیا۔

قول وفعل کا تضاد

زید صاحب داڑھی میں قبضے کے وجوب کے قائلین کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں

'' یہ کہتے ہیں کہ احکام شرعیہ کو مقدر کرنا فلاں اور فلاں کا منصب نہیں ہے یہ اللہ تعالی اور اسکے رسول ﷺ کا حق ہے کہ جس چیز کو چاہیں حلال کردیں اور جس چیز کو چاہیں حرام کردیں۔ ہم لوگ تو صرف مبلغ ہیں۔ ہمارا کام صرف اتنا ہے کہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ نے جس چیز کو حلال کیا ہو اسکی حلت بیان کردیں اور جس چیز کو حرام کیا ہو اسکی حرمت بیان کردیں ہم شارع نہیں ہیں کہ از خود کسی چیز کو حلال یا حرام کریں اور جو لوگ بغیر کسی صریح اور قطعی حدیث کے محض اپنی رائے سے داڑھی میں قبضے کو واجب اور خواہ ایک پور کے برابر قبضہ سے کم داڑھی ہو اسکو حرام کہہ رہے ہیں ان کو اللہ سے ڈرنا چاہئے اور قرآن کریم کی ان آیات سے عبرت پکڑنا چاہئے۔

''اور جن چیزوں کے متعلق تمہاری زبانیں جھوٹ بولتی ہیں ان کے بارے میں یہ نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہے۔تا کہ تم اللہ پر بہتان باندھو بے شک جو اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتے ہیں وہ کبھی فلاح نہ پائیں گے"۔

الحمد للہ جہاں تک داڑھی میں قبضہ کی مقدار کے وجوب کا تعلق ہے تو اسکے دلائل ہم گذشتہ صفحات پر بیان کر چکے ہیں یہ زید صاحب کی خام خیالی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے پاس اسکے دلائل نہیں۔اسی لئے انھوں نے قرآن مجید کی اس آیت کو اہلسنت پر چسپاں کر دیا۔مگر حقیقت یہ ہے کہ اہلسنت و جماعت کے بجائے خود زید صاحب اس آیت کی زد میں آتے ہیں ہم انھی کی تحریر کے آئینے میں اس بات کا ثبوت فراہم کر دیتے ہیں۔

زید صاحب اپنی اسی کتاب میں لکھتے ہیں

" چونکہ رسول اللہ ﷺ نے داڑھی منڈانے پر انکار کیا ہے اور داڑھی منڈانے سے داڑھی بڑھانے کے حکم کی بالکلیہ مخالفت ہوتی ہے اس لئے ہمارے نزدیک داڑھی منڈانا مکروہ تحریمی یا حرام ظنی ہے اور مطلقاً داڑھی رکھنا واجب ہے"۔

زید صاحب کی اس عبارت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر کوئی شخص چھوٹی سی داڑھی رکھ لے تو انکے نزدیک ایسا کرنا جائز ہوگا کیونکہ اس کے بارے میں انکار ثابت نہیں ہے البتہ ایسا کرنے سے " واعفوا اللحی " (داڑھیاں بڑھاؤ) کے غیر وجوبی امر کا خلاف لازم آئے گا جو کہ زیادہ سے زیادہ خلاف اولیٰ ہوگا۔مگر زید صاحب نے اپنی اسی کتاب میں اس کے برعکس یہ بھی لکھ دیا ہے کہ ایسا کرنا ان کے نزدیک جائز نہیں۔زید صاحب کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

" یہ واضح رہے کہ خشخشی داڑھی رکھنے یا فرنچ کٹ داڑھی رکھنے یا داڑھی کی زیادہ مقدار کاٹنے کے مجوز نہیں"۔

اب ہم زید صاحب سے سوال کرتے ہیں کہ کیا آپ نے اس کام کو ناجائز نہیں کر دیا؟ کہ جس کو آپ کے زعم میں اللہ عزوجل اور رسول ﷺ نے حلال قرار دیا ہے۔یقیناً یقیناً آپ نے ایسا ہی کیا ہے آپ کو اللہ عزوجل سے ڈرنا چاہیے اور آپکو اپنے گریبان میں جھانکنا چاہیے۔ممکن ہے کہ زید کے متبعین میں سے کوئی یوں کہہ دے کہ زید صاحب نے خشخشی داڑھی، فرنچ کٹ اور چھوٹی داڑھی کے ناجائز ہونے کی وجہ لکھ دی ہے کیونکہ یہ عرف و عادت کے خلاف ہے اور احکام میں عرف و عادت کا اعتبار ہوتا ہے۔فقیر کہتا ہے کہ زید اور ان کے متبعین کا یہ جواب ان کی قواعد فقہیہ سے جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے کیونکہ احکام میں عرف اور عادت کا اعتبار اُسوقت ہوتا ہے جب احکام میں نص وارد نہ ہو جب نص وارد ہو جائے تو عرف و عادت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا کیونکہ نص

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اقوی ہے عرف وعادت سے جیسا کہ علامہ عبدالغنی الغنیمی المیدانی رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا

لان النص اقوی من العرف والاقوی لا یترک بالادنی۔

﴿اللباب فی شرح القدوری الجزء الاول ۲۸۷۔۲۵۶ میر محمد کتب خانہ﴾

ترجمہ: کیونکہ نص قوی ہے عرف سے اور اقوی کو ادنی کے مقابلے میں نہیں ترک کیا جاتا۔

چونکہ زید صاحب کے نزدیک داڑھی کو ایک مشت سے کم کرنے کے جواز پر نص وارد ہے لہذا اس جواز کو عرف کی وجہ سے ناجائز نہیں کر سکتے لہٰذا زید صاحب نے جو آیات غلط تاویل کے ذریعے اہلسنت پر چسپاں کرنے کی کوشش کی ہے اس سے خود کو نہیں بچا سکتے۔

اللہ تعالی تمام مسلمانوں کو اس قسم کی غلط سوچ سے محفوظ فرمائے۔

هذا ما ظهرلی والعلم بالحق عندالله ورسوله عزوجل و ﷺ.

کتبہ: محمد ابوبکر صدیق العطاری

۱۶ جولائی ۱۹۹۸ء

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

وجد (دھمال) کی شرعی حیثیت

احادیث کریمہ اور اقوال ائمہ کی روشنی میں

وجد وتواجد کی شرعی تحقیق

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ محفل نعت میں بعض لوگ اچھل کود اور رقص کرتے ہیں نیز اپنے پیر صاحب کی آمد پر خوشی کے باعث یا اپنا کوئی مطالبہ منوانے کیلئے بھی اسی طرح کا انداز اختیار کرتے ہیں جو بے خودی میں ایسی حرکات کا ارتکاب کرے تو یہ سمجھ میں آتا ہے مگر جو ہوش وحواس درست ہونے کے باوجود قصداً ایسا کرے اس کیلئے شرعاً کیا حکم ہے؟ مہربانی فرما کر عقلی ونقلی دلائل سے مسئلہ واضح کریں عربی عبارات کا ترجمہ بھی فرمادیں۔ بینوا توجروا

سائل: عبداللہ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الوهاب

اللهم هداية الحق والصواب

اگر یہ وجد یعنی اُچھل کود ورقص ممنوعاتِ شرعیہ مثلِ ریاء وقواعدِ رقص وغیرہ پر مشتمل ہو تو ناجائز ورنہ جائز ہے علامہ خیر الدین رملی علیہ الرحمۃ سے جب سوال کیا گیا کہ کچھ لوگ مسجد میں جمع ہو کر ذکر اذکار کرتے ہیں اور دورانِ ذکر اچھل کود ورقص کرتے ہیں۔ تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسکے جواب میں خوب تحقیق فرمائی اور رقص کے بارے میں فرمایا"

واما الرقص ففيه للفقهاء كلام منهم من منعه ومنهم من لم يمنع حيث وجد لذة الشهود و غلب عليه الوجد واستدلوا بما وقع لجعفر بن ابى طالب لما قال له عليه الصلوة والسلام اشبهت خلقى وخلقى و فى لفظ جعفر أشبه الناس بى خلقا و خلقا فجعل اى مشى على رجل واحد و فى رواية رقص من لذة هذا الخطاب و لم ينكر عليه ﷺ رقصه وجعل ذلك اصلا لجواز رقص الصوفية عند ما يجدونه من لذة المواجيد فى مجالس الذكر والسماع و فى التتارخانيه ما يدل على جوازه للمغلوب الذى حركاته كحركات

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

المرتعش وبهذا افتى البلقيني وبرهان الدين ابناسي و بمثله اجاب بعض الحنفية والمالكية وكل ذلك اذا خلصت النية وكانوا صادقين في الوجد مغلوبين في القيام والحركة في شدة الهيام والشي قد يتصف تارة بالحلال وتارة بالحرام باختلاف القصد والمرام۔

﴿فتاوی خیریہ میر محمد کتب خانہ کراچی حصہ دوئم صفحہ ۱۸۲﴾

ترجمہ:- رقص میں فقہاء کو کلام ہے بعض نے اسے منع فرمایا اور بعض نے اسے جائز فرمایا جبکہ واجد کو لذتِ شہود حاصل ہو اور اس پر وجد غلبہ کر جائے اور اس پر استدلال جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے فعل سے کیا کہ جب نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ "تم سیرت و صورت میں میرے مشابہ ہو۔" ایک روایت میں ہے کہ لوگوں میں سب سے زیادہ جعفر رضی اللہ عنہ سیرت و صورت میں میرے مشابہ ہیں تو جعفر رضی اللہ عنہ ایک پاؤں پر چلنے لگے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جعفر رضی اللہ عنہ اس خطاب کی لذت سے رقص کرنے لگے مگر نبی کریم ﷺ نے انکے رقص پر انکار نہ فرمایا اس حدیث کو اصل بنایا گیا ہے صوفیاء کرام کے رقص کیلئے جب وہ مجالس ذکر و سماع میں لذت وجد سے دوچار ہوتے ہیں۔ تاتارخانیہ کی عبارت بھی مغلوبین کی ان حرکات جو کہ مرتعش کی حرکات کی طرح ہوتی ہے کے جواز پر دلالت کرتی ہے اسی پر بلقینی و برہان الدین ابناسی رحمہم اللہ نے فتویٰ دیا اور اسی کے مثل بعض ائمہ حنفیہ و مالکیہ نے فتویٰ دیا اور یہ جواز اسی صورت میں ہے کہ جب نیت خالص ہو اور وجد میں صادق ہوں اور کھڑے ہونے پر مجبور ہوں اور ان کی یہ حرکت شدت عشق کی وجہ سے ہو مقاصد کے اختلاف کی وجہ سے ایک ہی چیز کبھی حلال ہو جاتی ہے اور کبھی حرام۔"

جب یہی سوال حافظ ابن حجر الہیتمی رحمہ اللہ سے کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا

نعم له اصل فقد روى في الحديث ان جعفر بن ابى طالب رضی اللہ عنہ رقص بين يدى النبى ﷺ لما قال له اشبهت خلقي و

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

خلقي وذلک من لذة هذا الخطاب ولم ينكر عليه ﷺ وقد صح القيام والرقص في مجالس الذكر والسماع عن جماعة من كبار الائمة منهم عزّ الدين شيخ الاسلام ابن عبد السلام۔

﴿فتاوی حدیثیه میرمحمد کتب خانه ص ۲۹۸﴾

ترجمہ:- ہاں اس کیلئے اصل ہے تحقیق حدیث شریف میں روایت کیا گیا ہے کہ جعفر رضی اللہ عنہ نے نبی مکرم ﷺ کے سامنے رقص کیا جب آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم سیرت و صورت میں میرے مشابہ ہو اور رقص نبی اکرم ﷺ کے خطاب کی لذت کی وجہ سے تھا اور نبی کریم ﷺ نے اس فعل سے منع بھی نہیں فرمایا تحقیق بڑے بڑے ائمہ کرام جن میں عزالدین شیخ الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ بھی شامل ہیں، سے مجالس ذکر وسماع میں قیام ورقص ثابت ہے۔"

اسی طرح اپنے پیر کی آمد پر یا ان سے کوئی مطالبہ منوانے کیلئے مسجد میں وجد وتواجد کے اظہار کرنے کا معاملہ ہے اگر وہ مطالبہ جائز ہو اور اس میں کوئی شرعی قباحت نہ ہو تو اسکے جواز میں کوئی شک نہیں ہے، علامہ خیر الدین رملی علیہ الرحمۃ سے جب اسی قسم کا سوال کیا گیا اور کہا گیا

ويقولون يا شيخ عبد القادر، يا شيخ احمد، يار رفاعي شيئاًلله ياعبدالقادر و نحو ذلک ويحصل لهم في اثناء الذكر وجد عظيم و حال يعقد ويقيم فيرفعون اصواتهم بالذكر۔

﴿فتاویٰ خیریہ میر محمد کتب خانہ جلد دوئم ص ۱۸۰﴾

ترجمہ:- وہ لوگ کہتے ہیں یا شیخ عبدالقادر، یا شیخ احمد، یا رفاعی شیئاً للہ یا عبدالقادر (کچھ نظرِ کرم فرمایئے اللہ کے واسطے اے عبدالقادر) اور اسکے مثل دیگر کلمات۔ اس ذکر کے دوران انہیں وجد عظیم لاحق ہوتا ہے اور ان پر حال طاری ہوتا ہے جو انہیں بٹھاتا اور کھڑا کرتا ہے چنانچہ وہ لوگ اس ذکر سے اپنی آوازوں کو بلند کرتے ہیں،،

تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد میں اسطرح کے عمل کو نہ صرف جائز قرار دیا بلکہ اسکے انکار کرنے والوں کا رد فرمایا۔ من

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

شاء التفصيل فليراجع الفتاوى الخيريه

اسی طرح تواجد کا معاملہ ہے تواجد یہ ہے کہ وجد حقیقی تو نہ ہو مگر اہل حال کی پیروی کی نیت سے انہی جیسی حرکات کرنا اگر یہ ریاء کاری سے پاک ہو تو محمود ہے امام غزالی علیہ الرحمۃ اس بارے میں رقمطراز ہیں

واعلم ايضا ان الوجد ينقسم الى هاجم والى متكلف ويسمى التواجد وهذا التواجد المتكلف فمنه مذموم وهو الذى يقصد به الرياء وأظهار الاحوال الشريفة مع الأفلاس منها ومنه ماهو محمود و هو التوسل الى استدعاء الاحوال الشريفة واكتسابها واجتلابها بالحيلة فان للكسب مدخلا فى جلب الاحوال الشريفة ولذلك امر رسول الله ﷺ من لم يحضره البكاء فى قراة القرآن ان يتباكى و يتحاذن فان هذه الاحوال قد تتكلف مباديها و تحقق او اخرها۔ وكيف لا يكون التكلف سببا فى ان يصير المتكلف فى الآخرة طبعا كل من يتعلم القرآن اولا لا يحفظه تكلفا ويقرؤه تكلفا مع تمام التأمل وأحضار الذهن ثم يصير ذلك للسان مطردا حتى يجرى به لسانه فى الصلوٰة وغيرها وهو غافل فيقرأ تمام السورة وتثوب نفسه اليه بعد انتهائه الى آخرها ويعلم انه قرأها فى حال غفلته وكذلك ا لكاتب يكتب فى الابتداء بجهد شديد ثم تتمرن على الكتابة يده فيصير الكتب له طبعا فليكتب اوراقا كثيرة وهو مستغرق القلب بذكر آخر فجميع ما تحتمله النفس والجوارح من الصفات لا سبيل الى اكتسابه الا بالتكلف و التصنع اولاً ثم يصير بالعادة طبعا وهو المراد بقول بعضهم۔ العادة طبعية خامسة فكذلك الاحوال

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

الشريفة لا ينبغي ان يقع اليأس منها عند فقدها بل ينبغي ان يتكلف اجتلابها بالسماع وغيره فلقد شوهد في العادات من اشتهى ان يعشق شخصاً ولم يكن يعشقه فلم يزل يردد ذكره على نفسه ويديم النظر اليه ويقرّر على نفسه الاوصاف المحبوبة والاخلاق المحمودة فيه حتى عشقه ورسخ ذلك في قلبه رسوخا خرج عن حدّ اختياره فاشتهى بعد ذلك الاخلاص منه فلم يتخلص فكذالك حب الله تعالىٰ والشوق الى لقائه والخوف من سخطه وغير ذالك من الاحوال الشريفة اذا فقدها الانسان فينبغي ان يتكلف اجتلابها بمجالسة الموصوفين بها و مشاهدة احوالهم و تحسين صفاتهم في النفس بالجلوس معهم في السماع وبالدعاء والتضرع الى الله تعالىٰ في ان يرزقه تلك الحالة بأن يسير له اسبابها۔

﴿احیاء العلوم دارالاحیاء التراث العربی بیروت ج۲ص ۲۹۶۔۲۹۵﴾

ترجمہ:- تو یہ بھی جان لے کہ وجد کی دو قسمیں ہیں۔(۱) بے تکلف وجد (۲) باتکلف وجد۔اور یہ دوسری قسم تواجد کہلاتی ہے پھر تواجد کی بھی دو قسمیں ہیں۔ایک مذموم کہ جس کے ذریعے ریاکاری کا ارادہ کیا جائے اور باطن کے خالی ہونے کے باوجود احوال شریفہ کے اظہار کی نیت کی جائے۔دوسری قسم محمود ہے کہ جس کے ذریعے احوال شریفہ کے حصول و اکتساب کی کوشش کی جائے کیونکہ احوال شریفہ کے حصول میں کسب کا دخل ہے اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا ہے اس شخص کے لئے رونے جیسی صورت بنانے کا کہ جسے قراءت قرآن میں رونا نہ آئے۔چنانچہ ان احوال کے مبادی میں تکلف کیا جائے تو اسکے اواخر متحقق ہوتے ہیں اور متکلف کی طبیعت میں تکلف کیوں نہ سبب بنے گا کہ ہر قرآن سیکھنے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

والا ابتداء تکلف ہی سے حفظ کرتا ہے اور تامل ہی کے بعد تکلف ہی سے قراءت کرتا ہے۔ یہاں تک کہ نماز وغیر نماز میں اسکی زبان پر قراءت جاری ہو جاتی ہے اس حال میں کہ وہ غافل ہوتا ہے پس وہ پوری سورت پڑھ لیتا ہے اور پوری قراءت درست ہوتی ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اس نے اسے غفلت کی حالت میں پڑھا ہے ایسے ہی کاتب کا معاملہ ہے ابتداء تو بہت مشکل سے لکھ پاتا ہے پھر کتابت پر اس کا ہاتھ چل پڑتا ہے اور لکھنا اس کی طبیعت میں شامل ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ بہت زیادہ صفحات لکھ لیتا ہے باوجود یہ کہ اس کا دل کسی اور فکر میں مستغرق ہوتا ہے پس وہ تمام صفات جن کا احتمال نفس و جوارح میں پایا جاتا ہے وہ ابتداء تکلف و بناوٹ ہی کے ذریعے سے کسب کی جاتی ہیں پھر عادت کے ذریعے سے طبیعت کا حصہ بن جاتی ہیں اور بعض علماء کے قول کے مطابق عادت پانچویں طبیعت ہے سے یہی مراد ہے چنانچہ یہی معاملہ احوال شریفہ (وجد) کا ہے انسان کو وجد نہ ہونے کی وجہ سے مایوس نہیں ہونا چاہیے بلکہ اسے چاہیئے کہ سماع وغیرہ کے ذریعے اس کے حصول کی کوشش کرے تحقیق اس بات کا عادۃً مشاہدہ کیا گیا ہے کہ جب کوئی کسی شخص سے عشق کرنے کی خواہش رکھتا ہے حالانکہ اس وقت دل میں اس شخص کیلئے عشق نہیں ہوتا پھر وہ اس کی یاد میں لگ جائے اور اپنی فکر کو اسی جانب متوجہ کرے اور خود اپنی ذات میں اسکے اوصاف محبوبہ اور اخلاق محمودہ کو مقرر کرے تو بالآخر عشق کی خواہش کرنے والے کے دل میں ایسا عشق پیدا ہوتا ہے کہ اسکے اختیار سے باہر ہو جاتا ہے پھر اگر وہ اس عشق سے چھٹکارا بھی چاہے تو چھٹکارا نہیں پاسکتا ہے ایسا ہی معاملہ اللہ تعالیٰ کی محبت، اس سے ملاقات کا شوق، اسکے غضب کے خوف وغیرہ دیگر احوال شریفہ کا ہے پس اگر کوئی ان احوال شریفہ سے خالی ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ ان احوال شریفہ سے متصف لوگوں کی بیٹھک، ان کے احوال کے مشاہدے، اپنے نفس میں ان کی صفات کی تحسین کرے، ان کے ساتھ مجلس سماع میں بیٹھ کر ان احوال شریفہ کے لئے کسب کرے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں عاجزی کرے اور دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اسے وہ حالت عطا فرمائے کہ جس کے ذریعے احوال شریفہ کے کسب

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کے اسباب میسر آ جائیں۔"

علامہ خیر الدین رملی علیہ الرحمۃ نے بھی مسجد میں حسن نیت کے ساتھ مغلوبین حال کی پیروی میں اچھلنے، کودنے اور بے ہنگم رقص کرنے کے جواز کا قول فرمایا اور اس پر احادیث سے استدلال فرمایا آپ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

وفی شرح الجامع الصغیر للمناوی فی قولہ ﷺ من احب قوماً حشرہ اللّٰہ تعالیٰ فی زمرتھم قال من احب اولیاء الرحمن فھو فی الجنان ومن احب حزب الشیطان فھو معھم فی النیران وفیہ اشارۃ عظیمۃ لمن احب الصوفیۃ او تشبہ بھم و انہ یکون مع تفریطہ بالتیام بما ھم علیہ فی الجنۃ و من تشبہ بھم انما فعل ذلک لمحبتہ ایاھم۔

﴿فتاویٰ خیریہ میر محمد کتب خانہ حصہ دوم ص ۱۸۰﴾

ترجمہ:- علامہ مناوی علیہ الرحمۃ کی شرح الجامع الصغیر میں نبی کریم ﷺ کے قول مبارک جو کسی قوم سے محبت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ انہیں کے زمرے میں اس کا حشر فرمائے گا" کے بارے میں ہے کہ فرمایا جو رحمٰن عزوجل کے اولیاء سے محبت رکھتا ہے وہ جنت میں ہے اور جو شیطانی جماعت سے محبت رکھتا ہے تو وہ انکے ساتھ آگ میں ہے۔ اس میں عظیم اشارہ ہے اس شخص کیلئے جو صوفیائے کرام سے محبت رکھتا ہے یا ان کی مشابہت کرتا ہے وہ اپنے قیام میں تفریط کے باوجود ان کے ساتھ جنت میں ہوگا اور جو ان کی مشابہت کرتا ہے تو وہ دراصل ان سے محبت کی وجہ سے کرتا ہے۔"

اعلیٰحضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن نے بھی مغلوبین حال کی پیروی میں حسن نیت سے تواجد کرنے کو نہ صرف جائز بلکہ محمود قرار دیا ہے آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ثم قال ولا شک ان التواجد وھو تکلف الوجد واظھارہ من غیر ان یکون لہ وجد حقیقۃ فیہ تشبہ باھل الوجد الحقیقی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وھو جائز بل ھو مطلوب شرعا قال رسول اللّٰہ ﷺ من تشبہ بقوم فھو منھم رواہ الطبرانی فی الاوسط عن حذیفۃ الیمان رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھما و انما کان المتشبہ بالقوم منھم لان تشبھہ بھم یدل علی حبہ ایاھم ورضاہ باحوالھم وافعالھم و قد قال رسول اللّٰہ ﷺ ان الرجل اذا رضی ھدی الرجل و عملہ مثلہ فھو مثل عملہ رواہ الطبرانی من حدیث عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ (الی ان قال بعد ما اطال واطاب کما ھو دأبہ قدس سرہ) اما تکلف الوجد علی الوجہ الصحیح لاجل التشبہ بالصالحین ولغیر ذالک من المقاصد الحسنۃ فقد اشار الیہ العلامۃ الشیخ القشیری فی اوائل رسالتہ المشھورۃ۔ حیث قال التواجد استدعاء الوجد بضرب اختیار ولیس لصاحبہ کمال الوجد اذ لو کان لکان واجدا و باب التفاعل اکثرہ علی اظھار الصفۃ و لیست کذالک فقوم قالوا التواجد غیر مسلم لصاحبہ لما یتضمن من التکلف ویبعد عن الحقیقی وقوم قالوا انہ مسلم للفقراء والمجردین الذین ترصدوا الوجد ان ھذہ المعانی واصلھم خبر الرسول ﷺ ابکوا فان لم تبکوا فتباکوا۔ اھ

﴿فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ نصف اول صفحہ ۲۱۴﴾

ترجمہ:- پھر حدیقہ میں فرمایا کہ بلاشبہ بالتکلف وجد اور وجد حقیقی نہ ہونے کے باوجود وجد کے اظہار کو تواجد کہتے ہیں تواجد میں حقیقی وجد والوں سے تشبہ ہے اور یہ جائز بلکہ شرعا مطلوب ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جس نے جس قوم کی مشابہت کی وہ انہیں میں سے ہے اس حدیث شریف کو طبرانی نے اوسط میں بروایت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ روایت کیا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہے کسی قوم سے مشابہت کرنے والا اسی قوم سے ہے اس لئے کہ اس کا ان لوگوں کی مشابہت کرنا ان لوگوں سے محبت کرنے اور ان کے احوال و افعال سے راضی ہونے کی دلیل ہے تحقیق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب آدمی کسی دوسرے آدمی کی ہدایت سے راضی ہوا اور پھر وہ اس پر عمل کرے تو اس کا یہ عمل اسی آدمی کے عمل کے مثل ہے اس حدیث شریف کو طبرانی نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (پھر انھوں نے یہاں تک فرمانے کے بعد اپنی عادت کے مطابق خوب اچھا اور طویل کلام کیا) جہاں تک صالحین سے تشبہ اور دیگر مقاصدِ حسنہ کے حصول کے لیے اختیاری وجد کرنے کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں علامہ ابوالقاسم قشیری علیہ الرحمۃ نے رسالہ قشیریہ کی ابتداء میں یہ کہہ کر اشارہ فرمایا کہ تواجد اپنے اختیار سے وجد کو کسب کرنے کو کہتے ہیں حالانکہ اسے وجد نہیں ہوتا ہے کیونکہ اگر اسے حقیقی وجد حاصل ہوتا تو وہ واجد ہوتا تواجد باب التفاعل سے ہے اور باب تفاعل اکثر ایسی صفت کے اظہار کے لئے آتا ہے جو بندہ میں نہ ہو چنانچہ بعض لوگوں نے کہا کہ تواجد اس شخص کیلئے مسلم (سلامتی والا) نہیں ہے جو باتکلف وجد کرتا ہے مگر بعض لوگوں نے کہا کہ یہ ان فقراء اور پرہیز گاروں کے لئے مسلم ہے کہ جو وجد کے منتظر ہوں اسکی اصل رسول اکرم ﷺ کی حدیث ''رؤو اگر رونا نہ آئے تو رونے جیسی صورت بناؤ'' ہے۔

امام اہلسنت رضی اللہ عنہ نے اسی پر بس نہ کی بلکہ ان لوگوں کا رد بھی فرمایا جو متواجدین کی نیت کے بارے میں شک کرتے ہیں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ''امام غزالی علیہ الرحمہ اور دیگر اکابر رحمہم اللہ نے فرمایا کہ اچھی نیت سے حالت بناتے بناتے حقیقت مل جاتی ہے اور تکلّف دفع ہو کر تواجد سے وجد ہو جاتا ہے۔ تو یہ ضرور محمود ہے مگر اسکے لئے خلوت مناسب ہے۔ مجمع میں ہونا اور ریا سے بچنا دشوار ہے پھر بھی دیکھنے والوں کیلئے بدگمانی حرام ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے:

" یا ایھا الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم "

اے ایمان والو بہت گمانوں سے بچو کہ کچھ گمان گناہ ہیں۔

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث

گمان سے بچو کہ گمان سب سے بڑھ کر جھوٹی بات ہے۔ جسے وجد میں دیکھو یہی سمجھو کہ اسکی حالت حقیقی ہے اور اگر تم پر ظاہر ہو جائے کہ وہ ہوش میں ہے اور با اختیار ایسی حرکات کر رہا ہے تو اسے صورت دوم پر محمول کرو جو محمود ہے یعنی محض اللہ کیلئے نیکوں سے تشبہ کرتا ہے نہ کہ لوگوں کے دکھاوے کو ان دونوں صورتوں میں نیت ہی کا فرق ہے اور نیت امر باطن جس پر اطلاع اللہ و رسول کو ہے جل وعلاو ﷺ۔ تو اپنی طرف سے بری نیت قرار دے لینا برے ہی دل کا کام ہے آئمہ دین فرماتے ہیں۔

الظن الخبیث انما ینشأ من القلب الخبیث

خبیث گمان خبیث دل ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ

﴿فتاوی رضویہ جلد ۱۰ نصف آخر صفحہ 78﴾

ادعو من اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان یحفظنا من سوء الظن و یحشرنا فی زمرۃ الصوفیاء والصالحین ۔ اٰمین ۔

واللہ و رسولہ اعلم بالصواب جل وعلا و ﷺ

کتبـــــہ

محمد ابوبکر صدیق عطاری

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

پہلی منزل پر صفا و مروہ کے مابین سعی کا حکم

لوگوں کے ازدہام کے باعث صفا و مروہ
کے مابین تعمیر کردہ جدید عمارت پر
سعی کرنے کا شرعی حکم

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ سعودی حکومت نے صفا مروہ کے مابین سعی کے لیئے جو جدید عمارتِ قائم کی ہے اس پر چڑھ کر سعی کرنے سے واجب ادا نہ ہوگا کیونکہ یہ مسجد نہیں ہے کہ جس کی فضا اور زمین کے لیئے ایک ہی حکم ہو برائے مہربانی آپکے نزدیک درست مسئلہ کیا ہے تحریر فرما دیجیئے اللہ تعالیٰ آپکو جزائے خیر عطا فرمائے۔ امین

مستفتی محمد کامران قادری

گجرات۔ سرائے عالمگیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجـــواب بعون الوهاب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں فقیر کے نزدیک اوپر والی منزل پر بھی سعی کرنے سے واجب ادا ہو جائے گا اس کیلیئے مسجد ہونا ضروری نہیں ہے بعض علماء کرام نے جو نفی کا قول کیا ہے اسکی ایک وجہ تو ظاہر ہی ہے جیسا کہ سوال میں بیان کیا گیا ہے یعنی انکے نزدیک صفا و مروہ کے مابین زمین پر مشی بالاقدام (قدموں کے بل چلنا) واجب ہے یا یہ کہ ان کے نزدیک صفا و مروہ کی پہاڑیوں پر چڑھنا واجب ہے کیونکہ ان علماء اکرام نے نفی کیلیئے عدم مسجد کی تعلیل بیان کی ہے اس سے یہی ظاہر ہے۔ حالانکہ مشی بالاقدام کا وجوب مفقود ہے۔ مگر ممانعت کی یہ دونوں علتیں ہی درست نہیں ہیں۔ کتب فقہیہ میں ان کا ثبوت نہیں ملتا بلکہ اس کے برعکس اگر کہیں مشی علی ارض الصفا والمروۃ (صفا مروہ کی زمن پر قدموں کے بل چلنے) کے وجوب کا وہم بھی ہوا تو دیگر علماء کرام نے اسکا رد فرمایا ہے جیسا کہ امام سندی علیہ الرحمہ کی عبارت سے یہ وہم ہوتا ہے آپ فرماتے ہیں،

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ویلصق عقبیه فی الابتداء بالصفا واصابع رجلیه بالمروة وفی الرجوع عکسه ۔

﴿لباب المناسک مع ارشاد الساری مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص:۱۲۰﴾

ترجمہ: اور ابتداء میں اپنی ایڑیوں کو صفا سے لگائے گا اور پاؤں کی انگلیوں کو مروہ اور واپسی میں اس کے برعکس کریگا۔

مگر ملا علی قاری نے اس کی وضاحت فرمادی کہ یہ واجب نہیں ہے۔آپ فرماتے ہیں،

ثمّ رأیت قول الطرابلسی صریحا والشرط ان یقع جمیع المسافة بین الصفا والمروة وتعقبه' المصنف بقوله فی الکبیر وهولیس بظاهر لأنه مذهب الشافعیة لامذهبنا ۔

ترجمہ: پھر میں نے طرابلسی کا صریح قول دیکھا کہ سعی کے لئے شرط ہے کہ پوری سعی صفا و مروہ کے درمیان ہو مگر مصنف نے کبیر میں یہ کہہ کر اس بات کا تعاقب کیا کہ یہ ظاہر نہیں ہے بلکہ شافعیہ کا مذہب ہے نہ کہ ہمارا۔

﴿ایضا﴾

مذکورہ بالا اور دیگر عبارات فقہیہ سے اتنا تو ثابت ہے کہ صفا اور مروہ کے درمیان مشی واجب ہے مگر یہ ہرگز بھی ثابت نہیں ہے کہ یہ مشی بعینها علی ارض الصفاوالمروة پرہو اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بحر الرائق، التاتارخانیہ، اور مناسک ملا علی قاری رحمہ اللہ وغیرہ کتب میں بیان کردہ مسئلہ سے پتہ چلتا ہے کہ مشی بالاقدام علی الارض بعینها (خاص صفا و مروہ کی زمین پر چلنا) واجب ہے وہ مسئلہ درج ذیل ہے۔واللفظ للبحر

وقد قدمنا ان المشی فیه واجب حتی لو سعی راکبا من غیر عذر لزمه دم ۔

﴿البحر الرائق۔ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ ج۔۳ص۔۳۳۲﴾

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ سوار ہو کر سعی کرنے پر دم اس لیے واجب ہوا ہے کہ اس نے مشی بالاقدام

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

علی ارض مابین الصفا والمروۃ (صفا و مروہ کے مابین زمین پر قدم کے بل چلنا) کو ترک کیا ہے۔ الجواب: یہ فقیر حقیر پر تقصیر عرض کرتا ہے کہ اس عبارت سے مشی علی الارض ثابت کرنا خطا ہے بلکہ دم واجب ہونیکی وجہ مطلق سعی کو ترک کرنا ہے اور وہ سواری کرنے سے فوت ہو جاتی ہے کیونکہ اگر مشی بالاقدام علی الارض (زمین پر قدموں کے بل چلنا) واجب ہوتی تو علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ کی عبارت میں فیہ کے بجائے علیہ ہوتا ہے اور عبارت یوں ہوتی،

"ان المشی علی الارض واجب ...."

مزید وضاحت کے لیئے تاتارخانیہ کی عبارت درج کی جاتی ہے

لوطاف بالبیت محمولا اوراکبا او سعی بین الصفا و المروۃ راکباًاومحمولا ان کان ذالک بعذر یجوز ولا یلزمہ شیٔ وان کان بغیر عذر فما دام بمکۃ یعید ان رجع الی اھلہ فانہ یریق لذالک دما عندنا۔

﴿التاتارخانیہ ادارۃ القرآن ج۲ص۴۵۱﴾

ترجمہ: اگر کسی نے بیت اللہ شریف کا طواف لدے ہوئے یا سوار ہو کر کیا یا صفا و مروہ کے درمیان سوار ہو کر یا لد کر سعی کی اگر ایسا کرنا کسی عذر کی وجہ سے تھا تو جائز ہے اور اس پر کوئی چیز لازم نہ ہوگی۔ اور اگر بغیر عذر ایسا کیا تو جب تک مکہ معظمہ میں ہے اس کو دھرائے گا اور اگر وہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ آیا تو ہمارے نزدیک دم دے گا۔

علامہ عالم بن العلاء الانصاری الاندرپتی رحمہ اللہ کی عبارت سے پتہ چلا کہ طواف بیت اللہ اور سعی بین الصفا والمروۃ میں مشی بالاقدام واجب ہے اور ان دونوں کا حکم ایک ہی ہے اور یہ بات اھلِ علم پر روشن ہے کہ بیت اللہ کے طواف میں ارض مسجد (مسجد کی زمین) شرط نہیں ہے بلکہ مسجد کی پہلی دوسری یا تیسری منزل پر رہتے ہوئے بھی طواف کیا جائے تو طواف ہو جائے گا کیونکہ زمین شرط نہیں ہے بعینہٖ اسی طرح سعی بین الصفا والمروۃ میں ارض بعینھا شرط نہیں ہے بلکہ اگر کوئی دوسری یا تیسری منزل میں بھی صفا اور مروہ کے مابین سعی کرے اور مشی بالاقدام پائی جائے تو واجب ادا ہو جائے گا لہذا جس طرح طواف بیت اللہ میں دم واجب ہونے کی وجہ ترک ارض مسجد کے بجائے ترک مشی بالاقدام (اپنے پاؤں کے بل چلنا) بدونِ عذر ہے اسی طرح سعی بین الصفا و

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

المروہ میں بھی دم واجب ہونے کی وجہ ترک مشی بالاقدام علی ارض الصفا والمروۃ کے بجائے ترک مشی بالاقدام بدونِ عذر ہے۔

علی سبیل التنزل بالفرض یہ بات مان لی جائے کہ صفا مروہ کے مابین سعی میں مشی بالاقدام علی الارض واجب ہے تو پھر بھی پہلی، دوسری اور تیسری منزل میں مشی کرنے سے واجب ادا ہو جائیگا کیونکہ صفا و مروہ کے مابین یہ منزلیں تخت کے حکم میں ہیں۔ اور یہ بات اھلِ علم سے پوشیدہ نہیں ہے کہ فرض اور واجب نمازیں نیز سنن فجر بلا عذر دابۃ (چوپائے) یا چھکڑے پر جس کا جوا جانور پر ہو تو جائز نہیں ہوتیں کیونکہ قرار علی الارض شرائط نماز میں سے ہے مگر یہی نمازیں ایسے چھکڑے پر کہ جس کا جوا جانور پر نہ ہو یا تخت پر یا کئی منزلہ بلند عمارتوں میں ادا کی جائیں تو صحیح ہو جاتی ہیں بلکہ کراہت بھی نہیں ہوتی کیونکہ یہ سب اشیاء بھی زمین کے تابع ہو کر استقرار علی الارض کے منافی نہیں ہیں۔

لہٰذا اسی طرح صفا و مروہ کے مابین قائم کی گئی عمارتیں بھی اسی زمین کے تابع ہیں ان کے لیئے بھی وہی حکم ہوگا جو زمین کا ہے چنانچہ ان عمارتوں میں مشی بالاقدام پائی جائے یا حالت عذر میں نہ بھی پائی جائے تو واجب ادا ہو جائے گا نیز فقیر نے صفا و مروہ کے مابین عمارتوں کو زمین کے تابع کیا ہے تو اس کی بھی دلیل درج ذیل ہے۔

صفا کی پہاڑی پر چڑھ کر بیت اللہ شریف کی زیارت کرنا سنت ہے مگر ان بزرگوں کے زمانے میں اس پہاڑی کے ابتدائی حصے زمین میں دفن ہو چکے تھے لہذ ابعینہ ان ابتدائی حصوں پر چڑھنا ممکن نہ رہا تھا۔ البتہ یہ ممکن تھا کہ کچھ زیادہ اوپر چڑھا جائے تا کہ بعینہ صفا پر چڑھنا حاصل ہو جائے۔ مگر علامہ علی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں،

هذا هو الاظهر لكن تصوير انما كان يتصور فى المهد الاول حيث يوجد من الصفا والمروة مرتفعا عن الارض واما فى هذا الزمان فلكون دفن كثير من اجزائهما لا يمكن حصول ماذكر فيهما فيكفى المرور فوق اوائلهما۔

﴿المسلك المتقسط فى منسلك المتوسط مع ارشاد السارى ص ١٢٠﴾

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترجمہ: یہی بات ظاہر ہے مگر یہ اول زمانے میں تو ممکن تھا جب صفا مروہ کے ابتدائی حصے زمین سے بلند ہوتے تھے مگر اس زمانے میں صفا ومروہ کے بہت سے اجزاء کے دفن ہونے کی وجہ سے یہ بات ممکن نہ رہی چنانچہ ان کے ابتدائی حصوں (جوکہ زمین میں دفن ہو چکے ہیں) پر سے گذرنا کافی ہوگا۔

ایسے ہی علامہ السید المحقق ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے فرمایا،

"اعلم ان كثيرا من درجات الصفا دفنت تحت الارض بارتفاعها ، حتى ان من وقف على اول درجتها الموجودة امكنه ان يرى البيت لايحتاج الى الصعود."

(ردالمحتار على الدرالمختار مكتبه امداديه ـ ملتان ج ۳ ص ۵۱۴)

ترجمہ: جان لے کہ صفا کے بہت سے حصے زمین کے دفن ہونے کی وجہ سے زمین میں دفن ہو چکے ہیں حتی کہ اگر کوئی اس کے موجودہ اول حصے پر کھڑا ہو جائے تو اس کے لئے بیت اللہ دیکھنا ممکن ہوگا اور اسے مزید اوپر چڑھنے کی حاجت نہ ہوگی۔

مذکورہ بالا دونوں عبارتوں سے یہی ظاہر ہے کہ صفا ومروہ کے بعض حصے جو کہ مٹی کے نیچے دفن ہو چکے ہیں ان پر چڑھنے کا عمل اس مٹی پر چڑھنے سے ادا ہو جائے گا اور یہ اس لیئے ہوگا کہ یہ مٹی ان کے تابع ہے۔لہذا تابع پر چڑھنا متبوع پر چڑھنا ہے اسی طرح جدید بنائی گئی عمارتوں کا حکم ہوگا لہذا ان عمارتوں پر مشی سے وجوب کی ادائیگی سے کوئی شے مانع نہیں ہے۔ الحمد لله الذى وفق لى هذا وما كنت اهتدى لهذا۔

ثانیاً:۔ اگر علماء مانعین اس وجہ سے منع کرتے ہیں کہ صفا ومروہ پر صعود واجب ہے تو یہ درست نہیں ہے بلکہ یہ سنت ہے۔ كما قال العلامه ابن نجيم فى البحر والعلامة الدريتى فى التاتارخانيه والشلبى فى حواشيه على التبين، ملا على القارى فى شرح الباب والشامى فى رد المحتار وغيرهم بالفاظ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مختلفة و اللفظ للشلبی علیهم الرحمة قوله

(فی المتن خرج الی الصفا الخ) قال فی الدارية ثم الصعود علی الصفا سنة وبه قال الشافعی وفی المشهور عنه انه رکن اھ قال الکرمانی رحمه الله فان لم یصعد علی الصفا والمروة فی السعی الذی ذکرنا یجوز عندنا ویکره لما فیه من ترك السنة ولا یجب بترکه شئ لانه من السنة اھ قوله ثم الصعود علی الصفا أی والمروة فتح وقوله سنة ای فیکره ترکه مشیأ علیه اھ فتح۔

ترجمہ: (متن میں ہے کہ وہ صفا کی طرف نکلے) درایۃ میں فرمایا کہ پھر صفا پر چڑھنا سنت ہے یہی امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور ان سے ایک مشہور روایت کے مطابق یہ رکن ہے۔ امام کرمانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر وہ سعی کے دوران صفا ومروہ پر نہ چڑھے تو ہمارے نزدیک جائز ہے اور ترک سنت کی وجہ سے مکروہ ہے مگر اس کی وجہ سے کوئی چیز واجب نہ ہوگی کیونکہ وہ سنت ہے۔ پھر ان کا کہنا کہ صفا پر چڑھنا یعنی مروہ پر بھی (فتح) اور ان کا کہنا سنت یعنی پس مکروہ ہے اس پر مشی کو ترک کرنا۔

﴿حاشیہ الشلبی علی تبیین الحقائق مکتبہ حقانیہ ملتان ج ۲ ص ۹﴾

﴿التاتارخانیہ ادارۃ القرآن کراچی ج ۲ ص ۴۵۰﴾

﴿البحر الرائق مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ ج ۲ ص ۳۳۳﴾

﴿المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۲۰﴾

﴿رد المحتار علی الدر المختار مکتبہ امدادیہ ملتان ج ۳ ص ۵۱۴﴾

بلکہ تاتارخانیہ میں تو بروایت عیسی بن ابان اس سے بھی زیادہ ہے یعنی اگر صفا ومروہ سے تین تین گز دور رہ کر بھی سعی کریگا سعی کا واجب ادا ہو جائے گا جیسا کہ علامہ اندر پتی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

وان لم یقف علی الصفا والمروة یجزیه سعیه رواه عیسی بن ابان عن محمد، وعنه ایضا: لو ابتدأ السعی بین الصفا والمروة

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حتی اذا بقی بینہ ' وبین مروۃ مقدار ثلثۃ رجع الی الصفا حتی سعی ھکذا بین الصفا والمروۃ سبع مرات ثم رجع الی اھلہ لم یکن علیہ دم۔

﴿التاتارخانیہ ادارۃ القرآن کراچی ج ۲ ص ۴۵۰﴾

ترجمہ: اگر چہ صفا ومروہ پر کھڑا نہ ہو تو بھی اس کی سعی درست ہوجائے گی۔ اس کو عیسی بن ابان نے امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی سے روایت کیا ہے اور ان سے یہ روایت بھی ہے اگر اس نے صفا ومروہ کے مابین سعی کی۔ اس کے اور مروہ کے درمیان تین گز کا فاصلہ ہو پھر صفا کی طرف لوٹ آئے حتی کہ صفا ومروہ کے مابین اسی طرح سات مرتبہ سعی کرے پھر اپنے اہل کی طرف لوٹ آئے تو اس پر دم نہ ہوگا۔

مذکورہ بالا عبارت میں تین تین گز کے استثناء کے باوجود سعی بین الصفا والمروۃ کا صحیح ہونا قطع مسافت کے ساتھ ہی ممکن ہے اور اس کی وجہ وہی ہے جو کہ ہم نے ملا علی قاری رحمہ اللہ کے حوالے سے بیان کی کہ: فلکون دفن کثیر من اجزائھما لا یمکن حصول ماذکر فیھما فیکفی المرور فوق اوائلھما۔ یعنی صفا ومروہ کے بہت سے حصے جو کہ تین گز یا اس سے زیادہ لمبائی کے زمین میں دفن ہو چکے ہیں۔ لہذا اگر صفا ومروہ سے تین تین گز دور رہ کر بھی سعی کریگا تو یہ سعی بین الصفا والمروہ ہوگی اور جمیع مسافت بھی قطع ہوجائے گی۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

کتبــــــہ

محمد ابوبکر صدیق عطاری عفی عنہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

فرقہ واریت کے اسباب

آسٹریلیا کے شہر سڈنی کے ایک اخبار میں شائع ہونے والے غیر مقلد کے اعتراضات بنام "مسلمان اور فرقہ واریت آخر کیوں؟" کے قرآن و حدیث کی روشنی میں مسکت جوابات

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چند دن پہلے اخبار پاکستان میں مرزا زاہد نامی شخص نے ایک مضمون ''مسلمان اور فرقہ واریت آخر کیوں؟'' کے نام سے لکھا تھا اس مضمون میں جھوٹے پروپیگنڈے کے ذریعے امت مسلمہ کے سادہ لوح افراد کو مغالطہ میں ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے بلکہ زیادہ غور وفکر کیا جائے تو ایک جدید فرقے کے نظریات کا بیان نظر آتا ہے۔ جس کے ڈانڈے غیر مقلدیت سے جا ملتے ہیں۔ مرزا صاحب نے اس مضمون میں مصلح اور ہمدرد کا لباس پہن کر اپنے باطل نظریات کو انتہائی سہولت سے بیان فرما دیا اگر وہ اسی بات کو اپنے اصل روپ میں ظاہر ہو کر بیان کرتے تو شاید کوئی شخص بھی ان کی باتوں پر کان نہ دھرتا۔ اس مضمون میں کئی باتیں قابل غور ہیں ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں۔

۱﴾ کہ مسلمان صرف فقہی اختلاف کیوجہ سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔

۲﴾ ایک فرقے والا دوسرے فرقے والے سے ہاتھ ملانا پسند نہیں کرتا۔

۳﴾ ایک امام کے پیروکار دوسرے امام کے پیروکار کو کافر کہنے میں عار محسوس نہیں کرتے۔

۴﴾ درود شریف پڑھنے والوں کو سرکار ﷺ کے نزدیک مبغوض قرار دینا۔

۵﴾ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اجتہادی مسائل کو بے جا تنقید کا نشانہ بنانا۔

۶﴾ امت مسلمہ کو اس بات کا مشورہ دینا کہ آئمہ وصحابہ ؓ کو ایک طرف رہنے دو۔

۷﴾ تقلید آئمہ اربعہ کو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے خلاف قرار دینا۔

۸﴾ مسلمان ہونے کے لیے صرف یہی شرط رکھنا کہ جو کلمہ طیبہ کی گواہی دے اور ختم نبوت پر ایمان رکھے وہ مسلمان ہے۔

۹﴾ صحاح ستہ میں وارد احادیث اور آئمہ فن حدیث کے نزدیک مقبول احادیث کو موضوع اور ضعیف قرار دینا ان کے علاوہ دیگر غلط باتیں لکھیں۔

اب میں ان نکات کے بارے میں انتہائی اختصار کے ساتھ لکھوں گا تا کہ قاری کے لیے پریشانی کا باعث نہ ہو۔ مگر حق و باطل میں بھی تمیز ہو جائے اور لوگ زاہد مرزا اور اس کے ہم خیال ٹولہ کی کذب بیانی سے بھی باخبر

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہو جائیں۔

اولاً

مرزا صاحب نے امت مسلمہ کی سادہ عوام کو مذاہب اربعہ یعنی حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی فقہی مکاتب فکر سے برگشتہ کرنے کے لیے بے دلیل دعویٰ کیا کہ یہ لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں یہ الزام حقیقت سے بعید اور جھوٹ پر مبنی ہے۔ بلکہ اس وقت بھی اگر ساری دنیا میں بسنے والے مسلمانوں کا مشاہدہ کیا جائے تو کہیں بھی اس بات کے نام و نشان بھی نہیں ملیں گے اس کے برعکس چاروں فقہی مکاتب فکر کے افراد ایک دوسرے کا اکرام کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے کو نہ صرف جائز سمجھتے ہیں بلکہ اس میں کچھ حرج بھی نہیں جانتے ہاں ان مذاہب اربعہ کے علاوہ آخری زمانے میں کچھ جدید فرقے نمودار ہوئے ہیں کہ جن کے عقائد و مسائل مذاہب اربعہ سے یکسر مختلف ہیں۔ انھیں ساری دنیا کے مسلمان برا جانتے ہیں جسکی مثال بارہویں صدی میں پیدا ہونے والے غیر مقلد اور مقلد وہابی فرقے (تبلیغی جماعت) کی ہے۔ ان شاءاللہ اس کے بارے میں مختصر معلومات ذیل میں آرہی ہیں۔

ثانیاً

مرزا صاحب نے لکھا کہ ایک فرقے والا دوسرے فرقے والے سے ہاتھ ملانا پسند نہیں کرتا۔ مرزا صاحب نے یہاں وضاحت نہیں کی کہ ان کی فرقہ سے کیا مراد ہے آیا فرقے سے مراد مذاہب اربعہ ہیں تو ان کی یہ بات سراسر الزام ہے اور جھوٹ پر مبنی ہے۔ کیونکہ عرب ممالک جہاں پر عموماً مذاہب اربعہ سے تعلق رکھنے والے افراد ایک بڑی تعداد میں ایک ساتھ رہتے ہیں وہاں اس قسم کی کوئی بات نہ دیکھنے کو ملی ہے نہ ہی اس قسم کی خبر کہیں پڑھنے کو ملی ہے اور نہ ہی کسی کی زبانی سنا ہے بلکہ یہ حضرات تو ایک دوسرے کے پروگرامز میں شرکت کرتے ہیں بلکہ محفل میلاد اور بزرگان دین کے اعراس پر تو ان کی اجتماعیت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے اور اگر مرزا صاحب کی فرقوں سے مراد مختلف عقائد رکھنے والے فرقے مراد ہیں تو یہ بات کسی حد تک درست ہے اور یہ کوئی غیر اسلامی بات نہیں بلکہ عین کتاب و سنت اور عمل صحابہ کرام علیہم الرضوان کے مطابق ہے مثلاً ایک گمراہ فرقہ صحابہ کبار علیہم الرضوان پر نہ صرف تبرّا کرنا جائز سمجھتا ہے بلکہ اسے باعث ثواب بھی سمجھتا ہے بلکہ ان کی کتب سے یہ بات بھی ظاہر ہے کہ اکثر صحابہ کرام ﷺ خلافت کے لالچ میں دین سے پھر گئے تھے (معاذ اللہ) مگر مرزا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

صاحب کے نظریات کے مطابق یہ افراد بہت پکے سچے مومن ہیں۔ان کو برا کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ کلمہ طیبہ کا تلفظ کرتے ہیں اور ختم نبوت پر ایمان کا دعوی بھی کرتے ہیں لہذا مرزا صاحب کے نزدیک یہ گلے سے لگائے جانے کے قابل ہیں مگر اس کے برعکس صاحب وحی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کیا فرماتے ہیں؟

صاحب مشکوٰۃ نے بحوالہ امام بخاری و مسلم نقل فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

"میرے صحابہ کو برا نہ کہو کیونکہ تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر بھی سونا تقسیم کرے تو ان کے ایک مد کو نہ پہنچے اور نہ ہی آدھے کو پہنچے۔"

امام ترمذی علیہ الرحمہ نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم دیکھو کہ لوگ میرے صحابہ کو برا کہتے ہیں تو ان سے کہو کہ تمہارے شر پر اللہ کی لعنت ہو"۔

علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ

"اس حدیث کو خطیب نے بھی روایت کیا اور ایک حدیث مرفوع میں ہے کہ آخری زمانے میں ایک فرقہ ہوگا جو رافضی کہلائے گا وہ اسلام کو چھوڑ دیں گے پس ان کو قتل کرو بے شک وہ مشرکین ہیں۔اور ایک روایت میں ہے کہ وہ ہمارے اہلبیت کی محبت کا دعوی کریں گے۔" ولیسوا کذالک انھم یسبّون ابابکر وعمر ۔""مگر وہ ایسے نہیں ہونگے وہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو برا کہیں گے۔" اور ایسے ہی صواعق محرقہ میں بھی نقل کیا گیا۔"

﴿مرقاۃ المفاتیح﴾

اب میں مرزا صاحب سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ حضور ﷺ نے تو گستاخ صحابہ پر لعنت کرنے، قتل کرنے اور مشرکین ہونے کا حکم لگایا ہے جبکہ مرزا صاحب کے نزدیک ان کے باطل نظریات کے مطابق گستاخ صحابہ سے بھی رواداری کا مظاہرہ کیا جائے بلکہ توجہ کی جائے تو خود مرزا صاحب بھی اسی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں کیونکہ انہوں نے صحابہ کرام کے اجتہادی مسائل کے اختلاف پر نہ صرف بے جا تنقید کی ہے بلکہ امت مسلمہ کو یہ گمراہ کن مشورہ بھی دیا ہے کہ آئمہ اور صحابہ کو ایک طرف رہنے دو ایسے ہی لوگوں کے بارے ابن عدی نے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حدیث مرفوع روایت کی ہے کہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

''حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے شریر ترین لوگ وہ ہیں جو میرے صحابہ کے بارے میں بے باک ہونگے۔'' ﴿مرقاۃ۔ج ۱۰۔ص ۶۷۔۳۶۶﴾

اسی طرح ایک گمراہ فرقے سے بچنے کا حکم فرمایا اور اس کی نشانی بیان فرمائی۔

''ان کی پہچان سر منڈانا ہے یہ نکلتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ ان کی آخری جماعت دجال کے ساتھ ہوگی اگر تم ان سے ملو تو جان لو کہ وہ خلقت میں بدترین ہیں۔''

﴿مشکوٰۃ ج ۱۔ کتاب القصاص باب قتل اہل الردہ﴾

پھر بخاری جلد اول کتاب الانبیاء میں اور مسلم و مشکوٰۃ باب المعجزات میں ہے۔

''اگر ہم انہیں پاتے تو قوم عاد کی طرح قتل کر دیتے۔''

ساری دنیا جانتی ہے کہ اس زمانہ میں سر منڈانا کس فرقہ کا شعار ہے۔ اور ان (تبلیغی جماعت) کا طرۂ امتیاز کیا ہے؟ اسی طرح صاحب مشکوٰۃ نے بحوالہ امام احمد اور ابوداؤد شریف حدیث نقل فرمائی کہ:۔

''فرقہ قدریہ اس امت کے مجوس (آتش پرستوں کی طرح) ہیں اگر وہ بیمار ہوں تو انکی عیادت نہ کرو اور اگر وہ مر جائیں تو انکے جنازوں میں شرکت نہ کرو۔'' ﴿مشکوٰۃ۔ص ۲۲﴾

اسی طرح ایک دوسری حدیث بحوالہ ابوداؤد شریف نقل فرمائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

''قدریہ فرقہ والوں کے ساتھ اٹھ بیٹھ نہ کرو اور ان سے سلام و کلام میں پہل نہ کرو۔'' (مشکوٰۃ)

جس طرح امت کے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے سچے امتیوں کو حکم فرمایا انہوں نے اس پر بعینہ عمل کر کے دکھایا'' صاحب مشکوٰۃ ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ فلاں شخص نے آپکو سلام کہا ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ اس نے دین میں نئی بات نکالی ہے (اس شخص کا عقیدہ خراب ہو گیا تھا) اگر واقعی اس نے ایسا کیا ہے تو میری طرف سے اسے سلام نہ کہنا۔'' ﴿مشکوٰۃ﴾

ان تمام احادیث پر نظر کرنے کے بعد یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ حضور ﷺ تو بدمذہبوں یعنی گمراہ فرقوں سے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بائیکاٹ کا حکم فرماتے ہیں اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس پر بعینہ عمل کر دکھاتے ہیں مگر پندرھویں صدی کا ایک شخص دعویٰ کرتا ہے کہ نہیں یہ سب باتیں غلط ہیں وہ کلمہ پڑھتے ہیں اور حضور ﷺ کو آخری نبی ماننے والے ہیں لہذا ن کا نہ صرف احترام کیا جائے بلکہ سینوں سے لگایا جائے اب میں اپنے عوام بھائیوں کی توجہ اس طرف دلانا چاہتا ہوں کہ مرزا صاحب نے جو بات آئمہ اربعہ اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بارے میں کہی کہ ہم لوگوں نے انہیں صاحب وحی ﷺ کے مقام پر بٹھا دیا ہے جبکہ یہ بات حقیقت کیخلاف ہے بلکہ مرزا صاحب خود اس مقدس مقام پر فائز ہونے کے لیے بے قرار ہیں جبھی تو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کو چھوڑ کر اپنی خود ساختہ سوچ کو رائج کرنے کے لیے یہ مضمون لکھنے کی ہمت کی ہے ورنہ اگر وہ متبع سنت ہوتے تو اہل حق کا ساتھ دینے اور امت مسلمہ کو گمراہوں سے بچنے کا مشورہ دیتے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے،

"فلا تقعدبعد الذکر ی مع القوم الظالمین۔"

﴿سورۃ الانعام پ ۷ آیت ۶۸﴾

ترجمہ: تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔

ثالثاً

مرزا موصوف نے لوگوں کے دلوں میں اپنے جدید نظریات کے لیے جگہ پیدا کرنے کے سلسلے میں پھر مغالطہ آفرینی سے کام لیتے ہوئے ایک بے بنیاد بات آئمہ اربعہ کے پیروکاروں کی طرف منسوب کردی کہ وہ ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں تاکہ لوگوں کے دلوں سے مذاہب اربعہ کی محبت نکل جائے اور ان کے خود ساختہ نظریات کے لیے وسعت ہو جائے۔ ہم اس سلسلہ میں مرزا صاحب سے صرف اتنی درخواست کریں گے کہ اگر یہ درست ہے تو کسی مستند کتاب کا حوالہ بمع صفحہ نمبر اور ایڈیشن و پبلشر کے بیان کر دیں۔ ان شاء اللہ مرزا صاحب قیامت تک ایسا نہیں کر سکیں گے۔ اسکے برعکس یہ بات ثابت ہے کہ آئمہ اور ان کے پیروکار ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے اور کرتے ہیں اور ان شاء اللہ کرتے رہیں گے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل فرمایا کہ جب مجھے کوئی مشکل پیش آتی ہے تو میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر دو رکعت ادا کر کے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں تو میری دعا قبول ہو جاتی ہے۔ اسی طرح چاروں آئمہ کے مقلدوں نے ایک دوسرے کے امام کے بارے میں ضخیم

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کتابیں لکھ کر اپنی دلی محبت واحترام کا اظہار کیا ہے۔

رابعاً

موصوف نے سیاہ اور سبز لباس پر تنقید کرتے ہوئے درود شریف پڑھنے والوں کو سرکار دو عالم ﷺ کے نزدیک مبغوض ترین قرار دیا جس پر قیاس آرائی کے سوا کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ حالانکہ سیاہ اور سبز عمامہ اور سبز لباس تو خود رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ درود شریف پڑھنے کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک قرآن مجید میں موجود ہے۔ کثرت درود شریف کے بارے میں تو حدیث شریف میں وارد ہوا کہ درود شریف کی کثرت سرکار دو عالم ﷺ سے محبت کی علامت ہے۔ بیہقی نے شعب الایمان میں قاضی عیاض مالکی علیہ الرحمہ نے شفا شریف میں یہ حدیث شریف نقل فرمائی کہ:۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ

> ''جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود شریف پڑھا اللہ عزّ وجل اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے اور دس اس کے گناہ معاف فرماتا ہے اور اس کے دس درجے بلند فرماتا ہے۔'' اور ابو یعلیٰ کی روایت میں ہے کہ اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں امام قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے شفاء میں حدیث شریف نقل فرمائی کہ ''حضور ﷺ فرماتے ہیں قیامت میں میرے پاس کچھ اقوام آئیں گی کہ میں انہیں ان کے کثرت درود شریف سے پہچانوں گا''۔
>
> ایک دوسری روایت ہے کہ قیامت کے دن قیامت کی ہولناکیوں سے سب سے پہلے انہیں نجات ملے گی جو مجھ پر سب سے زیادہ درود پاک پڑھنے والے ہونگے''۔

قاضی عیاض مالکی علیہ الرحمہ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قول نقل فرمایا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھنا گناہوں کو اتنی جلدی مٹاتا ہے کہ جتنی جلدی پانی آگ کو نہیں بجھاتا اور ان پر سلام پڑھنا غلاموں کو آزاد کرنے سے زیادہ افضل ہے ان کے علاوہ بھی درود شریف کے فضائل میں بہت سی روایتیں وارد ہوئی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کی مذمت میں بھی حدیثیں وارد ہوئی ہیں جو درود شریف نہیں پڑھتے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ تو کثرت درود کو اپنی محبت کی علامت قرار دیں گناہوں کی معافی، رفع درجات، حصول حسنات، قیامت کی ہولناکیوں سے بچانے والا قرار دیں اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی درود شریف کو گناہوں کو مٹانے والا اور سلام کو غلام آزاد کرنے سے افضل قرار دیں مگر اس کے برعکس مرزا صاحب

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کوالہام ہوا کہ درود شریف پڑھنے سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا بلکہ معاذ اللہ ایذا ئے رسول ﷺ کا سبب بنے گا۔ میں مرزا صاحب سے سوال کرتا ہوں کہ کیا انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں اپنی بات بیان نہیں کی حالانکہ آپ نے یہ مضمون اپنے زعم میں اسی لیے لکھا تھا کہ لوگوں کو اتباع رسول ﷺ کی طرف لایا جائے مگر آپ نے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے درود شریف والوں کے بارے میں وارد فضائل کا صرف اس لیے انکار کر دیا کہ یہ درود پڑھنے والے آپکے خودساختہ نظریات سے متفق نہیں ہیں کیا یہ اپنے آپ کو مقام رسول ﷺ پر فائز کرنے کی کوشش نہیں ہے حالانکہ ان پر وحی آتی تھی آپ کو کس نے الہام کیا کہ درود شریف پڑھنے والے رسول اللہ ﷺ کی نظر میں مبغوض ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا۔

"افرأیت من اتخذ إلهه هواه"۔ ﴿سورۃ الجاثیۃ پ ۲۵ آیت ۲۳﴾

بھلا دیکھو تو وہ جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا ٹھہرالیا۔

خامساً

صحابہ کرام علیہم الرضوان کے اجتہادی اختلافات کو تنقید کا نشانہ بنایا جو کہ صحابہ کرام کی شان میں سراسر بے ادبی و گستاخی ہے کیونکہ خود رسول خدا ﷺ کے زمانہ میں صحابہ کرام کی آراء مختلف ہوئیں تو آقا دو جہاں ﷺ نے کسی کو غلط نہیں فرمایا بلکہ دونوں ہی کو جائز رکھا۔

بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ

"حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی بھی عصر کی نماز ادا نہ کرے مگر بنو قریظہ میں۔ مگر راستے ہی میں عصر کے وقت نے ان میں سے بعض کو آلیا ان میں سے بعض نے کہا کہ ہم عصر کی نماز اس وقت تک نہیں پڑھیں گے کہ جب تک بنو قریظہ نہ پہنچ جائیں ان میں سے بعض نے کہا کہ ہم راستے ہی میں نماز عصر ادا کریں گے کیونکہ ہم سے یہ (نماز قضا کرنا) نہیں چاہا گیا پس یہ بات نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ذکر کی گئی تو آپ ﷺ نے کسی پر سختی نہ فرمائی۔

حافظ احمد بن علی حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی روایت فتوح الباری میں بحوالہ بیہقی اور طبرانی کے تفصیلا بیان فرمائی۔ اس کے راوی عبید اللہ بن کعب ہیں وہ روایت اختصار کے ساتھ درج کی جاتی ہے۔

" نبی ﷺ نے حکم فرمایا کہ عصر کی نماز بنو قریظہ ہی پہنچ کر پڑھنا تو لوگوں نے اپنے ہتھیار اٹھائے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مگر جب پہنچے تو سورج غروب ہو چکا تھا مگر راستے ہی میں غروب آفتاب کے وقت دونوں گروہوں میں مباحثہ ہوا پس ایک گروہ نے نمازِ عصر راستے ہی میں ادا کر لی مگر دوسرے گروہ نے چھوڑ دی اور کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے حکم پر عمل پیرا ہیں ہم پر کوئی گناہ نہیں پس نبی اکرم ﷺ نے بھی کسی پر سختی نہ فرمائی۔

اس حدیث شریف کی شرح میں مختلف آئمہ نے یہ بات بیان فرمائی کہ مجتہد کو اختلاف کا حق ہے اگر اس کا اجتہاد درست ہے تو اس کے لیے دو نیکیاں ہیں اور اگر وہ خطا پر ہے تو اسے ایک نیکی ملے گی۔ حافظ ابن قیم نے اس حدیث شریف کی شرح میں فرمایا کہ صحابہ کرام کے دونوں فریقین میں سے ہر ایک کے لیے اپنی صدق نیت کی وجہ سے ثواب ہے مگر جس فریق نے راستے ہی میں نماز ادا کر لی تھی اسے دو ثواب ملیں گے ایک نیکی تو اس بات پر کہ انہوں نے آقا ﷺ کے جلدی کرنے کے حکم پر عمل کیا اور ایک نیکی نماز کی محافظت کے بارے میں وارد حکم پر عمل کرنے کی وجہ سے اور دوسرے گروہ پر سختی اس لیے نہیں فرمائی تھی کہ انہوں نے حکم کے ظاہر پر عمل کیا تھا ان صحابہ کرام ؓ نے بھی اجتہاد کیا اسی لیے آپ کے ظاہر حکم پر عمل کرنے کے لیے نماز قضا کر دی تھی۔ ﴿فتوح الباری﴾

اب میں مرزا صاحب سے یہ معلوم کرنے کی جرأت کروں گا کہ نبی کریم ﷺ تو وہ ذات ہیں جن پر وحی آتی تھی ان کی خدمت میں تو جبرائیل امین علیہ السلام حاضر ہوتے تھے وہ تو معصوم تھے انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف دیکھا اختلاف بھی کوئی چھوٹا موٹا نہیں بلکہ ایسا اختلاف کہ جس کی وجہ سے ایک گروہ نے نماز بھی قضا کر دی پھر انہوں نے بھی کسی پر سختی نہیں فرمائی کسی کو غلط قرار نہیں دیا اسی طرح علماء حدیث نے کسی کو برا نہیں کہا مگر مرزا صاحب نہ تو آپ پر وحی آتی ہے نہ ہی جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس آتے ہیں اور نہ ہی آپ معصوم ہیں پھر بھی صحابہ کرام علیہم الرضوان پر تنقید کرنے سے ذرا عار محسوس نہیں کرتے۔ کیا آپ کا یہ طرزِ عمل رسول اللہ ﷺ کے طریقے سے یکسر مختلف نہیں ہے یقیناً ہر ذی الانصاف یہ بات تسلیم کرے گا کہ آپ کا طرزِ فکر و عمل رسول اللہ ﷺ کے طرزِ فکر و عمل سے جدا ہے لہذا یہ طرزِ فکر و عمل کسی کی رہنمائی تو کیا کرے گا بلکہ الٹا صراطِ مستقیم سے دور کر دے گا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سابعا

مرزا موصوف نے صحابہ کرام اور آئمہ کرام کے اختلافات ذکر کر کے امت مسلمہ کو یہ گمراہ کن مشورہ بھی دیا ہے کہ وہ صحابہ کرام اور آئمہ کرام کو چھوڑ دیں۔ فقیر نے اس سلسلے میں نقطہ ۶ میں حدیث شریف کے حوالے سے وضاحت کردی ہے کہ ہر اختلاف برا نہیں ہے بلکہ اگر مجتہدین فروعی مسائل میں نیک نیتی سے اختلاف کریں تو دونوں ہی کے لیے اجر وثواب ہے قرآن مجید میں اسکا بیان موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی اجتہادی خطا اور سلیمان علیہ السلام کی درستی بیان فرمائی مگر کسی پر عتاب نہیں فرمایا بلکہ فرمایا"

وکلا اٰتینا حکما و علما" ﴿سورۃ الانبیاء پ ۱۷ آیت ۷۹﴾

"اور دونوں کو حکومت اور علم عطا کیا۔"

مشکوۃ کتاب الامارہ باب العمل فی القضاء بحوالہ بخاری و مسلم ہے۔

جبکہ حاکم فیصلہ کرے تو اجتہاد کرے اور صحیح کرے تو اس کے دو ثواب ہیں اور جب فیصلہ کرے اور اجتہاد کرے اور خطا کرے تو اسکو ایک ثواب ہے۔ یہی معاملہ صحابہ کرام اور آئمہ کرام کا ہے ان کے مابین جو اختلاف واقع ہوا وہ اجتہادی اختلاف تھا اور اجتہادی اختلاف کا واقع ہونا کوئی بری بات نہیں ہے ورنہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سے منع فرمادیتے بلکہ اس کے برعکس نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو دونوں ہی کے لیے ثواب کی بشارت دی۔

مگر مرزا صاحب کی تو منطق ہی نرالی ہے جس بات کو رسول اللہ ﷺ تو برا نہ سمجھیں بلکہ ثواب کی بشارت سنائیں لیکن مرزا صاحب کے نزدیک وہی بات گمراہی بلکہ امت میں تفرقے کا باعث ہے اسی لیے نہایت بے باکی سے امت مسلمہ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آئمہ کرام رحمہ اللہ کو چھوڑنے کا مشورہ دیا اب مرزا صاحب ہی انصاف فرمائیں کہ صاحب وحی کے مقابلے میں کون اپنی فکر رائج کرنا چاہتا ہے کس نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی کرسی پر بٹھانے کی کوشش کی ہے۔

ثامنا

مرزا صاحب نے تقلید آئمہ اربعہ کو اطاعت رسول ﷺ کے خلاف قرار دیا کیونکہ مرزا صاحب کے زعم فاسد کے مطابق آئمہ کرام نے جو اجتہادی مسائل بیان کیے ہیں وہ سب یا اکثر کتاب اللہ عزّ وجل اور

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سنت رسول ﷺ کے خلاف ہیں۔ مرزا صاحب نے یہ بے بنیاد دعویٰ لکھ تو دیا مگر اس پر کوئی ثبوت پیش نہیں کیا اور ان شاء اللہ اس بے بنیاد دعویٰ پر کبھی بھی ثبوت پیش نہیں کر سکتے اس کے برعکس فقیر انتہائی جرأت سے کہتا ہے کہ آئمہ اربعہ نے جتنے بھی اجتہادی مسائل بیان فرمائے وہ سب کے سب کتاب اللہ عزّ وجل اور سنت رسول ﷺ اور اجماع امت پر مبنی ہیں جبھی تو آئمہ کرام نے انتہائی جرأت سے فرمادیا کہ "اگر ہمارا کوئی قول کتاب وسنت کے خلاف ہو تو اسے دیوار پر دے مارو" یقیناً آئمہ اربعہ نے یہ بات اسی لیے کہی ہے کہ انھوں نے اپنے تمام مسائل کتاب وسنت ہی سے اخذ فرمائے ہیں ورنہ کوئی دروغ گو اور غیر مخلص شخص یہ بات کہنے کی جرأت بھی نہیں کر سکتا۔
اگر اعتراض کیا جائے کہ جب ان کی بنیاد قرآن وسنت ہی ہے تو اختلاف کیوں؟ تو فقیر عرض کرے گا کہ اس کا جواب نکتہ نمبر ۶ اور ۷ میں دیا جا چکا ہے۔ یعنی کسی نے اصل کلام پر عمل کیا اور کسی نے ظاہر کلام پر کہ جس طرح عصر کی نماز میں صحابہ کرام کا عمل سامنے آیا۔

الحمد للہ! امت مسلمہ کو آئمہ کرام کی پیروی کرتے ہوئے سینکڑوں سال گزر چکے ہیں بڑے بڑے مفسرین، محدثین ،فقہاء کرام اور دیگر فنون کے ماہرین پیدا ہوئے کسی نے بھی آئمہ اربعہ کی مخالفت نہیں کی بلکہ وہ خود بھی کسی نہ کسی امام کے پیرو رہے حتیٰ کہ صحاح ستہ کے مؤلفین بھی مقلد ہی تھے پھر پندرھویں صدی میں ایک شخص یا چند افراد کا ٹولہ آئمہ کی پیروی کی مخالفت کرے تو انکی بات کا کیا اعتبار؟ بلکہ حدیث شریف میں تو ایسے لوگوں کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو امت کی اجتماعیت کو توڑنا چاہتے ہوں۔ مشکوٰۃ باب الامارہ میں بحوالہ مسلم شریف ہے کہ:

"حضور ﷺ فرماتے ہیں جو تمہارے پاس آئے حالانکہ تم ایک شخص کی اطاعت پر متفق ہو وہ چاہتا ہے کہ تمہاری لاٹھی توڑ دے اور تمہاری جماعت کو متفرق کر دے تو اسے قتل کر دو۔"

اہم نکتہ یہ ہے کہ شافعی حضرات تو امام شافعی کی پیروی پر متفق ہیں اور اسی طرح حنفی، مالکی اور حنبلی بھائیوں کا معاملہ ہے کہ وہ سب کے سب اپنے اپنے آئمہ کی پیروی پر متفق ہیں مگر مرزا صاحب ہر ایک کو مشورہ دے رہے ہیں کہ آئمہ کو چھوڑ دو بلکہ جو بات ہم بیان کر رہے ہیں اسے مانو یعنی بالفاظ دیگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ آئمہ کی پیروی چھوڑ کر ہماری پیروی اختیار کر لو اب فقیر قارئین سے ملتمس ہے کہ وہ حدیث شریف کی روشنی میں مرزا صاحب کا خود ہی فیصلہ فرمالیں۔

تاسعا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مرزا صاحب نے مسلمان ہونے کے لیے صرف یہی شرط بیان کی کہ جو کلمہ طیبہ کی گواہی دے اور ختم نبوت پر ایمان رکھے وہ مسلمان ہے۔ یہ بات اپنی حقیقت کے اعتبار سے تو درست ہے کہ کلمہ طیبہ کی گواہی دینے والا اگر کلمہ طیبہ کے تقاضوں پر عمل کرے تو وہ مسلمان ہے اور کلمہ طیبہ کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر معاملے میں اللہ عزّ وجل اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت کی جائے مگر مرزا صاحب کے مضمون سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ ان کی مراد یہ نہیں ہے بلکہ ان کے نزدیک اگر کوئی ظاہری طور پر کلمہ طیبہ اور ختم نبوت کا اقرار کرے پھر چاہے جو کچھ کرے وہ مسلمان ہی رہے گا۔ مثلاً کسی نے اپنی کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کے علم کو (معاذ اللہ تعالیٰ) گائے ،گدھے، گھوڑے بلکہ تمام حیوانات بچے اور پاگل کے علم کے مثل قرار دیا۔ کسی نے کہا کہ شیطان کا علم غیب تو نص سے ثابت ہے مگر سرور عالم ﷺ کا علم کسی نص سے ثابت نہیں لہذا آپ ﷺ کے لیے علم غیب ماننا شرک ہے اور کسی نے اپنی کتاب میں کہا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آخری نبی ماننا عوام کا خیال ہے بالفرض ان کے زمانے کے بعد بھی اگر کوئی نبی آجائے تو خاتمیت محمدی میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کسی نے اپنی کتاب میں اللہ ﷻ کی مقدس ذات کے لیے جھوٹ کو ثابت کیا۔ اور یہ سب باتیں کہنے والے ایک فرقے کے مذہبی پیشوا ہیں کہ جن کی یہ باتیں آج تک بڑی ڈھٹائی کے ساتھ شائع کی جارہی ہیں قرآن وحدیث کی رو سے یہ لوگ دائرہ اسلام سے نکل چکے ہیں کیونکہ انہوں نے اللہ عزّ وجل اور حبیب ﷺ کی شان میں گستاخیاں بکی ہیں مگر مرزا صاحب کے نزدیک یہ لوگ بہت پکے سچے مسلمان ہیں کیونکہ یہ لوگ ساری زندگی طوطے کی طرح کلمہ پڑھتے رہے ہیں مرزا صاحب کا یہ طرز فکر بھی سراسر قرآن کے خلاف ہے حالانکہ اللہ عزّ وجل کے نزدیک ایسے لوگ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

"قل أباللہ وایٰتہ ورسولہ کنتم تستھزؤن لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم"

﴿پ ۸ سورۃ التوبہ آیت ٦٦﴾

"تم فرماؤ کیا اللہ اور اسکی آیتوں اور اسکے رسول سے ہنستے ہو بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے مسلمان ہو کر"

علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے اس کا شان نزول بیان فرماتے ہوئے لکھا کہ ایک مرتبہ کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اونٹنی گم ہوگئی تو انھوں نے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں عرض کیا کہ میری اونٹنی کے بارے میں بتایئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تمہاری اونٹنی کی نکیل فلاں مقام میں ایک درخت میں اٹک گئی ہے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اس پر کچھ ظاہری طور پر کلمہ طیبہ پڑھنے والے اور نماز روزہ رکھنے والے لوگوں نے کہا کہ محمد ﷺ غیب کیا جانیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی کہ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو اللہ جل جلالہ نے ان کے نماز روزے کی اور کلمہ کی رعایت نہ کی بلکہ ان پر کھلم کھلا کفر کا فتویٰ صادر فرمایا گیا اب میں اپنے محترم قارئین سے مخاطب ہوں کہ آپ ہی فیصلہ فرمائیں کہ مرزا صاحب کا طرز فکر قرآن کے مطابق ہے یا قرآن کے خلاف۔

عاشرا

مرزا صاحب نے صحاح ستہ میں وارد کئی احادیث اور آئمہ فن کے نزدیک مقبول احادیث کو بلا ثبوت موضوع وضعیف قرار دیا اسکی وجہ ظاہر ہے کہ وہ اپنے خود ساختہ نظریے کو کسی بھی صورت میں صحیح ثابت کرنا چاہتے ہیں یہ انتہائی بے باکانہ اقدام ہے جس شخص کے دل میں ذرا بھی خوف خدا عزوجل و شرم رسول ﷺ ہو گی ہر گز ہر گز ایسا نہیں کرے گا وہ احادیث کہ جن کو مرزا صاحب نے ضعیف و موضوع قرار دیا ہے میں ان احادیث کے بارے میں آئمہ فن حدیث کے حوالے سے گفتگو کرونگا ان شاء اللہ مرزا صاحب کی دروغ گوئی کی حقیقت عیاں ہو جائے گی۔ مرزا صاحب نے سب سے پہلے جس حدیث کو موضوع یعنی من گھڑت قرار دیا ہے۔ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت سے متعلق ہے وہ حدیث شریف یہ ہے۔ ”میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جسکی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔“ اس حدیث شریف کو صاحب مشکوٰۃ نے بحوالہ رزین کے مشکوٰۃ شریف میں نقل فرمایا حدیث مبارکہ تفصیلاً ان الفاظ میں ہے۔

> ”حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ میں نے اپنے رب عزوجل سے اپنے صحابہ کے اختلاف کے متعلق سوال کیا جو میرے بعد ہوگا تو مجھے وحی فرمائی اے محمد ﷺ تمہارے صحابہ میرے نزدیک آسمان کے تاروں کی طرح ہیں کہ ان کے بعض بعض سے قوی ہیں اور سب میں نور ہے تو جس نے ان کے اختلاف میں سے کچھ حصہ لیا جس پر وہ ہیں تو وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں تم ان میں سے جن کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔“

علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کہ جن کے علم حدیث کا شہرہ ساری امت مسلمہ میں ہے اسکے بارے میں فرماتے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہیں کہ ابن الربیع محدث فرماتے ہیں اس حدیث کو ابن ماجہ نے روایت کیا ایسے ہی علامہ جلا الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے شفا شریف کی احادیث کی تخریج میں بیان فرمایا اسی طرح ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ نے امام رافعی کی احادیث کی تخریج میں بیان فرمایا اور ابن حزم کے حوالے سے ذکر کیا کہ اس کے نزدیک موضوع ہے مگر محدث بیہقی علیہ الرحمہ کے حوالے سے ذکر کیا کہ اس کی تائید مسلم شریف کی حدیث سے ہوتی ہے امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح ابن حاجب میں اس حدیث شریف پر گفتگو فرمائی اور اس کو جامع الاصول میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت کیا۔

میں نے یہ بحث علامہ علی قاری علیہ الرحمہ کی مرقات کے حوالے سے انتہائی اختصار سے نقل کی ہے محدثین میں سے کسی نے بھی اس کو موضوع قرار نہیں دیا سوائے ابن حزم کے۔ اور ابن حزم کا رد ابن حجر علیہ الرحمہ نے بیہقی کے حوالے سے کر دیا۔ تو پتا چلا کہ آئمہ فن حدیث کے نزدیک یہ حدیث شریف مقبول ہے بلکہ اس کی تائید دیگر احادیث سے بھی ہوتی ہے جبھی تو بڑے بڑے محدثین نے یہ حدیث شریف اپنی اپنی کتابوں میں روایت کی۔ ہاں اگر مرزا صاحب اسکا انکار کریں تو ان کی بات کا کیا اعتبار کیونکہ یہ معاملہ حدیث کا ہے اور حدیث کے معاملے میں تو ماہرین حدیث کی بات مانی جائے گی۔

اسی طرح مرزا صاحب نے ایک حدیث شریف کو موضوع لکھ دیا مگر اس پر کوئی حوالہ پیش نہیں کیا وہ حدیث یہ ہے کہ۔ ''میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔'' اگر مرزا صاحب کی یہ باتیں من وعن تسلیم کر لی جائیں تو کوئی بھی گمراہ فرقہ اپنے باطل نظریات کے خلاف وارد احادیث کو موضوع قرار دے کر رد کر دے گا۔ بہر حال میں یہاں محدثین کے حوالے سے اس حدیث شریف کی فنی حیثیت نقل کیے دیتا ہوں۔

تذکرۃ الموضوعات میں علامہ محمد طاہر بن علی الہندی الفتنی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں مقاصد میں حدیث ''میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔'' کو بیہقی کے حوالے سے بیان کیا گیا اور انہوں نے ضحاک سے اور انہوں نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے طویل حدیث روایت کی ہے۔ ''اور میرے صحابہ کا اختلاف تمہارے لیے رحمت ہے۔'' اس حدیث شریف کو طبرانی، دیلمی اور ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سند منقطع سے روایت کیا ہے امام عراقی فرماتے ہیں کہ ہمارے استاذ نے فرمایا کہ یہ حدیث شریف لوگوں میں مشہور ہے اس حدیث شریف کو ابن حاجب نے اپنے رسالے ''المختصر فی القیاس'' میں روایت کیا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہے اس حدیث کے بارے میں بہت سوال اٹھے اور بعض آئمہ نے گمان کیا کہ اس کی کوئی سند نہیں ہے مگر خطابی نے اس کی سند بھی بیان کی ہے اور اعتراض کرنے والوں پر رد کیا ہے امام سبکی علیہ الرحمہ نے اس حدیث کو بیضاوی کے حاشیہ پر نقل فرمایا اور ان کے علاوہ دیگر لوگوں نے بھی حدیث شریف کو نقل فرمایا۔ علامہ سید محمد بن محمد الحسینی الزبیدی نے "اتحاف السادۃ المتقین" میں اس حدیث شریف کے بارے میں لکھا کہ امام زین الدین عراقی نے فرمایا کہ امام بیہقی نے اس حدیث کو رسالہ اشعریہ میں بغیر سند کے انہیں الفاظ میں روایت کیا ہے اور اسے مدخل کی طرف سند کیا ہے چند سطور بعد علامہ زبیدی فرماتے ہیں کہ پہلی حدیث جو مدخل میں بیان کی گئی ہے کہ کتاب اللہ میں سے جو کچھ حکم دیا جائے اس پر عمل کرنا ضروری ہے اور کسی کو چھوڑنے کی اجازت نہیں پس اگر کتاب اللہ میں نہ ملے تو میری گزشتہ سنت پر عمل کیا جائے اور اگر اس میں بھی نہ ملے تو جو کچھ میرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا اس پر عمل کرو کیونکہ میرے صحابہ ایسے ہیں جیسے آسمان میں ستارے۔ پس جس کی بات کو لے لیا تو ہدایت پا جاؤ گے اور میرے صحابہ کا اختلاف تمہارے لیے رحمت ہے۔" امام سخاوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس طریقے پر اس حدیث شریف کو امام طبرانی اور دیلمی نے اپنی سند میں روایت کیا علامہ زبیدی مزید فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ ابونصر سنجری نے ابانہ میں اور خطیب ابن عساکر نے اپنی تاریخوں میں اور علامہ سیوطی نے الجامع الکبیر میں اس حدیث شریف کو روایت کیا ہے علامہ زبیدی علیہ الرحمہ نے اس حدیث شریف کے بارے میں اور بھی حوالہ جات پیش کیے ہیں جن میں چند یہ ہیں الحلیمی نے کتاب الشہادات میں اسی طرح قاضی حسین اور امام الحرمین نے اس حدیث شریف کو نقل کیا امام زرکشی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب تذکرہ میں فرمایا کہ اس حدیث شریف کو نصر المقدسی نے کتاب الحجہ میں مرفوعاً اور بیہقی نے کتاب مدخل میں روایت کیا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کا آپس میں اختلاف نہ کرنا میری خوشی کا باعث نہ ہوتا کیونکہ اگر وہ آپس میں اختلاف نہ کرتے تو امت کو رخصت کس طرح ملتی۔ امام عراقی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف کی ایک مرسل سند ہے جسے آدم بن عیاض نے کتاب العلم و الحکم میں بیان فرمایا ہے۔ علامہ علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین نے کنز العمال میں اس حدیث شریف کے بارے میں فرمایا کہ اس حدیث "میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔" کو نصر المقدسی نے کتاب الحجہ میں روایت فرمایا اور بیہقی نے رسالۃ الاشعریہ میں بغیر سند کے روایت کیا اور الحلیمی، القاضی حسین اور امام الحرمین وغیرہ نے اس کو روایت فرمایا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ان محدثین نے اس حدیث شریف کو شاید ان حفاظ حدیث کی کتابوں سے نقل فرمایا کہ جو ہم تک نہ پہنچ سکیں۔ بڑے بڑے محدثین مختلف کتب کے حوالے بیان فرما کر اس حدیث شریف کی تائید کر رہے ہیں اور روایت ودرایت کے اعتبار سے اس حدیث کو صحیح مان رہے ہیں کسی محدث نے بھی اسے من گھڑت کہنے کی جرأت نہیں کی بلکہ جسے اس کی سند پر اطلاع نہ ملی تو اس نے بھی حسن ظن سے کام لیا مگر مرزا صاحب کا معاملہ ہی عجیب ہے بڑے دھڑلے سے موضوع کہہ دیا۔ مرزا صاحب اسے موضوع کیوں کہہ رہے ہیں قارئین کرام تو اس کی وجہ جان ہی چکے ہوں گے بہر حال اس سلسلے میں مرزا صاحب کی بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے جب کہ ماہرین حدیث کے نزدیک یہ حدیث شریف اپنی سند اور مفہوم کے اعتبار سے ثابت ہے۔ اور جہاں تک مرزا صاحب کی عقلی دلیل کا تعلق ہے کہ اختلاف رحمت نہیں ہوسکتا بلکہ وہ تو جھگڑا ہی جھگڑا ہے تو اس سلسلے میں فقیر عرض کرے گا کہ مرزا صاحب کی یہ بات کم علم لوگوں کے بارے میں تو درست ہے مگر جہاں تک مجتہدین کے اختلاف کا معاملہ ہے وہ واقعی رحمت ہے جیسا کہ میں نے نقطہ نمبر 6 اور 7 میں حدیث شریف میں نقل کی ہے اگر مجتہدین کا اختلاف بھی جھگڑا ہوتا تو نبی اکرم ﷺ کسی نہ کسی فریق پر ضرور شدت فرماتے مگر آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسا نہیں کیا تو پتا چلا کہ مجتہدین کا اختلاف رحمت ہے۔

اسی طرح مرزا صاحب نے صحاح ستہ میں وارد حدیث پر تنقید کی اور اسے ضعیف قرار دیا حالانکہ حدیث کی یہ وہ کتابیں ہیں کہ جن کے بارے میں امت مسلمہ کے تمام محدثین کا اتفاق ہے ان میں صحیح احادیث کا التزام کیا گیا ہے وہ حدیث درج ذیل ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ”جو کچھ بنی اسرائیل میں ہوا وہی کچھ میری امت میں ہوگا یہاں تک کہ اگر ان میں سے کسی حرامی نے سر عام اپنی ماں سے حرام کاری کی تو میری امت میں بھی ایسے لوگ ہونگے یعنی جیسے ایک جوتا دوسرے کے ساتھ عین ناپ کر بنایا جاتا ہے بنی اسرائیل کے بہتر (72) فرقے ہوئے اور میری امت کے (73) فرقے ہونگے جن میں سے 72 دوزخی ہونگے اور ایک جنتی ہوگا تو آپ نے فرمایا کہ جو میری اور میرے صحابہ کی سنت پر ہوگا۔“

مرزا موصوف نے اس حدیث شریف پر نسائی شریف کی سند پر تحفہ عابدی کے حوالے سے تنقید کی اور اسے ضعیف قرار دیا حالانکہ خود ہی نے یہ بات لکھی کہ یہ حدیث کافی کتابوں میں آئی ہے۔ میں مرزا صاحب سے یہ بات پوچھنا چاہوں گا کہ مرزا صاحب آپ نے اس حدیث کی باقی اسناد کے بارے میں کیوں نہیں لکھا اور مرزا صاحب

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

باقی اسناد کے بارے میں لکھتے بھی کیوں اگر لکھ دیتے تو خود کا نظریہ ہی منہدم ہو جاتا۔

محترم قارئین! یاد رہے کہ اس حدیث مبارک کو صاحب مشکوٰۃ نے امام ترمذی، امام ابوداؤد، اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا ہے امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے امام ابوداؤد نے 73 فرقوں کے متعلق دو مختلف اسناد سے روایت کیا۔ ابن قیم جوزیہ نے لکھا کہ ترمذی نے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور یہی حدیث شریف سعد عوف بن مالک اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے۔ اسی طرح سے ابن قیم نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہی حدیث چند الفاظ کے اختلاف سے روایت کی ہے کہ: "بنی اسرائیل 72 بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت عنقریب 73 فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی وہ سب کے سب جہنمی ہوں گے سوائے ایک کے اور فرمایا کہ وہ جماعت ہے۔"

اگر کوئی حدیث متعدد اسانید سے مروی ہو اور ان میں سے ایک کے سوا تمام سندیں بھی ضعیف ہوں تو اس حدیث شریف کو ضعیف نہیں کہا جا سکتا کیونکہ وہ اس کی ایک سند تو مضبوط ہے اور بالفرض ایک حدیث شریف کی ساری کی ساری سندیں ضعیف ہوں تو بھی وہ حدیث ضعیف نہیں کہلاتی بلکہ تعدد طرق کی وجہ سے درجہ حسن تک پہنچ جاتی ہے۔

اب مرزا صاحب کی جرأت دیکھنے کے قابل ہے کہ 73 فرقوں والی حدیث کی اسانید میں سے صرف ایک ہی میں ضعف ملا تو موصوف نے باقی صحیح اسانید سے مروی احادیث کو بھی رد کر دیا یہ طریقہ کار منکرین حدیث کا ہے کہ جب کوئی حدیث اپنی مرضی کے مطابق ہوئی تو مان لی ورنہ حدیث شریف کو ضعیف و موضوع کہہ کر رد کر دیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس گمراہ فرقے کے بارے میں بھی خبر دی ہے۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے سنن ابوداؤد میں روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

"خبردار تمہیں وہ شخص دھوکا میں نہ ڈال دے جو اپنے صوفے پر ٹیک لگائے ہوئے ہوگا اس کے پاس میرا حکم آئے گا جسے میں نے یا تو کرنے کا حکم دیا ہوگا یا اس سے منع کیا ہوگا تو وہ شخص کہے گا ہم نہیں جانتے ہمیں جو کچھ کتاب اللہ میں ملے گا ہم اس کی پیروی کریں گے۔"

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو انکار حدیث کے فتنے سے محفوظ فرمائے (آمین)

مرزا صاحب نے سواد اعظم سے متعلق حدیث شریف کو بھی غلط رنگ دینے کی کوشش کی ہے وہ حدیث شریف

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

درج ذیل ہے۔

''حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی اور اگر اختلاف دیکھو تو سواد اعظم (جن کی تعداد زیادہ ہو) کا ساتھ دو۔''

اس حدیث شریف سے پچھلی حدیث شریف میں نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ نے امت کے بھولے بھالے اور دلائل میں غور فکر کی صلاحیت نہ رکھنے والے افراد کو حق کی پہچان کا نہایت آسان اور ستھرا طریقہ بتا دیا کہ جس شرعی معاملے میں امت کی اکثریت متفق ہو تو وہی حق ہے۔ اس معیار کے مطابق دیکھا جائے تو تمام امت (آئمہ اربعہ) چاروں اماموں کی تقلید پر متفق ہے لہٰذا تقلید آئمہ ہی حق ہے اور اسی میں امت کے لیے بھلائی بھی ہے کیونکہ انہوں نے جو کچھ مسائل بیان فرمائے وہ قرآن وحدیث واجماع امت کی روشنی میں بیان فرمائے ہیں لیکن اگر لوگ مرزا صاحب کے مشورے کے مطابق تقلید آئمہ چھوڑ دیں تو ہر شہر بلکہ ہر محلے بلکہ ہر گلی ہی میں نہیں بلکہ ہر گھر میں کئی کئی مجتہد اٹھ کھڑے ہونگے اور ہر شخص یہی دعویٰ کرے گا کہ قرآن وحدیث سے جو حکم میں نے اخذ کیا ہے وہی صحیح ہے اس سے مسلمانوں میں ایسا عظیم افتراق وانتشار برپا ہوگا کہ ہر جگہ جنگ کی سی کیفیت پیدا ہو جائے گی اور یہ بات مشاہدہ سے ثابت ہے کہ غیر مقلد افراد پہلے پہل تو اپنے بڑے مولویوں کی تقلید کرتے ہیں مگر جب خود حدیث کا ترجمہ براہ راست پڑھنا شروع کرتے ہیں تو اپنے ہی مولویوں سے اختلاف شروع کر دیتے ہیں یہاں تک کہ ایک دوسرے کی اقتداء میں نماز پڑھنا چھوڑ دیتے ہیں پھر اس معاملے میں شدت آتی ہی چلی جاتی ہے معاملہ یہاں تک پہنچتا ہے کہ وہ شخص سب کو گمراہ سمجھتا ہے کسی کی توحید کو خالص نہیں سمجھتا اسی لیے خود اکیلا ہی اذان دے کر نماز پڑھتا ہے اور اپنے آپ کو سچا اہل حدیث سمجھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو غیر مقلدیت کے گمراہ کن مسلک سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

مذکورہ حدیث شریف میں صراحت کے ساتھ سواد اعظم کا ذکر کیا گیا اور سواد اعظم کے تو وہی معنی معتبر ہونگے جو کہ محدثین نے بیان فرمائے ہیں علامہ علی قاری علیہ الرحمہ مشکوٰۃ شریف کی شرح مرقاۃ المفاتیح میں اس لفظ کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سواد اعظم سے بڑی جماعت مراد ہے یعنی جس پر مسلمانوں کی اکثریت ہو۔ مگر مرزا صاحب اس لفظ کی بے بنیاد تاویل اور مغالطہ آفرینی کے لیے سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے واقعہ کربلا کو غلط انداز میں پیش کیا حالانکہ جو لوگ تاریخ کربلا سے واقف ہیں وہ اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ نظریہ کے اعتبار سے امام

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حسین ﷺ ہی کی جماعت اکثریت میں تھی اول تو یوں کہ تمام اہل مکہ و مدینہ اور دیگر بلاد اسلام کے لوگ امام حسین ﷺ کی حمایت ہی میں تھے مگر جسمانی فاصلہ حائل تھا پھر دوم یہ کہ خود اہل کوفہ بھی دلی طور پر امام حسین ﷺ ہی کو حق پر سمجھتے تھے مگر انہوں نے یزید کے خوف اور دنیا کے لالچ کی وجہ سے حق بات کا اظہار نہیں کیا اس موقع پر فرزدق نامی شاعر نے کیا خوب کہا ''اے امام ان کوفیوں کے دل تو آپ کے ساتھ ہیں مگر تلواریں یزید کے ساتھ ہیں' لہٰذا مرزا صاحب کا واقعہ کربلا سے استدلال کرنا سراسر غلط اور مغالطہ آفرینی ہے بلکہ اس کے برعکس یہی ثابت ہوتا ہے کہ امام حسین ﷺ کی جماعت اکثریت میں تھی جبھی تو ساری دنیا یزید کو برا کہتی ہے اور امام حسین ﷺ کو اچھا۔ اگر اکثریت یزید کے ساتھ ہوتی تو یزید کو کوئی بھی برا نہیں کہتا کیونکہ کوئی بے وقوف ہی اپنے ہم نظریہ لوگوں کو برا کہے گا۔

مرزا صاحب نے صحابہ کرام ﷺ کی پیروی کے متعلق ایک اور حدیث کو غلط رنگ دینے کی کوشش کی ہے اس حدیث کے آخری کلمات درج ذیل ہیں۔ ''تو تم اس وقت میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کی پیروی کرنا۔'' اچھی طرح مضبوطی سے پکڑ لینا بلکہ داڑھوں سے مضبوطی سے پکڑ لینا کیونکہ جس نے میری اور میرے خلفاء راشدین کی پیروی کی وہ ہدایت پر ہوگا۔''

اسی مفہوم کی دیگر احادیث ابوداؤد و ترمذی وغیرہ میں بھی روایت کی گئی ہیں مگر مرزا موصوف کا اس حدیث شریف پر یہ اعتراض ہے کہ اس میں خلفاء راشدین کی پیروی کا حکم کیوں دیا گیا؟ اس لیے کہ ان کے نزدیک صحابہ کرام علیہم الرضوان کی پیروی کرنا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کے خلاف ہے بلکہ ان کے نزدیک معاذ اللہ صحابہ کرام نبی ﷺ کے طریقے پر نہیں تھے جبھی تو مرزا صاحب نے صحابہ کرام ﷺ کی پیروی کو الگ دین کی پیروی کرنا کہا ہے مرزا صاحب کی یہ بات سراسر گمراہی ہے کیونکہ صحابہ کرام ﷺ نے ساری زندگی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کرتے ہوئے گزاری جبھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں قرآن میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔ اگر معاذ اللہ صحابہ کرام ﷺ نے نبی پاک ﷺ کی تعلیمات سے ہٹ کر کوئی نیا طرز عمل اختیار کیا ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہرگز بھی ان کے بارے میں یہ کلمات نہ فرماتا اور نہ ہی حضور ﷺ صحابہ کرام ﷺ کی پیروی کا حکم فرماتے بلکہ مرزا صاحب کے برعکس عظیم صحابی عبداللہ ابن مسعود ﷺ فرماتے ہیں کہ:۔

''جو سیدھی راہ جانا چاہے وہ وفات یافتہ بزرگوں کی راہ چلے کہ زندہ پر فتنہ کی امن نہیں وہ بزرگ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نبی اکرم ﷺ کے

صحابہ ہیں جو اس امت میں بہترین، دل کے نیک، علم کے گہرے، اور تکلف میں کم تھے اللہ عزّ وجل نے انہیں اپنے نبی کی صحبت اور اپنے نبی ﷺ کا دین قائم کرنے کے لیے چن لیا ان کی بزرگی مانو ان کے آثار قدیم پر بقدر طاقت چلو ان کے اخلاق و سیرت کو مضبوط پکڑو کہ وہ سیدھی ہدایت پر تھے ﴿مشکوۃ﴾

پھر مرزا موصوف نے اہلسنت و جماعت (حنفی مسلک) کے خلاف اپنے بغض کا اظہار کرتے ہوئے امام اعظم ابو حنیفہ ﷺ کے بیان کردہ مسئلے پر تنقید کی۔ وہ مسئلہ درج ذیل ہے۔

"اگر کسی عورت کا خاوند گم ہو جائے یعنی نہ تو اس کا پتہ چلے کہ وہ کہاں ہے اور نہ ہی اس نے کبھی خرچہ بھیجا ہو اور نہ ہی کبھی کوئی اطلاع تو وہ عورت اس وقت تک دوسرا نکاح نہیں کر سکتی جب تک اس کے خاوند کے ہم عمر ساتھی زندہ ہیں اس کو بھی زندہ ہی تصور کیا جائے گا۔" مرزا نے اس مسئلہ کے مقابلے میں حضرت عمر فاروق ﷺ کا قول پیش کیا اور مذکورہ مسئلے کو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی رائے قرار دیا فقیر اس سلسلے میں صرف یہی عرض کرے گا کہ مرزا صاحب نے اپنی جہالت کہ بنا پر یا پھر امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ اور اہلسنت سے بغض و عناد کی وجہ سے اس مسئلے کو امام اعظم ﷺ کی رائے قرار دیا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ امام اعظم نے یہ مسئلہ اپنی رائے سے بیان نہیں فرمایا بلکہ حدیث شریف سے اخذ فرمایا ہے۔ جسے امام دار قطنی نے سوار بن مصعب سے روایت کیا ہے وہ حدیث شریف درج ذیل ہے۔

"مفقود (یعنی جو شخص غائب ہو گیا ہو اور اسکی اطلاع نہ ہو) کی بیوی اسی کی بیوی رہے گی۔ جب تک اس کے بارے میں اطلاع نہ آ جائے۔"

اسی طرح حضرت علی ﷺ کا بھی یہی فتویٰ ہے امام عبد الرزاق اپنی مصنف میں روایت کرتے ہیں کہ

'حضرت علی ﷺ نے مفقود کی بیوی کے بارے میں فرمایا کہ وہ ایک ایسی عورت ہے جسے امتحان میں مبتلاء کیا گیا ہے اس کو چاہیے کہ وہ صبر کرے یہاں تک کہ اسے موت یا طلاق کی اطلاع ملے۔"

اور جہاں تک عمر فاروق ﷺ کے فتوے کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں عظیم محقق کمال الدین رحمہ اللہ نے فتح

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

القدیر میں محدث ابن ابی یعلیٰ کے حوالے سے نقل فرمایا کہ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔

اب فقیر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ مرزا صاحب اوران کے ہم خیال ٹولے کو سچ بولنے کی توفیق عطا فرمائے اور قارئین سے التماس ہے کہ وہ اس قسم کے کھوکھلے نعروں سے متاثر ہونے کی بجائے اس کی حقیقت جاننے کی کوشش کیا کریں کیونکہ مرزا صاحب کا یہ نعرہ ظاہری طور پر تو بہت پرکشش ہے مگر اس کی حقیقت پر غور کیا جائے تو اس کے نتائج واثرات امت مسلمہ کے لیے انتہائی خوف ناک ہیں مرزا صاحب کا اس نعرے ''صحابہ اوراماموں کو ایک طرف رہنے دو'' سے شاید کوئی کم عقل ہی متاثر ہو۔ مگر رفتہ رفتہ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ امت مسلمہ میں ایک نیا فرقہ جنم لے لے گا ہاں اگر واقعی امت کی اصلاح مقصود ہے تو پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کرنا پڑے گا اور اسی گروہ کا ساتھ دینا ہوگا جو کہ نبی اکرم ﷺ اوران کے صحابہ کے طریقے پر ہے اوراس کی پہچان سواد اعظم ہے جو بھی اس عظیم گروہ سے جدا ہوگا وہ جہنم ہی کی طرف جائے گا۔ جیسا کہ صاحب مشکوٰۃ امام احمد اور ابوداؤد کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں کہ:۔

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو جماعت (سواد اعظم) سے بالشت بھر بھی دور ہوا تو اس نے اپنی گردن سے اسلام کا پٹا اتار دیا۔''

اسی طرح امام ترمذی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا

''کہ بے شک اللہ تعالیٰ میری امت یا محمد ﷺ کی امت کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اوراللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہے جو اس سے علیحدہ ہوا وہ آگ میں علیحدہ ہوا۔''

مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ جدید زمانے کے لوگوں کے جدید قسم کے پرفریب نعروں سے متاثر ہونے کی بجائے اپنے آقا ومولا محمد مصطفےٰ ﷺ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے سواد اعظم **اھل سنت و جماعت** کا ساتھ دیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو گمراہی سے بچائے اور سواد اعظم اہل سنت کے راستے پر ثابت قدم رکھے۔ **امین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا ومولانا محمد وآلہ وبارک وسلم.**

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

مال کمانے کے ناجائز طریقے

مال کمانے کی تین جدید ناجائز صورتوں کا بیان

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

گولڈن کی کمپنی

(Golden Key Company)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام بیچ اس مسئلے کے کہ ''گولڈن کی انٹرنیشنل کے نام کی ایک فرم تھائی لینڈ کی تیار کردہ ایک دوا "Yu-Yuan zb" کے نام سے فروخت کررہی ہے۔ یہ دوائی مختلف پھلوں اور سبزیوں کے وٹامنز کا مرکب ہے یہ ایک سفوف کی شکل میں ہے۔'' بقول کمپنی والوں کے اس دوا میں شوگر، ہائی بلڈ پریشر، ہائپر ٹینشن، جوڑوں کا درد یہاں تک کہ ٹی بی اور کینسر جیسے موذی مرض اور اس کے علاوہ مختلف امراض سے منجانب اللہ 100% سو فیصد شفاء موجود ہے۔ اور اس دوائی کے متعلق مختلف لیبارٹریوں کی نقول موجود ہیں۔

اس دوائی کو سپلائی کرنے کا اس کمپنی نے ایک خاص اور منفرد انداز اپنایا ہے جس کا مقصد کمپنی کے دعوی کے مطابق لوگوں کو جسمانی صحت کے طور پر اور معاشی طور پر بہتر مستقبل فراہم کرنا ہے۔ اس کمپنی کے طریقۂ کار کے بارے میں رہنمائی فرمائیں کہ اسطرح اس سسٹم میں شامل ہوکر صحت اور مالی اعتبار سے فوائد کا حاصل کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ (اس سسٹم کی تفصیل اور فوائد سمجھانے کیلئے ممبر گاہک کو کمپنی کے ہیڈ آفس لے جاتا ہے۔ وہاں پر تفصیل اور فوائد جاننے پر اسکی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ اس سسٹم کا حصہ دار بنے یا نہ بنے)۔ اس کا طریقہ کار مندرجہ ذیل ہے۔ اس کمپنی سے جب کوئی شخص پہلی مرتبہ دوائی خریدتا ہے تو کمپنی اس شخص کو اپنا مستقل ممبر گاہک بنالیتی ہے اور اس سے ایک معاہدہ کرتی ہے کہ اگر کوئی ممبر گاہک فراہم کرے تو اسکو مخصوص کمیشن ادا کیا جائیگا۔ جب مذکورہ شخص دوائی خریدتا ہے، یا ممبر بنتا ہے تو اس شخص کو مبلغ 19000 روپے ادا کرنے پڑتے ہیں جس میں سے 10000 روپے تجارتی قصد کیلئے جمع کر کے اس کو کاروبار میں شامل کیا جاتا ہے۔ بقول کمپنی کہ کہ ہمارا دوائی کو مشتہر کرنے کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔ ہمارے سسٹم کیمطابق یہ مذکورہ /10000 روپے کی رقم اشتہاری اخراجات کی مد میں خرچ کرنے کی بجائے ممبران میں انکی حیثیت کے مطابق متعین کردہ کمیشن تقسیم کرنے کیلئے مختص کردیجاتی ہے اور بقایا 9000 روپے دوائی کی اصل قیمت اور جنرل سیلز ٹیکس کی مد میں وصول کی جاتی ہے اس دوائی کو لیتے وقت یا ممبر بنتے وقت کل 19000 روپے کی رقم ہی ادا کرنی پڑتی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہے۔اگر کوئی شخص اس کمپنی کو ممبر یا گاہک فراہم نہیں کر سکتا تو اس کو اس دوائی کے علاوہ اور کوئی کمیشن حاصل نہیں ہوتا۔ جب ابتداء میں کوئی شخص اس کمپنی کا ممبر بنتا ہے تو ممبر بنتے ہی کمپنی اسکو سپروائزر کے عہدے پر متعین کر دیتی ہے۔ اور اسکو کمپنی مزید ممبر/گاہک فراہم کرنے پر مذکورہ 10000 روپے کی رقم پر 15% پندرہ فیصد یعنی 1500 روپے فی ممبر ادا کرتی ہے۔

اگر سپروائزر کے فراہم کردہ ممبر/گاہکوں کی تعداد 5 ہو جاتی ہے تو اسکو ترقی دیکر منیجر بنا دیا جاتا ہے ۔اور اس کا کمیشن فی ممبر/گاہک 25% پچیس فیصد یعنی =/2500 روپیہ کر دیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح ممبروں/گاہکوں کی تعداد بڑھ کر 24 ہو جاتی ہے۔ جس میں سے 2 ممبران ایسے شامل ہوں جو 5 ممبر/گاہک فراہم کرنے پر منیجر بن چکے ہوں تو ایسے 24 ممبر فراہم کرنے والے منیجر کو ڈائریکٹر کے عہدے پر ترقی دے دیجاتی ہے اور اس کا کمیشن فی ممبر/گاہک فراہم کرنے پر 40% چالیس فیصد یعنی 4000 روپے مقرر کر دیا جاتا ہے اب یہ اس شخص کی ایک ٹیم بن جاتی ہے۔ اگر یہ شخص اپنی ٹیم کے ممبروں کی مدد سے ممبروں اور گاہکوں کی تعداد 200 تک پہنچا دیتا ہے جس میں 6 ممبران ایسے شامل ہوں جو خود 24,24 ممبر یا گاہک فراہم کرنے پر ڈائریکٹر بن چکے ہوں تو اس ٹیم کے سربراہ یعنی مذکورہ ڈائریکٹر یا شخص کو کمپنی کا ایگزیکٹو ڈائریکٹر بنا کر اس کا کمیشن 43% فیصد یعنی 4300 روپے فی ممبر/گاہک فراہم کرنے پر مقرر کر دیا جاتا ہے۔ ایگزیکٹو ڈائریکٹر بننے پر اس شخص کو مزید مراعات دیجاتی ہیں۔ یعنی اگر وہ خود ممبر بنائیں تو 4300 روپے ادا کئے جاتے ہیں۔ اگر اُس کی ٹیم کا کوئی ممبر/گاہک اور ممبر فراہم کرتا ہے تو 4300 میں سے اسکی حیثیت کے مطابق متعین کردہ کمیشن کاٹ کر بقایا رقم کمیشن کے طور پر مذکورہ شخص کو ادا کی جاتی ہے مثلاً سپروائزر کے ممبر بنانے پر 1500 کاٹ کر بقایا 2800 روپے مذکورہ شخص کو ادا کئے جائیں گے۔ اور 1500 سپروائز کو۔ اگر اس ٹیم کا کوئی عہدیدار یا ممبر یا مذکورہ شخص کمپنی کو کوئی بھی گاہک فراہم نہ کر سکے تو کمپنی کسی کو بھی کسی قسم کا کمیشن ادا نہیں کرتی۔

برائے کرم رہنمائی فرمائیں کہ اس سسٹم میں شامل ہو کر یا ممبر بنکر اور کمپنی کو ممبر/گاہک فراہم کر کے جسمانی صحت اور مالی اعتبار سے فوائد حاصل کرنا از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں۔ اللہ تعالٰی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

آپ کو جزائے خیر عطاء فرمائے۔آمین!

سائل: عابد فاروقی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجــــواب بعــــون الوهـــــاب

اللهـــــم هداية الحـــق والصواب

الحمدلله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وعلى اله واصحابه اجمعين۔

فقیر نے گولڈن کی کمپنی کے قواعد وضوابط (Rules & Regulations) اور ادویات (Medicines) کے فروخت کے طریقہ (Way of Selling) کا بغور مطالعہ کیا تو اس کے قواعد وضوابط اور طریقہ کار کوئی اعتبار سے خلاف شریعت پایا۔اولا اس کی بعض شرائط ایسی ہیں جو کہ نصوص احادیث اور فقہیہ کے خلاف ہیں۔اس کے ممبر شپ فارم کی شرط نمبر ۳ میں ہے کہ

3. I agree that during the subsistance of this agreement I will not, without prior written approvel by Golden Key International distribute, sell or promote in locally, directely or indirectely, the product or opportunities to any competing marketing company or be involved or participate in any business whether directely or indirectely agai-nst the activities of Golden key International

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترجمہ: میں اس بات پر رضامند ہوں کہ جب تک میں اس معاہدے سے متعلق رہوں گا اس وقت تک گولڈن کی انٹرنیشنل کمپنی کی پیشگی تحریری اجازت کے بغیر اس کمپنی کی مصنوعات کو نہ تو بالواسطہ اور نہ ہی بلاواسطہ اسی جیسی کمپنی کو تقسیم کروں گا، نہ بیچوں گا اور نہ ہی کوئی ایسا کام کروں گا اور نہ ہی کسی ایسے کام میں حصہ لوں گا جو کہ گولڈن کی کمپنی کی سرگرمیوں کے بالواسطہ یا بلاواسطہ خلاف ہو۔

① مذکورہ شرط کا پہلا حصہ کہ ”: میں اس بات پر رضامند ہوں کہ جب تک میں اس معاہدے سے متعلق رہوں گا اس وقت تک گولڈن کی انٹرنیشنل کمپنی کی پیشگی تحریری اجازت کے بغیر اس کمپنی کی مصنوعات کو نہ تو بالواسطہ (Indirect) اور نہ ہی بلاواسطہ (Direct) اسی جیسی کمپنی کو تقسیم کرونگا، نہ بیچوں گا (Sell) “ شرط فاسد (Invalid Condition) ہے۔ کیونکہ یہ بیع (Sale) میں شرط لگانا ہے اور وہ بھی ایسی شرط کہ نہ تو جس کا عقد (Contract) تقاضا کرتا ہے اور نہ ہی اس پر عرف جاری (Accustomed) ہے بلکہ اس میں تو سراسر گولڈن کی کمپنی کا فائدہ ہے تا کہ لوگ کسی اور سے یہ دوا نہ خریدیں بلکہ براہ راست کمپنی سے لیں تا کہ لوگ صرف انہی کے گاہک (Customer) بنیں اور کسی کے پاس نہ جائیں۔ امام طبرانی اوسط میں اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہما علوم حدیث میں روایت کرتے ہیں کہ

”نهى النبى ﷺ من بيع وشرط

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے بیع اور شرط سے منع فرمایا ہے۔

امام ابوالحسن مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

”وكل شرط لا يقتضى العقد وفيه منفعة لاحد المتعاقدين اوللمعقود عليه وهو من اهل الاستحقاق يفسده كشرط ان لا يبيع المشترى العبد المبيع لان فيه زيادة عارية عن العوض فيودى الى الربو او لانه يقع بسببه المنازعة فيعرى العقد عن مقصوده الا ان يكون متعارفا لان العرف قاض على القياس“۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(هدايه اخرين صفحه ٥٩ مكتبه شركت علميه)

ترجمہ: ہر وہ شرط کہ جس کا عقد تقاضا (Urge) نہ کرے اور اس میں متعاقدین (Contractors) میں سے کسی کے لئے یا معقود علیہ (Merchandise) کے لئے فائدہ ہو درآنحالیکہ معقود علیہ اہل استحقاق (انسان) میں سے ہو تو وہ عقد کو فاسد (Invalid) کردیگی۔ جیسے کہ یہ شرط لگانا کہ مشتری (Purchaser) بکنے والے غلام کو نہیں بیچے گا۔ کیونکہ اس میں ایسی زیادتی (Increase) ہے جو عوض سے خالی ہے (Without Recompense) جو کہ سود (Usury) کی طرف لے جائیگی۔ یا یہ کہ اس کی وجہ سے جھگڑا ہوگا اور عقد مقصود سے خالی ہو جائیگا سوائے یہ کہ وہ شرط متعارف ہو (Well known) کیونکہ عرف قیاس پر قاضی ہے۔

چنانچہ گولڈن کی کمپنی سے مذکورہ شرط کی موجودگی میں دوا خریدنا ناجائز ہے۔ اسی طرح شرط نمبر ۷ اور ۱۲ بھی ناجائز ہیں جو کہ درج ذیل ہے۔

7. Applicant or member can not change sponsor unless he/she has officially resigned with written application/notice and withdrawn total business activities from Golden Key International and unless get written approvel by the company

12. If any person joins or takes membership of any MLM componay in Pakistan that person's membership will be terminated automatically.

(2) ترجمہ: ۷۔ گولڈن کی انٹرنیشنل کمپنی میں ممبر شپ کی درخواست دینے والا یا اسکا ممبر پیشگی تحریری درخواست یا نوٹس کے استعفی دیے بغیر اور کمپنی کی تمام سرگرمیوں کو چھوڑے بغیر اور کمپنی کی پیشگی منظوری کے بغیر کسی اور کمپنی کا مشتہر (advertiser) نہیں بن سکتا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۱۲۔اگر گولڈن کی کمپنی کا کوئی بھی ممبر کسی اور ایم ایل ایم کمپنی میں شامل ہوگا یا اس کا ممبر بنے گا تو گولڈن کی کمپنی سے اس کی ممبر شپ ختم ہو جائیگی۔

یہ دونوں شرائط بھی قواعد شرعیہ کے خلاف ہیں۔ کیونکہ گولڈن کی کمپنی کے ممبر کی حیثیت دلال (commission agent) کی سی ہے۔ اور دلال قواعد شرعیہ کی رو سے اور عرفاً بھی اجیر مشترک (Common Employee) کے حکم میں ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے لئے وقت مقدر (Fixed) نہیں ہوتا۔

علامہ علاؤ الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

(من یعمل لا لواحد) کالخیاط ونحوہ (اویعمل لہ عملاغیر موقت) کأن استاجرہ فی بیتہ غیر مقیدۃ بمدۃ کان اجیرامشترکاوان لم یعمل لغیرہ (او موقتابلاتخصیص) کأن استاجرہ لیرعی غنمہ شہرابدرھم کان مشترکا۔

ترجمہ: اجیر مشترک (Common Employee) وہ ہے جو کسی ایک کے لئے کام نہ کرے جیسے کہ درزی وغیرہ یا یہ کہ کام تو وہ کسی ایک کے لئے کرتا ہے مگر وقت کی کوئی قید نہ ہو جیسا کہ درزی سے ایک غیر معینہ مدت کے لئے اپنے گھر میں کپڑے سینے کا اجارہ کیا تو وہ اجیر مشترک ہی ہوگا اگر چہ وہ کسی اور کے لئے کام نہ کرے۔ یا یہ کہ اس سے اجارہ موقت (Temporary) کیا مگر کسی ایک کے لئے مخصوص (Specific) نہ کیا جیسے کہ کسی سے ایک مہینے کی مدت کے لئے ایک درھم پر بکریاں چرانے پر اجارہ کیا تو وہ اجیر مشترک ہی ہوگا۔

ہاں اگر عقد اجارہ مؤقت (Temporary) ہو اور اس کے ساتھ ساتھ مستاجر (Lessee) اجیر (Employee) کو پابند کردے کہ کسی اور کے لئے کام نہ کرنا تو اب اسے اس وقت میں کسی اور کے کام کرنا جائز نہ ہوگا۔ مگر یہ اسی صورت میں ہوگا جبکہ اجارہ وقت پر کیا گیا ہو۔ مگر گولڈن کی کمپنی کا معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ اس کی شرائط میں اس بات کی صراحت ہے کہ اجیر سے عقد وقت پر نہیں بلکہ عمل (Work) پر کرتی ہے۔ جیسا کہ اس کے فارم کی شرط نمبر ۶ میں ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

7. Monthly commission earned by a member is not a fixed income, it depends on working of a member and it may vary.

ترجمہ: ممبر کو ماہانہ ملنے والے کمیشن کی کوئی مخصوص مقدار نہیں ہے بلکہ یہ ممبر کے کام پر منحصر Depend ہے اور تبدیل ہو سکتا ہے

صدر الشریعہ مولانا امجد علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"کام میں جب وقت کی قید (Restriction) نہ ہو اگرچہ وہ ایک ہی شخص کا کام کرے یہ بھی اجیر مشترک ہے مثلاً درزی کو اپنے گھر میں کپڑے سینے کے لئے رکھا یہ پابندی نہ ہو کہ فلاں وقت سے فلاں وقت تک سیئے گا اور روزانہ (Daily) یا ماہوار (Monthly) یہ اجرت (Wages) دی جائیگی بلکہ جتنا کام کرے گا اسی حساب سے اجرت دی جائیگی تو یہ اجیر مشترک ہے۔

﴿بہار شریعت جلد ۲ حصہ ۱۴ صفحہ ۸۷ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور﴾

مذکورہ بالا عبارت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اجیر مشترک سے عمل (Work) ہی پر اجارہ کیا جاتا ہے اور اس وقت میں دوسروں کے لئے بھی کام کرسکتا ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"ان المشترك له ان يتقبل العمل من اشخاص، لان المعقود عليه في حقه هو العمل أو اثره فكان له ان يتقبل من العامة لانه منافعه لم تصر مستحقة لواحد.

﴿الدر المختار جلد ۹ صفحہ ۸۸ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان﴾

ترجمہ: اجیر مشترک کے لئے جائز ہے کہ وہ کئی اشخاص سے کام کا اجارہ کرلے کیونکہ اس کے حق میں اسکا عمل (Work) یا اثر (Effects of Work) ہی معقود علیہ (Merchandise) ہے۔ پس اس کے لئے عام لوگوں سے بھی کام کا اجارہ کرنا جائز

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہے۔ کیونکہ اس کی منفعت (Benefit) کسی ایک کے لئے مخصوص نہیں ہوتی۔
یعنی اس پر پابندی نہیں لگائی جاسکتی کہ فلاں کے لئے کام کرے اور فلاں کیلئے کام نہ کرے یا یہ کہ صرف میرے لئے کام کرو کسی اور کے لئے کام نہ کرو اور اگر کسی اور کے کام کرو تو ہمارا کام چھوڑنا پڑے گا یا یہ کہ ہماری اجازت ضروری ہے۔ لہذا گولڈن کی کمپنی کا اپنے اجیر پر جو کہ دلال (اجیر مشترک Common Employee) کی حیثیت رکھتا ہے، اس قسم کی شرط لگانا ناجائز ہے۔ ہاں البتہ اگر اجیر مشترک کے دیگر لوگوں کے کام لینے سے پہلے مستأجر (Lessee) کے کام کو ضرر (Harm) ہوتا ہے تو اس کو دیگر لوگوں کے کام لینے سے منع کیا جائیگا۔ لیکن گولڈن کی کمپنی کی دلالی کرنے کے دوران اگر ان کا ممبر غیر کی بھی دلالی کرے تو اس کمپنی کے کام کو کیا ضرر ہوسکتا ہے۔ چنانچہ گولڈن کی کمپنی کا اپنے کمیشن ایجنٹ کو دیگر لوگوں کے لئے دلالی کرنے سے منع کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ لہٰذا ان کی یہ شرائط شرائط فاسدہ (Invalid Conditions) ہیں۔ اور جس اجارہ میں شرط فاسد ہو وہ اجارہ بھی فاسد اور واجب الفسخ (Incumbent to finish) ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا ناجائز امور (Illegal Things) تو گولڈن کی کمپنی کی شرائط میں پائے جاتے ہیں۔ اب ان ناجائز اور غیر شرعی امور کو بیان کیا جاتا ہے جو کہ اس کمپنی کے طریقہ کار میں پائے جاتے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔ گولڈن کی کمپنی کی شرائط سے صرف نظر کر کے اگر صرف اس کے طریقہ کار ہی کو دیکھا جائے تو بھی اس کی دوا خریدنا اور ممبر شپ حاصل کرنا ناجائز ہے۔ تفصیل اس کی درج ذیل ہے۔

فقیر سے اس کمپنی کے طریقہ کار کے بارے میں شرعی حکم معلوم کرنے کے لئے متعدد افراد نے زبانی، تحریری اور فون کے ذریعے سے رابطہ کیا۔ تقریباً تمام افراد نے کمپنی سے متعلق وہی طریقہ کار بیان کیا جو کہ استفتاء میں مذکور ہے یعنی اگر آپ کمپنی کے ممبر بننا چاہتے ہیں تو آپ کو کمپنی کی دوا خریدنی پڑیگی۔ اور جس انداز میں کمپنی کے ممبران کمپنی کے لئے لوگوں کو قائل کرتے ہیں اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا مقصد اصلی دوا فروخت کروانا نہیں بلکہ لوگوں کو اسکا ممبر بنوانا ہے۔ اور فقیر پہلے ہی عرض کر چکا ہے کہ گولڈن کی کمپنی کے ممبر کی حیثیت (commission agent) یعنی دلال یا سمسار کی سی ہوتی ہے۔ تو اسکا ممبر بننا گویا کہ اس سے عقد اجارہ کرنا ہے۔ جو کہ ان کی دوا خریدنے پر موقوف (Depend) ہے۔ چنانچہ یہی بات فقیر کو بعض احباب نے بتائی۔ انکے بقول ہم نے کمپنی والوں سے کہا کہ ہم کمپنی کے ممبر بننا چاہتے ہیں مگر آپ کی دوائیں نہیں خریدیں گے تو

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کمپنی والوں نے کہا، اگر دوانہیں خریدتے تو ہمارے دیگر آئٹم خریدلو بہرحال ممبر بننے کے لیے دوا یا دیگر آئٹم میں سے کچھ نہ کچھ خریدنا پڑے گا۔ ان کے یہاں عقد اجارہ کرنا دوا خریدنے کی شرط پر موقوف ہے جو سراسر ناجائز ہے۔جیسا کہ نبی مکرم ﷺ کے ارشاد عظمت نشان سے ظاہر **نهى رسول الله ﷺ من بيع وشرط** یعنی نبی اکرم ﷺ نے بیع میں شرط لگانے سے منع فرمایا۔اور اگر کوئی ان سے عقد اجارہ طے کئے بغیر بھی دوا خریدے نتیجۃً کمپنی خود ہی اسے اپنا ممبر بنالے تو بھی ان کا ممبر بننا ناجائز ہے کیونکہ یہ معروف ہے کہ جو ان کی دوا خریدتا ہے یہ اسے اپنا ممبر بناتے ہیں۔اور یہ شریعت کا قاعدہ ہے کہ **المعروف كالمشروط** یا یہ یوں بھی ناجائز ہے کہ اجارہ دراصل منفعت کی بیع (Sale of benefit) کا نام ہے اور یہ منفعت کی بیع ان کی دوا کی بیع میں مندرج ہے۔یعنی اگر آپ ان سے دوا خریدیں گے تو اس میں عقد اجارہ بھی ہو جائیگا۔جس کا واضح مفاد یہ ہے کہ ایک بیع کریں گے تو دوسری بیع یعنی منافع کی بیع بھی اسی میں ہو جائیگی اور ایسا کرنا نہ تو عقد کے مقتضی کے مطابق ہے اور نہ ہی اس پر عرف جاری ہے۔چنانچہ یہ ناجائز ہے امام ترمذی اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہما حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ

نهى رسول الله ﷺ عن بيعتين في بيعة

حضور ﷺ نے ایک بیع میں دو بیع کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اس قسم کے عقود کے غیر شرعی اور ناجائز ہونے کی تصریحات سے کتب فقہ بھری ہوئی ہیں۔ شیخ الاسلام برھان الدین امام ابوالحسن بن ابوبکر رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ومن اشترى ثوبا على ان يقطعه البائع ويخيطه قميصا او قباء فالبيع فاسد لانه شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لاحد المتعاقدين و لانه يصير صفقة في صفقة.

﴿ھدایہ اخرین صفحہ ۶۰ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان﴾

اگر کسی نے اس شرط پر کپڑا خریدا کہ بائع (Buyer) اسکو کاٹے گا اور وہی اسکو قمیص یا قباء سی کے دیگا تو بیع فاسد (Invaled Sale) ہے کیونکہ یہ ایسی شرط ہے کہ جس کا عقد تقاضا نہیں کرتا اور اس میں عاقدین میں سے کسی ایک کا فائدہ ہے اور یہ سودے میں سودا کرنا ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

لہٰذا اس کمپنی کی دوا خریدنا اور اسکا ممبر بننا دونوں ہی ناجائز ہیں۔ اس کمپنی کے طریقہ کار کے مطابق دوا خریدنے والے کو ۵ عدد گاہک (ممبران) بنانے پر ۱۵ فیصد کمیشن دیا جاتا ہے اب ان پانچ عدد ممبران کے ذریعے گاہک (ممبر) بنوانے پر سب سے پہلے شخص کہ جس نے ۱۹۰۰۰ میں دوا خریدی تھی تو اس کو ۱۰۰۰۰ میں سے ۱۵ فیصد کمیشن دیا جاتا ہے اور اس کو سپروائزر کا عہدہ دیا جاتا ہے پھر دوسرے مرحلے میں منیجر کا عہدہ دیکر ۲۵ فیصد کمیشن دیا جاتا ہے۔ اگر مذکورہ بالا وجوہات نہ بھی ہوتیں تو اس کے ناجائز ہونے کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ اس سلسلے میں سب سے پہلے شخص کو پانچ ممبر فراہم کرنے پر جو پہلی دفع ۱۵ فیصد کمیشن مل رہا ہے وہ تو از روئے قیاس کے درست ہے۔ اور مزید آگے ان پانچ ممبروں کی مدد سے جو گاہک اور ممبر بنیں گے اور ان ممبروں سے جو ممبر بنیں گے اسی طرح ممبران کے آخری درجوں تک اوپر والوں کو ان پر جتنا بھی کمیشن ملے گا وہ کمیشن لینا جائز نہیں ہے اس لئے کہ کمیشن اور دلالی کا مدار مشقت عمل (Hardness of Work) پر ہے۔ جیسا کہ امام اہلسنت احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں

''اگر کارندہ نے اس بارہ میں جو محنت وکوشش کی وہ اپنے آقا کی طرف سے تھی، بائع کے لئے کوئی دوادوش نہ کی، اگرچہ بعض زبانی باتیں اس کی طرف سے بھی کی ہوں، مثلاً آقا کو مشورہ دیا کہ یہ چیز اچھی ہے، خرید لینی چاہیے یا اس میں آپ کا نقصان نہیں اور مجھے اتنے روپے مل جائینگے، اس نے خرید لی جب تو یہ شخص عمرو بائع (Seller) سے کسی اجرت کا مستحق نہیں کہ اجرت آنے جانے، محنت کرنے کی ہوتی ہے، نہ بیٹھے بیٹھے دو چار باتیں کہنے، صلاح بتانے، مشورہ دینے کی ۔ ردالمحتار میں بزازیہ وولوالجیہ سے ہے الـــــدلالة و الاشـارة لیست بعمل یستحق به الاجر، وان قال لرجل بعینه ان دلـلتـنـی عـلـی کـذا فلک کذا، ان مشی له فدله فله الاجر المثل للمشی لأجله، لان ذلک عمل یستحق بعقد الاجارة الخ، غمزالعیون میں خزانۃ الاکمل سے ہے اما لو دله بالکلام فلا شیء له اور اگر بائع کی طرف سے محنت وکوشش ودوادوش میں اپنا زمانہ صرف کیا تو صرف اجر مثل کا مستحق ہوگا یعنی ایسے کام میں اتنی سعی پر جو مزدوری ہوتی ہے اس سے زائد نہ پائیگا، اگرچہ بائع سے قرارداد کتنے ہی زیادہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کا ہو اور اگر قرار داد اجر مثل سے کم کا ہو تو کم ہی دلائیں گے کہ سقوط زیادۃ پر خود راضی ہو چکا، خانیہ میں ہے ان کان الدلال عرض و تعنی وذهب فی ذلک روزگاره کان له اجر مثله بقدر عنائه وعمله، اشباہ میں ہے بعه لی بکذا ولک کذا فباع فله اجر المثل، حموی میں ہے ای ولا یتجاوز به ما سمی، وکذا لو قال اشتر لی کما فی البزازیة، وعلی قیاس هذا السماسرة والدلالون الواجب اجر المثل کما فی الوالوالجية، ردالمحتار میں تاتارخانیہ سے ہے فی الدلال والسمسار یجب اجر المثل وما تواضعوا وعليه ان فی کل عشرة دنانیر کذا فذلک حرام عليهم۔

﴿فتاوی رضویہ جلد ۷ صفحہ ۱۴۶۔۱۴۷ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی﴾

چنانچہ مسلمانوں کو اس قسم کے پرفریب اور ناجائز کاموں سے بچنا جائز ہے۔ اعلیحضرت مجدد دین و ملت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کی مذکورہ بالا عبارت سے روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ گولڈن کی کمپنی اپنے ممبرز کو پہلے درجے کے افراد کے علاوہ ممبر بننے پر جو کمیشن دیتی ہے وہ ناجائز ہے کیونکہ پہلے درجے کے ممبران کے علاوہ دیگر درجے کے ممبران کے لیے تو اس نے کوئی بھاگ دوڑ نہیں کی چنانچہ اسے ان پر اجرت یا کمیشن لینا ناجائز ہے۔ اور ان ممبران پر جو کمیشن مل رہا ہے اسے انعام بھی ہرگز نہیں کہا جا سکتا کیونکہ انعام تو اسے کہا جاتا ہے کہ جس کے مقابلے میں کسی چیز کو بدل (compensation) نہ قرار دیا گیا بلکہ وہ بطور احسان کسی کو دیا گیا ہو جیسا کہ علامہ سید شریف جرجانی رحمہ اللہ کتاب التعریفات میں فرماتے ہیں:

هی ما قصد به الاحسان و النفع لا لغرض ولا لعوض۔

یعنی جس کے ذریعے احسان اور نفع پہنچانے کا قصد کیا جائے نہ کہ کسی غرض اور عوض کے بدلے میں۔

جبکہ یہاں تو خود کمپنی اس پر عقد اجارہ کر رہی ہے نیز اسے کمیشن قرار دے رہی ہے اور کمیشن اجرت ہی کا تو نام ہے اسے انعام کسی صورت میں نہیں کہا جا سکتا۔ قواعد شرعیہ کی رو سے عقود میں معنی کا اعتبار کیا جاتا ہے نہ کہ الفاظ کا جیسا کہ علامہ ابن نجیم مصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

" الاعتبار للمعنى لا للألفاظ ، صرحوابه في مواضع :
منها الكفالة فهي بشرط برأة الاصيل حوالة ، وهي بشرط عدم براء ته كفالة ....وتنعقد الاجارة بلفظ الهبة والتمليك ، كما في الخانيه وبلفظ الصلح عن المنافع و بلفظ العارية ۔

﴿الاشباہ والنظائر مع غمز العیون البصائر جلد ۲ صفحہ ۱۳۷، ۱۳۸ ادارۃ القران کراچی﴾

ترجمہ:- عقود میں اعتبار معانی (Meaning) کا ہے نہ کہ الفاظ کا اور اسکی علماء نے کئی مقامات پر تصریح فرمائی ہے۔اسی میں سے کہ عقد کفالت (Bail Contract) اگر اصیل (Real Person) کی براء ت (Freeness) کی شرط کے ساتھ کیا جائے تو وہ کفالت (Bail) نہیں بلکہ حوالہ (Transfer of Debt) ہوگا اور اگر حوالہ اصیل کی عدم براء ت کی شرط سے کیا جائے تو وہ حوالہ نہیں بلکہ عقد کفالت ہوگا..............................اور عقد اجارۃ ہبہ (Gift) اور تملیک (To make owner) کے لفظ سے بھی منعقد ہوجائیگا۔

چنانچہ گولڈن کی کمپنی اگر پہلے درجے (First Step) کے ممبران کے علاوہ دیگر درجوں (Step) کے ممبران پر دیے جانے والے کمیشن کا نام انعام (Reward) بھی رکھ دے تو بھی جائز نہ ہوگا جیسا کہ امام اہلسنت احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمان فرماتے ہیں کہ

"واز ہمیں قبیل ست تقرر معاوضہ وبدل بر عمل ، اگرچہ اجرتش نگویند وبنام انعام تعبیر کنند فان المعانی هو المعتبر فی هذه العقود كما نص عليه فی الهداية وغيرها"

فتاوی رضویہ جلد ۸ صفحہ ۱۵۳

ترجمہ: اور اسی قبیل (kind) سے ہے معاوضہ کا تقرر (Fixation of Price) کرنا اور عمل کے مقابلے میں بدل (Exchange) کا تقرر کرنا اگرچہ اسے انعام (Reward) کہیں اجرت (Wage) نہ کہیں۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس قسم کے عقود سے گریز کریں اور لالچ میں گرفتار ہوکر اپنی عاقبت نہ خراب کریں۔

والله ورسوله اعلم عزوجل و صلى الله تعالى عليه وسلم

کتبـــــــــہ

محمد ابوبکر صدیق عطاری

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بزناس

(Biznas)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں ایک غیر ملکی کمپنی نے کاروبار کا جدید طریقہ کار اختیار کیا ہے۔ اس کے کاروبار کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے آپ سب سے پہلے ان کے کسی ممبر کیساتھ ان کے آفس جائیں وہاں ان کے سیمینار میں شرکت کریں اس سیمینار میں جو بتایا جاتا ہے وہ کچھ اس طرح سے ہے کہ آ کو ہماری مصنوعات خرید کر ہمارا ممبر بننا ہے جس کی قیمت چار ہزار روپے ہے ان چار ہزار میں آپ کو کوئی فزیکل پروڈکٹ نہیں دی جاتی بلکہ کچھ سروسز دینے کو کہا جاتا ہے جیسا کہ

(۱) ڈسکاؤنٹ کارڈ

اس کارڈ سے آپ کمپنی سے اشتراک شدہ دکانوں سے ۵ سے ۲۵ فیصد ڈسکاؤنٹ حاصل کریں

(۲) آن لائن کمپیوٹر کورسز

اس سروس کے تحت انٹرنیٹ پر موجود ان کی ویب سائٹ پر جا کر کمپیوٹر کورسز کرائے جاتے ہیں۔

(۳) 60 MB ویب اسپیس

اس کے تحت کمپنی ویب سائیٹ کیلئے جگہ مہیا کرتی ہے جس کیلئے ہم کو Doman Name علیحدہ سے خریدنا ہوگا۔

(۴) ممبر بنانے پر کمیشن

اگر کوئی کمپنی کی ممبر شپ حاصل کرے اور مزید دو ممبر لے کر آئے اور اس کے بنائے ہوئے ممبر مزید دو دو ممبر بنائیں تو پہلے ممبر کے تحت مزید ممبران کی تعداد سات ہو جائیگی اور اسی طرح یہ سلسلہ جب نو تک پہنچ جائے گا تو پہلے ممبر کو پچاس ڈالر کا چیک دیا جاتا ہے اور جیسے جیسے یہ تعداد بڑھتی رہتی ہے تو ہر ممبر پر پہلے شخص کو پانچ ڈالر کا چیک دیا جاتا ہے۔ اس کمیشن کے بارے میں کمپنی کا کہنا یہ ہے کہ بجائے ٹی وی یا اشتہارات میں پیسہ خرچ کرنے کے ہم وہ آپ کو بطور کمیشن دیتے ہیں۔ اور اس کمپنی کا کہنا یہ ہے کہ دبئی اور عمان کے علماء کے فتوے ہمارے پاس موجود ہیں کہ ہمارا یہ کاروبار جائز ہے۔ علماء سے سوال ہے کہ اس کے جواز کی کیا دلیل ہے اور ناجائز ہے تو کیوں؟ اس پر یہ کمیشن لینا درست ہے یا نہیں؟ قرآن مجید اور حدیث کی روشنی میں واضح دلائل کیساتھ بحوالہ جواب مرحمت فرمائیں۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سائل: محمد عبدالجبار عطاری

ساکن: فیصل آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون العلام الوهاب

اللهــــم هداية الحق والصــــواب

الـحـمدللـه رب الـعـالـمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وعلى اله واصحابه اجمعين

اس کمپنی کے طریقہ کار میں کئی باتیں قابل اعتراض ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

اول:۔

سائل (Questioner) کے سوال سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ لوگ کمپنی کی مصنوعات (Products) عام طور پر کمیشن کے حصول کیلئے خریدتے ہیں۔اور کمیشن کا حصول اس وقت تک ممکن نہیں کہ جب تک اس کا ممبر نہ بن لیا جائے۔چنانچہ اس کے ممبر بننے کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔یا تو کمپنی جب پروڈکٹس کا عقد بیع (Sale Contract) کرتی ہے تو اسی میں کمیشن کا معاملہ طے کرتی ہے یعنی جب پروڈکٹس کی خرید وفروخت کی گفتگو شروع ہوتی ہے اسی دوران یہ طے کرلیا جاتا ہے کہ کمیشن کا حصول صرف پروڈکٹس خریدنے کی صورت ہی میں ہوسکتا ہے یا دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ اس دوران کمیشن سے متعلق کوئی گفتگو نہیں ہوتی مگر بعد میں یا عقد سے پہلے ہی اسکے بارے میں بتادیا جاتا ہے کہ کمیشن صرف پروڈکٹس خریدنے کی صورت ہی میں مل سکتا ہے۔اور یہ دونوں صورتیں ہی ناجائز ہیں۔کیونکہ پہلی صورت میں تو یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ کمیشن ایجنٹ یا دلال بننا پروڈکٹس خریدنے کے ساتھ مشروط (Conditioned) ہے۔اور حضور نبی کریم ﷺ نے بیع اور شرط سے منع فرمایا ہے۔جیسا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالی علیہ روایت کرتے ہیں کہ

"نهى رسول الله ﷺ عن بيع وشرط"

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اور دوسری صورت میں اس لئے ناجائز ہے کہ یہ بات معروف (Well Known) ہے کہ یہ کمپنی اپنا کمیشن ایجنٹ اسی صورت میں بناتی ہے کہ جب اس کی پروڈکٹس خرید لی جائیں۔اور قوانین شرعیہ کے مطابق "المعروف کالمشروط" یعنی جو بات معروف ہے وہ مشروط ہی کی طرح ہے۔مثلاً فقہاء کرام ایسے آدمی کو قرض دینے سے منع فرماتے ہیں کہ جس کی عادت ہو کہ وہ قرض کی ادائیگی کے وقت ہمیشہ زیادہ کر کے واپس کرتا ہو جیسا کہ علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے الاشباہ میں صفحہ نمبر ۹۹ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ، پر رقم فرمایا ہے۔لہٰذا یوں بھی ناجائز ہے۔ہاں اس کے جواز (lawfulness) کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ خریدار یا کمپنی عقد بیع سے پہلے یا اس کے دوران کھلے لفظوں میں کہہ دے کہ ہم صرف پروڈکٹ فروخت کر رہے ہیں اور کمیشن ایجنٹ بنانا یا نہ بنانا ہماری مرضی پر منحصر ہے۔یا یہ کہ دوا خریدنے کے بعد ہم پر لازم نہیں ہے کہ ہم ہر دوا خریدنے والے کو کمیشن ایجنٹ بنائیں۔یا دوا خریدنے والا صاف صاف لفظوں میں کہہ دے کہ میں آپ کا کمیشن ایجنٹ بننے کے لئے پروڈکٹس نہیں خرید رہا ہوں۔ہاں پھر بعد میں کمپنی اپنی مرضی سے حسن سلوک کے طور پر ممبر بنانا چاہے تو جائز ہے۔کیونکہ شریعت کا قاعدہ ہے کہ "الصریح تفوق الدلالۃ" یعنی صراحت دلالت پر فائق ہے۔

دوم:-

دوسری قابل اعتراض بات اس کمپنی کے کمیشن کے نظام میں ہے۔سوال کے مطابق کمیشن اس وقت دیا جاتا ہے جب پہلے آپ براہ راست کمپنی کے لئے دو ممبر مہیا کریں اور پھر جب یہ دونوں ممبر مزید محنت کر کے اپنے تحت چھ ممبر براہ راست (Direct) بنالیں تو اب اس شخص کو پچاس ڈالر بطور کمیشن دیے جاتے ہیں جو ان پہلے دو ممبران کو کمپنی لے گیا تھا۔پھر ان دو یا بعد کے ممبران کے ذریعے سے جتنے ممبر بنتے جائیں گے ہر ممبر بننے پر پہلے شخص کو پانچ ڈالر ملیں گے۔اس طریقہ کار میں دو قباحتیں ہیں۔پہلی تو یہ کہ قوانین شرعیہ کی رو سے دلال یا کمیشن ایجنٹ کو صرف اسی کام (Work) پر اجرت (Wage) لینے کا حق حاصل ہے جو اس نے سرانجام دیا ہو۔اور اس کے لئے اس نے واقعی محنت کی ہو صرف بیٹھے بیٹھے باتیں بنانے سے اجرت کا حقدار نہیں ہو جاتا۔علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بزازیہ اور والوالجیہ کے حوالے سے رقم فرماتے ہیں،

"الدلالۃ والاشارۃ لیست بعمل یستحق بہ الاجر، وان قال لرجل

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بعينه، ان دللتني على كذا فلك كذا ان مشى له فدله فله الاجر المثل للمشى لأجله ، لأن ذلك عمل يستحق بعقد الاجارة۔"

﴿ردالمحتار جلد۹ صفحہ۱۳۱ مطبوعہ: مکتبہ امدادیہ ملتان﴾

غمز العیون میں خزانۃ الاکمل سے ہے،

"اما لو دله بالكلام فلاشى له"

﴿غمز عیون البصائر جلد صفحہ﴾

ترجمہ: اور اگر اس نے زبانی دلالت کی تو اس کے لئے کوئی اجرت نہیں ہے۔"

اعلیحضرت امام اہلسنت مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا خان اجرت سے متعلق ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں،

"اگر کارندہ (Worker) نے اس بارے میں جو محنت وکوشش کی وہ اپنے آقا کی طرف سے تھی، بائع (فروخت کرنے والا) کے لئے کوئی دوادوش نہ کی، اگرچہ بعض زبانی باتیں اس کی طرف سے بھی کی ہوں، مثلاً آقا کو مشورہ دیا کہ یہ چیز اچھی ہے خرید لینی چاہیے یا اس میں آپ کا نقصان نہیں اور مجھے اتنے روپے مل جائیں گے، اس نے خرید لی جب یہ شخص عمرو بائع سے کسی اجرت کا مستحق نہیں کہ اجرت آنے جانے محنت کرنے کی ہوتی ہے نہ بیٹھے بیٹھے دو چار باتیں کہنے، صلاح بتانے، مشورہ دینے (Advise) کی۔"

﴿فتاوی رضویہ جلد۸ صفحہ۱۴۶ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

مذکورہ بالا عبارت سے ظاہر ہوا کہ کمیشن ایجنٹ کو اجرت اسی کام پر ملتی ہے جو اس نے کیا۔ جب کہ مذکورہ کمپنی سے جو کمیشن طے کیا جاتا ہے وہ مزید آٹھ افراد کے ممبر بننے پر طے کیا جاتا ہے۔ حالانکہ پہلے شخص نے صرف دو افراد پر محنت کی تھی کہ انھیں کمپنی لے کر گیا اور ممبر بنوایا۔ چنانچہ اسے صرف دو افراد کے ممبر بننے پر کمیشن ملنا چاہیے تھا۔ اور ان دو افراد یا بعد والوں کے ذریعے سے جتنے افراد اس کمپنی کے ممبر بنے ان میں اس شخص نے کوئی محنت نہیں کی۔ چنانچہ ان افراد کے ممبر بننے پر اس شخص کو کوئی اجرت نہیں ملنی چاہیے تھی۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اعلحضرت امام اہلسنت مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا خان رضی اللہ عنہ کمیشن کی اسی قسم کی صورت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں،

''نہ صرف اس کے عمل (Work) پر ملی کہ اس کا کام تو پانچ ٹکٹ بکنے پر منتہی (ختم End) ہوگیا۔اور اس وعدہ طمع (Promise of Greed) میں چیز کا مستوجب اس وقت ہوگا کہ پھر وہ بکیں اور پانچ ان کے اور پانچ پانچ ان پانچ کے وصول ہوں یہ ہرگز اسی اول کا عمل نہیں تو اگر اجارہ ہوتا تو بوجہ خود فاسد (Invalid) اور اپنی مشروط بیع (Conditional Sale) کا مفسدہ ہوتا مگر حقیقۃً وہ صرف طمع دہی اور از قبیل رشوت (Kind of Bribe) ہے غرض یہ کہ اس میں معاملہ حرام (Prohibited) اور حرام کے مفاسد بکثرت ہیں۔''

﴿فتاوی رضویہ جلد ۷ صفحہ ۹۶ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

اور اگر نو افراد کے علاوہ بعد والے دیگر ممبران سے صرف نظر (neglect) کرتے ہوئے کہا جائے کہ یہ کمیشن صرف دو افراد کے بننے پر دیا جاتا ہے نو افراد کی شرط تو کمیشن کی ادائیگی کے وقت کی تعین (Fixation of Time) کے لئے کی گئی ہے۔فقیر اس کے جواب میں کہتا ہے کہ یہ شرط لگانا بھی ناجائز ہے کیونکہ اس میں مدت مجہول (unknown) ہے اور اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ بعد کے دو افراد کب تک بقیہ چھ افراد کو ممبر بنوانے میں کامیاب ہونگے۔چنانچہ یہ بھی شرط فاسد (Invalid Condition) ہے۔ لہذا یوں بھی یہ اجارہ فاسدہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہوا۔چنانچہ مسلمانوں پر اس قسم کے عقود (Contracts) سے بچنا واجب (Incumbent) ہے۔ہاں اس کے جواز (Lawfulness) کی صورت یہ ہے کہ اگر کمپنی صرف ان افراد پر کمیشن دے کہ جن کو اس شخص نے براہ راست (Direct) ممبر بنوایا تھا اور بقیہ افراد جو اس کی محنت کے بغیر ممبر بنے ہیں ان پر کمیشن نہ دے تو یہ معاملہ درست ہوسکتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

پینٹاگونا

(Pentagona)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کیا فرماتے ہیں علماء دین مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ۱۹۹۴ء میں جرمنی میں پینٹا گونا (Pentagona) نامی کمپنی نے ایک اسکیم شروع کی ہے۔ اسکیم کے تحت ایک سو بیس (۱۲۰) ڈالرز خرچ کر کے ایک لاکھ سولہ ہزار چھ سو چالیس (۱۱۶۶۴۰) ڈالرز کمائے جاسکتے ہیں۔ اس کمپنی کا طریقہ کار کچھ اس طرح سے ہے کہ پہلے آپ کو اس کا ممبر بننا پڑتا ہے وہ اس طرح سے کہ آپ کمپنی کے سابقہ ممبر سے ایک فارم چالیس ڈالر کا خریدیں اور چالیس ڈالرز بمع فارم کمپنی کو بھیج دیں۔ کمپنی یہ رقم اخراجات کی مد میں لیتی ہے۔ اس فارم پر سات آدمیوں کے نام ہوتے ہیں۔ سب سے آخری نام اس آدمی کا ہوگا کہ جس سے آپ نے فارم خریدا ہے۔ آپکو مزید چالیس ڈالر اس شخص کو بھیجنے ہونگے کہ جس کا نام پہلے نمبر پر لکھا ہوگا۔ پھر کمپنی جلد ہی آپ کو تین فارم بھیجے گی۔ ان فارم پر آپ کا نام ساتویں نمبر ہوگا اور پہلے جس کا نام ساتویں نمبر تھا وہ نام ان نئے فارموں میں چھٹے نمبر پر آجائے گا۔ اب آپ کو یہ فارم زیادہ سے زیادہ تین ماہ میں فروخت کرنے ہیں۔ اگر کوئی فارم تین ماہ کے اندر فروخت نہ ہوسکا تو آپ کا یہ فارم ضائع ہوجائے گا۔ جب آپ تینوں فارم کسی بھی تین افراد کو فروخت کردیں گے تو کمپنی اسی طرح ان تین افراد کو تین تین فارم بھیجے گی۔ ان نو فارموں پر آپ کا نام چھٹے نمبر پر آجائے گا۔ اسی طرح جب یہ تینوں افراد اپنے تین تین فارم آگے نو افراد کو بیچ دیں گے تو کمپنی حسب سابق ان نو افراد کے پاس تین تین فارم بھیجے گی۔ اور ان فارموں پر آپ کا نام پانچویں نمبر پر آجائے گا۔ اس طرح آپ کا نام ستائس ۲۷ فارموں پر پانچویں نمبر پر آجائے گا۔ علی ھذا القیاس یہ فارم مزید آگے بکتے رہیں گے بالآخر آپ کا نام پہلے نمبر پر آجائے گا۔ پھر آپ کو اسی طرح رقم ملنا شروع ہوجائے گی کہ جس طرح آپ نے شروع میں ایک نمبر (پہلی پوزیشن) والے کو چالیس ڈالر دیئے تھے۔ اگر تمام فارم درست رہے اور کوئی بھی ضائع نہ ہوا تو آپ کو ان فارموں کے ذریعے سے ستاسی ہزار چار سو اسی (۸۷۴۸۰) ڈالر حاصل ہوسکتے ہیں۔ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں بتایئے کہ کیا اس اسکیم میں حصہ لینا جائز ہے یا ناجائز؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون العلام الوھاب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی الہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

واصحابه اجمعين

معاملہ (Contract) مذکورہ حرام وقمار (Gambling) اور متعدد محرمات کا مجموعہ ہے۔ اولاً تو یہ کہ معاملہ مذکورہ فارم (Form) فروخت کرنے (Sellers) اور خریدنے والوں (Purchasers) کے مقصود کے اعتبار سے ہرگز بیع وشراء (Selling and Purchasing) وغیرہ کوئی عقد شرعی (Legal Contract) نہیں بلکہ ۸۷۴۸۰ ڈالرز کی لالچ میں لوگوں کو پھانسنا اور ایک موہوم امید پر پانسہ ڈالنا ہے اور یہی قمار (جوا) ہے۔ کیونکہ یہ کوئی یقینی بات نہیں ہے کہ آپ کو اپنی خرچ کی ہوئی رقم (Money) پوری مل جائے بلکہ کم بھی ہوسکتی ہے اور پوری بھی اور یہ بھی ممکن ہے کہ تین ماہ کی مدت میں تین نئے بیوقوف نہ ملنے کی صورت میں پوری رقم ہی ڈوب جائے۔ چنانچہ اپنے فارم بیچنے کے لئے تین اور مسلمانوں کی گردن پھنسانا سراسر ناجائز اور حرام۔ امام اہلسنت مجدد دین وملت الشاہ احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن اسی قسم کے ایک معاملے سے متعلق فرماتے ہیں،

"یہی غرر (دھوکہ) وخطر (خطرہ) وضرار وضرر (تکلیف دینا اور لینا) میں پڑنا اور ڈالنا ہے جس سے صحاح حدیث میں نہی ہے۔ یہ معاملہ چٹھی (لاٹری) سے بھی بدتر ہے وہاں ہر ایک خود قمار (جوا) وگناہ میں پڑتا ہے اور یہاں ہر پہلا اپنے نفع کے لئے دوسرے پانچ کا گلا پھانسے گا۔ وہاں صرف خطر تھا یہاں خطر وضرر وضرار وغش (دھوکہ) سب کچھ ہے اور رسول اللہ عزوجل و ﷺ فرماتے ہیں لیس لنا من غشنا جو مسلمانوں کے خلاف خیر خواہی کا معاملہ کرے وہ ہمارے گروہ سے نہیں رواہ مسلم واحمد وابوداؤد وابن ماجه والحاكم عن ابی هريره والطبرانی فی الكبير عن ضميرة رضی الله تعالى عنهما ایک حدیث میں ہے ليس منا من غش مسلما اوضره اوماكره ہم سے نہیں جو کسی مسلمان کی بدخواہی کرے یا اسے ضرر پہنچائے یا فریب دے۔ رواه الامام الرافعی عن أمير المؤمنين كرم الله تعالى وجهه احادیث اس باب میں حد تواتر پر ہے اور خود ان امور کی حرمت ضروریات دین سے ہے كمالا يخفى (جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے)۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

﴿فتاویٰ رضویہ صفحہ ۹۶ جلد۷ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

ثانیاً قوانین شرعیہ (Laws of Shariah) کی رو سے فارم کو دیکھئے تو وہ ایک سند (Certificate) ہے۔ اور اس سند پر مال کی تعریف صادق نہیں آتی کیونکہ مال وہ ہے کہ جس کی طرف طبیعتیں (Natures) مائل ہوں اور وقت حاجت کے لئے محفوظ رکھا جائے۔ اور یہ سند دونوں اوصاف (Attributes) سے خالی ہے۔ طبیعت کا میلان (Inclination of Nature) تو اس لئے مفقود ہے کہ اگر کوئی مفت میں بھی دیدے تو تب تک کارگر نہیں ہوتی کہ جب تک کمپنی کو اور پہلی پوزیشن والے کو چالیس چالیس ڈالر علیحدہ علیحدہ نہ دیدیئے جائیں۔ اور ذخیرہ کے قابل اس لئے نہیں ہے کہ تین ماہ کے دوران اگر کسی کو نہ فروخت کی جائے تو سادے کاغذ کے برابر بھی نہیں رہتی۔ علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ،

"المال مایمیل الیه الطبائع ویمکن ادخاره لوقت الحاجة۔"

﴿ردالمحتار صفحہ ۱۰ جلد۷ مطبوعہ: مکتبہ امدادیہ ملتان﴾

ترجمہ: مال وہ چیز ہے کہ جس کی طرف طبیعتیں مائل ہوں اور اسے وقت حاجت کے لئے ذخیرہ کیا جاسکے۔

چنانچہ مال نہ ہونے کے اعتبار سے توان فارموں کی بیع (Sale) سرے ہی سے باطل (Null) ہے کہ بیع نام ہے مبادلة المال بالمال یعنی مال کو مال سے تبادلہ کرنا (Exchange of goods with other goods) اور اگر بالفرض اسے مال تسلیم کرتے ہوئے بیع مان بھی لیا جائے تو اگلا معاملہ ناجائز ہے کہ کمپنی اس سرٹیفکیٹ کو متحرک (Activate) کرنے کے لئے اپنی اجرت (Services Charges or Wage) کے علاوہ یہ شرط بھی لگاتی ہے کہ پہلی پوزیشن والے کو بھی چالیس ڈالر دیئے جائیں ورنہ یہ فارم ردی کے ٹکڑے کے سوا کچھ نہیں۔ حالانکہ جب سند خرید لی گئی ہے اور کمپنی کو بھی معمول سے زیادہ اجرت (Wage) دیدی گئی تو کمپنی کو چاہیے کہ اپنی خدمات انجام دے پہلی پوزیشن والے کو چالیس ڈالر دلوانے کی شرط لگانا کیا معنی رکھتا ہے۔ چنانچہ یہ ایسی شرط ہے کہ جس کا یہ عقد اجارہ (Contract) تقاضا نہیں کرتا لھذا اس شرط فاسد (Void Condition) کی وجہ سے کمپنی سے اجارہ کرنا بھی ناجائز ہے۔ بہرحال شریعت مطہرہ میں اس قسم کا کوئی عقد نہیں پایا جاتا۔ لھذا صورت مذکورہ میں اس کمپنی کا ممبر بننا ناجائز اور حرام ہے۔ اور یہی حکم ان تمام اسکیموں (Schemes) کا ہے جو اس قسم کا معاملہ کرتی ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ھٰذاماظھرلی والعلم بالحق عنداللہ تعالی وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ سیدناومولانا محمد

وآلہ وبارک وسلم

محمد ابوبکر صدیق عطاری عفی عنہ

کتبــــــــــــــــــــــــــــــــہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

طہارت کے جدید فقہی مسائل

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وضووغسل کابیان

ناخن پالش اورافشاں

سوال نمبرا: کیافرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے کے بارے میں کہ خواتین زینت کے لئے عموماناخن پرمختلف قسم کی پالش لگاتی ہیں اور چہرے پر افشاں تو کیاایسی صورت میں ناخن پالش اورافشاں اتارے بغیروضووغسل ہوجائے گا؟ بینواتوجروا۔

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْوَهَّابِ

وضووغسل کے فرائض سے ہے کہ وہ اعضاء جن کاوضواورغسل میں دھونافرض ہےان میں سے ہرایک پرسے پانی کےکم ازکم دوقطرے بہہ جائیں۔الدرالمختار میں ہے

أَقَلُّه' قَطرَتَانِ فِي الْاَصَحِّ

﴿الدرالمختار مع ردالمحتار جلدا صفحہ۲۰۹ مطبوعہ:الشرکۃ العلمیۃ بیروت﴾

ترجمہ: اَصح قول کے مطابق اس کی کم ازکم مقداردوقطرے ہیں

چنانچہ بال برابرجگہ بھی خشک رہ گئی وضووغسل نہ ہوگا۔ناخن پالش اورافشاں جرم داراشیاء ہیں ان کے نیچے سے پانی اس وقت تک نہیں گذرتاجب تک ان کواس مقام سےالگ نہ کرلیاجائے۔لہذاان کی موجودگی میں نہ تووضودرست ہوگااورنہ ہی غسل۔عالمگیری میں ہے۔

فی فتاوی ماوراء النھر ان بقی من موضع الوضوء قدررأس ابرۃ أولزق بأصل ظفرہ طین یابس أورطب لم یجز۔

ترجمہ: فتاوی ماوراءالنہرمیں ہے کہ اگراعضاءوضومیں سے سوئی کے سربرابرجگہ بھی بے دھلی رہ گئی یااصل ناخن سے خشک یاترمٹی لگی رہ گئی تووضونہ ہوگا۔

﴿فتاوی عالمگیری جلدا صفحہ۴ مطبوعہ:مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ﴾

ہاں البتہ احتیاط کے باوجودکچھ مٹی یاافشاں لگی رہ گئی تونمازہوجائےگی مگراب ان مقامات پرسے ان اشیاءکوہٹاکرپانی بہالے۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

مہندی اورخضاب

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سوال نمبر۲: کیا بالوں یا ہاتھوں کو مہندی سے رنگنے کی صورت میں یا بالوں کو خضاب لگا کر سیاہ کرنے کی صورت میں وضو اور غسل ہو جائے گا؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْوَهَّابِ

اعضاء وضو و غسل پر سے مہندی اور خضاب کے جرم صاف کرنے کے بعد اگر چہ جسم پر مہندی یا خضاب کا رنگ رچ گیا ہو مگر وضو اور غسل درست ہو جائینگے کیونکہ یہ رنگ جرم دار نہیں ہوتے لہذا پانی کے لئے جلد تک پہنچنے کو مانع نہیں ہوتے۔ علامہ حسن بن عمار شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالی وضو کی صحت کی شرائط بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر اعضاء پر چکنائی ہو اور پانی بہا دیا جائے تو وضو درست ہو جائے گا کیونکہ اس کا جرم نہیں ہوتا اور یہ پانی کو جلد تک پہنچنے سے مانع نہیں ہے۔ آپ رقم طراز ہیں

دُسُوْمَةُ الزَّيْتِ وَنَحْوُهُ لَايَمْنَعُ لِعَدَمِ الْحَائِلِ۔

ترجمہ: تیل کی چکناہٹ اور اسی کے مثل دیگر اشیاء (کہ جو جرم دار نہ ہوں) پانی کے پہنچنے میں رکاوٹ نہ ہونے کی وجہ سے وضو کے لئے مانع نہیں ہیں۔

﴿مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی صفحہ ۴۹ مطبوعہ: نور محمد اصح المطابع کراچی﴾

خیال رہے کہ مرد کے لئے ہاتھ پاؤں پر مہندی لگانا اور عورتوں اور مردوں کے لئے بالوں کو سیاہ کرنا خواہ وہ کالی مہندی یا کسی اور چیز ہی سے کیوں نہ ہو ناجائز ہے۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰی أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

کریم (Cream)

سوال نمبر۳: عام طور پر سردیوں میں چہرے کو سردی کے اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے چہرے پر کولڈ کریم اور گرمیوں میں وینشنگ کریم (Wanishing Cream) استعمال کی جاتی ہے۔ کیا ان کریمز (Creams) کی موجودگی میں وضو اور غسل درست ہو جائیگا یا وضو اور غسل کے صحیح ہونے کے لئے ان کا اتارنا فرض ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْوَهَّابِ

عام طور پر یہ کریمز جرم دار نہیں ہوتیں چنانچہ یہ پانی کو جلد تک پہنچنے سے مانع نہیں ہوتیں لہذا اگر اس قسم کی کریم جلد پر لگی ہوئی ہو تب بھی وضو اور غسل درست ہو جائیگا۔ وضو اور غسل کے درست ہونے کے لئے ان کریمز کی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

چکنائی کو صابن وغیرہ سے دھونا فرض نہیں ہے جیسا کہ پچھلے سوال کے جواب میں مذکور ہوا۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی أَعْلَمُ بِالصَّوَاب.

پلاسٹک سرجری

سوال نمبر۴: کیا ان لوگوں کا وضو اور غسل درست ہو جاتا ہے کہ جو اپنے وضو یا غسل کے اعضاء پر پلاسٹک سرجری کروا لیتے ہیں؟

أَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْوَهَّاب

بلاشبہ پلاسٹک سرجری کروانے والوں کا وضو اور غسل ہو جاتا ہے اور پلاسٹک سرجری ان کے وضو اور غسل پر ہرگز بھی اثر انداز نہیں ہوتی کیونکہ پلاسٹک سرجری میں خود سرجری کروانے والے ہی کے جسم کی جلد کے کسی حصے سے ٹشوز لیئے جاتے ہیں اور انھیں متاثرہ حصہ پر اس طرح سے لگا دیا جاتا ہے کہ اب وہ اسی مقام کی زندہ جلد کی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں۔لہٰذا اس حصے پر سے پانی کا بہہ جانا بالکل اصل جلد پر سے بہہ جانے کے مترادف ہے۔اور اگر پلاسٹک سرجری میں کسی غیر کی بھی جلد لگائی جائے تو بھی وضو و غسل درست ہو جائے گا۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی أَعْلَمُ بِالصَّوَاب.

مصنوعی دانت

سوال نمبر۵: بعض حضرات دانت ضائع ہو جانے کی صورت میں مصنوعی دانت لگواتے ہیں یا دانتوں کے کھوکھلا ہو جانے کی صورت میں اس خلا میں مسالہ بھروا لیتے ہیں تو کیا اس صورت میں ان کا وضو و غسل ادا ہو جائے گا؟

أَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْوَهَّاب

سوال مذکور کے جواب سے پہلے یہ جاننا چاہیے کہ وضو میں منہ دھونا فرض نہیں ہے بلکہ چہرہ دھونا فرض ہے۔لہٰذا اگر کوئی شخص وضو میں کلی نہ کرے تو اس کا وضو درست ہو جائے گا مگر سنت کی ادائیگی کے لئے منہ کا دھونا ضروری ہے۔جبکہ غسل میں منہ دھونا بھی فرض ہے۔لہٰذا اگر کوئی دوران غسل منہ نہ دھوئے تو اس کا غسل درست نہ ہوگا۔عام طور پر مصنوعی دانت دو طرح کے ہوتے ہیں۔ایک قسم تو وہ ہے جنھیں جب چاہیں آسانی سے نکالا جا سکتا ہے اور دوسری قسم وہ کہ ایک بار لگانے کے بعد آسانی سے نہ نکالا جا سکے۔ان دونوں اقسام کے دانتوں کے احکام

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مختلف ہیں۔ اگر کسی نے پہلی قسم کے دانت لگوائے ہوں اور پانی ان کے نیچے نکالے بغیر نہ پہنچتا ہو تو وضو بہرحال ان دانتوں کو نکالے بغیر بھی درست ہو جائے گا مگر سنت کی ادائیگی کے لئے ان دانتوں کو نکالنا ہی پڑے گا۔ جبکہ غسل ان دانتوں کے نکالے بغیر ہرگز درست نہ ہوگا کیونکہ ان دانتوں کے نکالنے میں کوئی مشقت لاحق نہیں ہوتی۔ اور اگر دانت دوسری قسم کے ہوں یعنی اس طرح سے لگوائے ہوں کہ اب انھیں آسانی سے نہ نکالا جاسکتا ہو یا نکالنے میں شدید حرج ہو اور پانی بھی ان کے نیچے نہ پہنچتا ہو تو بہرحال ان دانتوں کا نکالنا نہ تو سنت کی ادائیگی کے لئے وضو میں ضروری ہے اور نہ ہی فرض کی ادائیگی کے لئے غسل میں ضروری ہے۔ چنانچہ اس قسم کے دانتوں کے نکالے بغیر بھی وضو میں کلی کی سنت اور غسل میں فرض ادا ہو جائیگا۔ کیونکہ اب ان مصنوعی دانتوں کا حکم اصل دانت کا سا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے فقہاء کرام نے مصنوعی دانت لگانے کی اجازت دی ہے۔ اس کی علت یہ ہے کہ جب کوئی چیز محل فرض کو اس طرح سے چھپالے کہ دیکھنے والا جب اس محل فرض کی طرف دیکھے تو اس کی نگاہ محل فرض کے بجائے اس چیز پر پڑے اور اسکے جدا کرنے میں بھی حرج ہو تو اس صورت میں فرض اس محل سے ساقط ہو جائیگا اور اس چھپانے والی چیز کی طرف منتقل ہو جائیگا جیسا کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَعَلَّلَ فِيْ الْدُّرَرِبِأَنَ مَحَلَ الْفَرْضِ اِسْتَتَرَ بِالْحَائِلِ وَصَارَ بِحَالٍ لَايُوَاجِهُ الْنَّاظِرُاِلَيْهِ، فَسَقطَ الْفَرْضُ عَنْهُ وَتَحَوَّلَ اِلَى الْحَائِلِ

﴿ردالمحتار صفحہ ۲۱۱ جلد ۱ مکتبہ امدادیہ ملتان﴾

ترجمہ وہی ہے جو اوپر بیان ہوا۔ بالکل یہی صورت قسم دوم کے مصنوعی دانتوں کی ہے کہ یہ مسوڑوں کو اس طرح سے چھپالیتے ہیں کہ دیکھنے والے کو اس مقام پر صرف مصنوعی دانت ہی نظر آتے ہیں۔ لہٰذا غسل میں مسوڑوں کے ان مقام کا فرض ساقط ہو کر ان مصنوعی دانتوں کی طرف منتقل ہو جائیگا۔

اور ان دانتوں کا دھولینا اصل کے دھولینے کی طرح ہو جائیگا۔ مذکورہ بحث سے دانتوں میں مسالہ بھروانے کی صورت میں وضو اور غسل کا حکم ظاہر ہو گیا یعنی اگر دانتوں کا خلا مسالہ سے بھرا ہو تو مسالے کے نکلوائے بغیر بھی وضو اور غسل سنت کے مطابق ادا ہو جائیگا۔ کیونکہ مسالے کو بھی نکالنے میں حرج شدید ہے۔

صدرالشریعۃ بدرالطریقہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

''یونہیں ہلتا ہوا دانت تار سے یا اکھڑا ہوا دانت کسی مسالے وغیرہ سے جمایا گیا ہو اور پانی دانت یا مسالے کے نیچے نہ پہنچے تو معاف ہے۔''

﴿بہار شریعت جلد ا حصہ دوم صفحہ ۱۹ مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور﴾

وَاللّٰہُ تَعَالٰی أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

مصنوعی اعضاء

سوال نمبر ۶: مصنوعی اعضاء مثلاً آنکھ یا پاؤں کے وضو اور غسل میں دھونے کا کیا حکم ہے؟

أَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْوَهَّابِ

آنکھ دھونا نہ تو وضو میں فرض ہے اور نہ ہی غسل میں جبکہ پاؤں دھونا وضو اور غسل دونوں ہی میں فرض ہے۔ بہرحال مصنوعی پاؤں کا وہی حکم ہے جو مصنوعی دانت کا ہے۔ اور یہی حکم دیگر مصنوعی اعضاء کا ہے جو ایسے مقامات پر لگائے گئے ہوں کہ جن کا وضو یا غسل میں دھونا فرض ہے یعنی اگر ان کے جدا کرنے میں حرج شدید ہو یا عمل جراحت کی ضرورت پیش آئے تو ان مصنوعی اعضاء پر پانی بہالینا کافی ہوگا۔ مثلاً خدانخواستہ کسی کی نصف پنڈلی کاٹ دی گئی ہو اور اس نے اس مقام پر مصنوعی پنڈلی لگوالی ہو۔ پس اگر وہ پنڈلی اس طرح سے لگوائی ہو کہ غسل کرنے میں اصل پنڈلی کے سرے پر پانی نہ پہنچتا ہو اور اس کے جدا کرنے میں حرج شدید لاحق ہوتا ہو یا عمل جراحت (Operation) کی ضرورت پیش آتی ہو تو اس کے لئے اتنا کافی ہے کہ وہ مصنوعی پنڈلی سمیت پورے پاؤں پر پانی بہالے۔ تکمیل غسل کے لئے مصنوعی پنڈلی کو جدا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

مصنوعی بال

سوال نمبر ۷: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ آج کل بہت سے مرد اور خواتین بالوں کے گھنے نہ ہونے یا گنج پن کی وجہ سے مصنوعی بال لگواتے ہیں اور اسی سمیت وضو وغسل کر لیتے ہیں۔ تو کیا اس صورت میں ان کا وضو وغسل درست ہو جائے گا؟

أَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْوَهَّابِ

مصنوعی بال عام طور پر دو طرح سے استعمال کئے جاتے ہیں۔ پہلی صورت تو یہ ہے کہ مصنوعی بال ٹوپی کی صورت

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

میں لگائے جاتے ہیں جسے انگلش زبان میں وگ (Wig) کہا جاتا ہے اور ہمارے یہاں یہی لفظ معروف ہے۔ وگ کو جب چاہیں اتارا جاسکتا ہے۔مصنوعی بالوں کے استعمال کی دوسری صورت یہ ہے کہ سر کی جلد میں مصنوعی بالوں کی پیوند کاری کروائی جاتی ہے۔اور انھیں وگ کی طرح آسانی سے نہیں اتارا جاسکتا۔ بلکہ جس طرح اصل بال کو سر سے جدا کرنے کے لئے کھینچ کر نکالنا پڑتا ہے بالکل اسی طرح ان بالوں کا بھی معاملہ ہے۔ چنانچہ دونوں قسم کے مصنوعی بالوں کا حکم جدا ہے۔ پہلی قسم کے مصنوعی بالوں میں وضواور غسل کے لئے بالوں کی اس ٹوپی کو جدا کرنا ضروری ہے ورنہ وضواور غسل درست نہ ہوگا۔ ہاں اگر وہ ٹوپی ایسی باریک ہو کہ اس میں سے پانی گذر کر سر کے کم از کم چوتھائی حصہ کو تر کردے یا خود سر پر حقیقی بال ہونے کی صورت میں سر پر موجود بالوں کے چوتھائی کو تر کردے تو مسح کا فرض ادا ہو جائے گا البتہ غسل کے لئے اتارنا ہی پڑیگا کہ غسل میں دھونا فرض ہے اور سارے سر کا ٹوپی کے اوپر سے ڈھل جانا عادۃً نہایت ہی مشکل ہے۔امام فخر الدین حسن بن منصور اوزجندی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ قاضی خان کے نام سے معروف ہیں فرماتے ہیں۔

لَوْمَسَحَتِ الْمَرْأَةُ فَوْقَ الْخِمَارِ اِنْ وَصَلَ الْمَاءُ اِلَى الشَّعْرِ جَازَ وَاِلَّا فَلَا۔

﴿فتاوی قاضی خان علی ھامش الفتاوی الھندیۃ جلد ۱ صفحہ ۳۵ مطبوعہ: مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ﴾

ترجمہ: عورت نے اوڑھنی کے اوپر سے مسح کیا اگر پانی بالوں تک پہنچ گیا تو مسح درست ہے ورنہ نہیں۔

صدرالشریعۃ بدرالطریقہ ابوالعلی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالی فرماتے ہیں۔

''عمامے، ٹوپی، دوپٹے پر مسح کافی نہیں ہے۔ ہاں اگر ٹوپی، دوپٹہ اتنا باریک ہو کہ تری پھوٹ کر چوتھائی سر کو تر کردے تو مسح ہو جائیگا۔''

﴿بہار شریعت جلد ۱ حصہ دوم صفحہ ۹ مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور﴾

اور دوسری قسم کے مصنوعی بالوں کی صورت میں اتارے بغیر بھی وضواور غسل درست ہو جائے گا کہ ان کے جدا کرنے میں حرج شدید ہے۔خیال رہے کہ انسانی بالوں کی وگ استعمال کرنا یا پیوند کاری کروانا حرام ہے۔

وَاللّٰهُ تَعَالٰی أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نتھ، بندا یا بالی

سوال نمبر ۸: اگر کسی نے ناک میں نتھ (Large Nose Ring) اور کان میں بندا یا بالی (Ear Ring) پہنے وضو یا غسل کرلیا تو کیا اس کا وضو اور غسل درست ہوجائے گا؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْوَهَّابِ

کانوں میں بندا یا بالی کا ہونا وضو پر مطلقاً اثر انداز نہیں ہوتا کیونکہ عام طور پر بندے اور بالیاں کان کی لو میں پہنی جاتی ہیں اور وہ اعضاء وضو میں سے نہیں ہے۔ ہاں غسل کی صورت میں شدید احتیاط کی ضرورت ہے کہ غسل میں کان کی لو کا دھونا بھی فرض ہے۔ بہر حال نتھ، بالی، بُندا اگر کسی عضو پر موجود ہوں اور اس کا دھونا بھی فرض ہو تو اگر وہ سوراخ بند نہ ہو اس میں پانی بہانا فرض ہے اور اگر تنگ ہو تو نتھ، بالی اور بُندے کو حرکت دینا ضروری ہے۔

عالمگیری میں ہے،

"وَجَبَ تَحْرِيكُ الْقُرْطِ وَالْخَاتَمِ الضَّيِّقَيْنِ وَلَوْلَمْ يَكُنْ قُرْطٌ فَدَخَلَ الْمَاءُ الثَّقْبَ عِنْدَ مُرُوْرِهٖ أَجْزَاهُ وَإِلَّا أَدْخَلَهٗ وَلَا يَتَكَلَّفُ فِي إِدْخَالِ شَيْءٍ سِوَى الْمَاءِ مِنْ خَشَبٍ وَنَحْوِهٖ۔"

﴿عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۱۴ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ﴾

ترجمہ: تنگ بُندے اور انگوٹھی کو حرکت دینا واجب ہے۔ اور اگر بندا نہ پہنا ہوا ہو اور پانی سوراخ میں خود بخود داخل ہو گیا تو کافی ہے ورنہ خود سے ڈالے کسی اور چیز مثلاً لکڑی وغیرہ سے ڈالنے کا تکلف نہ کرے۔

صدرالشریعۃ بدرالطریقہ ابوالعلی مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

"نتھ کا سوراخ اگر بند نہ ہو تو اس میں پانی بہانا فرض ہے اگر تنگ ہو تو پانی ڈالنے میں نتھ کو حرکت دے ورنہ ضروری نہیں۔"

﴿بہار شریعت جلد ۱ حصہ دوم صفحہ ۸ مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور﴾

وَاللّٰهُ تَعَالٰى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

انگوٹھی، چھلے اور گہنے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سوال نمبر۹: اگر کسی نے انگوٹھی یا چھلے یا کنگن یا چوڑیاں یا گہنے وغیرہ پہنے ہوئے ہوں تو کیا اس کا وضو اور غسل درست ہو جائے گا؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْوَهَّابِ

اگر دوران وضو اور غسل ان کے نیچے پانی پہنچ گیا تو وضو و غسل درست ہو جائیگا ورنہ نہیں۔ لہٰذا اس میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ عالمگیری میں ہے۔

"تَحْرِيكُ الْخَاتَمِ سُنَّةٌ اِنْ كَانَ وَاسِعًا وَفَرْضٌ اِنْ كَانَ ضَيِّقًا بِحَيْثُ لَمْ يَصِلِ الْمَاءُ تَحْتَهُ۔"

﴿عالمگیری جلد۱ صفحہ۵ مطبوعہ: مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ﴾

ترجمہ: اگر انگوٹھی کشادہ ہو تو اس کو حرکت دینا سنت ہے اور تنگ ہو تو انگوٹھی کو اس طرح سے حرکت دینا فرض ہے کہ پانی اس کے نیچے پہنچ جائے۔

صدر الشریعۃ بدر الطریقہ ابو العلی مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

"ہر قسم کے جائز اور ناجائز گہنے، چھلے، انگوٹھیاں، پہنچیاں، کنگن، کانچ، لاکھ وغیرہ کی چوڑیاں، ریشم کے لچھے وغیرہ اگر اتنے تنگ ہوں کہ نیچے پانی نہ بہے تو اتار کر دھونا فرض ہے۔ اور اگر صرف ہلا کر دھونے سے پانی بہہ جاتا ہو تو حرکت دینا ضروری ہے اور اگر ڈھیلے ہوں کہ بے ہلائے بھی نیچے پانی بہہ جائے گا تو کچھ ضروری نہیں۔"

﴿بہار شریعت جلد۱ حصہ دوم صفحہ۹ مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور﴾

یہی حکم پاؤں کے چھلے اور گہنے کا ہے۔

وَاللّٰهُ تَعَالٰی أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

دانتوں پر چونے اور نسوار کا جمنا

سوال نمبر۱۰: بعض حضرات پان، سگریٹ اور نسوار وغیرہ کے عادی ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے دانتوں پر کتھے، چونے، نسوار اور نکوٹین (Nicotine) کی تہہ جم جاتی ہے جس کی وجہ سے پانی دانتوں تک پہنچ نہیں پاتا تو کیا ان لوگوں کا غسل درست ہو جائیگا؟

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْوَهَّابْ

گو کہ غسل کے فرائض میں سے کلی کرنا بھی ہے اور وہ بھی اس طرح سے کہ منہ کے ہر پرزے گوشے ہونٹ سے حلق کی جڑ تک پانی بہہ جائے۔صدر الشریعۃ بدر الطریقہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں

”بلکہ فرض ہے کہ داڑھوں کے پیچھے گالوں کی تہہ میں دانتوں کی جڑ اور کھڑکیوں میں زبان کی ہر کروٹ میں حلق کے کنارے تک پانی بہے۔“

﴿بہار شریعت جلد۱ حصہ دوم صفحہ۱۸ مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور﴾

مگر اس کے باوجود اگر ان اشیاء کو چھڑانے میں ضرر اور حرج ہو تو انکے چھڑائے بغیر بھی غسل درست ہو جائیگا۔امام اہل سنت مجدد دین وملت اعلیحضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں،

”اگر وہ جگہ جہاں چونا جم گیا ہے جنابت کے بعد کسی طرح کلی کرنے سے یا پانی پینے سے دھل گئی اور وہ چونا ایسا جم گیا کہ اس کا چھڑانا باعث ضرر وایذا ہے تو معاف ہے غرغرہ کافی ہوگا اور بے ضرر چھڑا سکتا ہے تو چھڑانا واجب ہے بغیر چھڑائے غسل نہ ہوگا۔واللہ تعالی اعلم۔“

﴿فتاوی رضویہ جلد۲ صفحہ۱۸ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

صدر الشریعۃ بدر الطریقہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں،

”دانتوں کی جڑوں اور کھڑکیوں میں ایسی چیز جو پانی بہنے سے روکے،جمی ہو تو اس کا چھڑانا ضروری ہے اگر چھڑانے میں ضرر وحرج نہ ہو جیسے چھالیا کے دانے گوشت کے ریشے اور اگر چھڑانے میں ضرر اور حرج ہو جیسے بہت پان کھانے سے دانتوں کی جڑوں میں چونا جم جاتا ہے یا عورتوں کے دانتوں میں مسی کی ریخیں کہ ان کے چھیلنے میں دانتوں یا مسوڑوں کی مضرت (نقصان) کا اندیشہ ہے تو معاف ہے۔“

﴿بہار شریعت جلد۱ حصہ دوم صفحہ۱۸ مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور﴾

وَاللّٰهُ تَعَالٰی أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

پلاسٹر پر مسح کا حکم

سوال نمبر ۱۱: عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ اگر کسی کا ہاتھ یا پاؤں ٹوٹ جائے تو ڈاکٹر حضرات بڑے بڑے پلاسٹر

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

باندھ دیتے ہیں۔ایسی صورت میں ان لوگوں کے وضواور غسل کا کیا حکم ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْوَهَّابِ

جوحکم زخم پر پٹی باندھنے کا ہے ان پلاسٹرز کا بھی وہی حکم ہے۔اور پٹی کا حکم قاضی ھندوپاک صدرالشریعۃ بدر الطریقہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالی علیہ درج ذیل الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

"کسی زخم پر پٹی وغیرہ بندھی ہو کہ اس کے کھولنے میں ضرر یا حرج ہو یا کسی جگہ مرض یا درد کے سبب پانی بہنا ضرر کرے گا تو اس پورے عضو کا مسح کریں اور نہ ہو سکے تو پٹی پر مسح کافی ہے اور پٹی موضع حاجت (حاجت کی جگہ) سے زیادہ نہ رکھی جائے ورنہ مسح کافی نہ ہوگا اور اگر پٹی موضع حاجت ہی پر بندھی ہے مثلاً بازو پر ایک طرف زخم ہے اور پٹی باندھنے کے لئے بازو کی اتنی ساری گولائی پر اس کا ہونا ضرور ہے تو اس کے نیچے بدن کا وہ حصہ بھی آجائیگا جسکو پانی ضرر نہیں کرتا تو اگر کھولنا ممکن ہو کھول کر اس حصے کا دھونا فرض اور اگر ناممکن ہو اگرچہ یونہیں کھول کر پھر ویسی نہ باندھ سکے گا اور اس میں ضرر کا اندیشہ ہے تو ساری پٹی پر مسح کر لے کافی ہے۔بدن کا وہ اچھا حصہ بھی دھونے سے معاف ہو جائیگا۔"

﴿بہار شریعت جلد۱ حصہ دوم صفحہ۱۸ مطبوعہ: ضیاءالقرآن پبلی کیشنز لاہور﴾

پلاسٹر عام طور پر اُس جگہ سے زائد حصہ پر باندھا جاتا ہے کہ جس پر زخم ہو مگر اُس زائد حصے پر باندھا گیا پلاسٹر بھی ضرورت کی وجہ سے ہوتا ہے کیونکہ اگر موضع حاجت سے زائد حصے پر پلاسٹر نہ باندھا جائے تو ہڈی کے ہلنے کا خطرہ رہتا ہے نیز عام طور پر جو پلاسٹر باندھا جاتا ہے وہ اس طرح کا ہوتا ہے کہ اگر تھوڑی سی جگہ پر باندھا جائے تو فوراً جھڑ جاتا ہے۔لھذا ہڈی کے جوڑ کو صحیح بٹھانے اور پلاسٹر کو قائم رکھنے کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ پلاسٹر موضع حاجت سے زائد حصے پر باندھا جائے۔چنانچہ پورے پلاسٹر پر مسح کرنے سے وضو اور غسل درست ہو جائیگا۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

مسح کا بیان

موزوں پر مسح کا حکم

سوال نمبر۱۲: کیا سوتی (Cotton)، اونی (Woollen) اور نائلون (Nylon) کے موزوں (Socks)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

پر مسح کرنا درست ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْوَهَّاب

قوانین شرعیہ کی رو سے جن موزوں پر مسح کرنا جائز ہے اس کی شرائط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ موزہ ایسا ہو کہ اگر ان پر پانی ڈالا جائے تو وہ پانی کو روک لیں کہ پانی ان سے چھن کر فوراً پاؤں کی طرف نہ چلا جائے۔ جبکہ ہمارے زمانے میں رائج سوتی، اونی اور نائلون کے موزے پانی کو روکنے کی صلاحیت نہیں رکھتے بلکہ پانی ان سے فوراً چھن کر پاؤں کی طرف چلا جاتا ہے۔ لہٰذا ان پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر کہیں ایسے دبیز موزے بنتے ہوں کہ ان میں سے پانی فوراً چھن کر پاؤں تک نہ آجاتا ہو تو ان پر مسح جائز ہے جبکہ ان میں دیگر شرائط بھی پائی جائیں یعنی ایسے موٹے اور مضبوط ہوں کہ صرف انھیں پہن کر سفر کریں تو شق نہ ہو جائیں اور پنڈلی پر اپنے دبیز ہونے کے سبب بغیر باندھے رکے رہیں ٹخنوں سے نیچے نہ آئیں جیسا کہ امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن منیۃ المصلی کے حوالے سے فرماتے ہیں،

”وَقَدْ ذَكَرَ نَجْمُ الدِّيْنِ الزَّاهِدِىْ عَنْ شَمْسِ الْأَئِمَّةِ الْحَلْوَانِيِّ اَنَّ الْجَوَارِبَ مِنَ الْغَزَلِ وَالشَّعْرِ مَاكَانَ رَقِيْقًا مِنْهَا لَايَجُوْزُ الْمَسْحُ عَلَيْهِ اِتِّفَاقًا۔

ترجمہ: اور تحقیق ذکر کیا ہے نجم الدین زاہدی نے شمس الأئمہ حلوانی سے کہ اون اور بالوں کے ایسے موزے جو پتلے ہوں ان پر بالاتفاق مسح جائز نہیں۔

﴿فتاوی رضویہ جلد۲ صفحہ۳۴ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

جیسا کہ امام اہل سنت مزید فرماتے ہیں،

”سوتی یا اونی موزے جیسے ہمارے بلاد (شہروں) میں رائج ان پر مسح کرنا کسی کے نزدیک درست نہیں کہ نہ وہ مجلد ہیں یعنی ٹخنوں تک چمڑا منڈھے (لگے) ہوئے نہ منعل یعنی تلا چمڑے کا لگا ہوا نہ ثخین یعنی ایسے دبیز ومحکم (مضبوط) کہ تنہا انھیں پہن کر قطع مسافت کریں تو شق (پھٹ) نہ ہو جائیں اور ساق (پنڈلی) پر اپنے دبیز ہونے کے سبب بے بندش کے رکے رہیں ڈھلک نہ آئیں اور ان پر پانی پڑے تو روک لیں فوراً پا(ؤں) کی طرف چھن نہ جائے جو پائتابے ان تینوں

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وصف مجلد، منعل اور تخین (دبیز ہونا) سے خالی ہوں ان پر مسح بالاتفاق ناجائز ہے۔ ہاں اگر ان پر چمڑا منڈھ لیں یا چمڑے کا تلا لگالیں تو بالاتفاق (سب کے نزدیک مسح جائز ہوجائے گا) یا شاید کہیں اس طرح کے دبیز بنائے جائیں تو صاحبین کے نزدیک مسح جائز ہوگا اور اسی پر فتویٰ ہے۔" (ایضا)

وَاللّٰهُ تَعَالٰی أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

انگریزی انداز(Style) کے جوتوں پر مسح کا حکم

سوال نمبر ۱۳: کیا جوتوں پر مسح جائز ہے؟

أَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْوَهَّابِ

ہمارے زمانے میں عام طور استعمال کیے جانے والے بوٹ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو اپنی لمبائی کی وجہ سے ٹخنوں کو چھپالیتے ہیں جیسے کہ فوجی جوتے اور دوسرے وہ جو ٹخنوں کو نہیں چھپاتے۔ دوسری قسم کے جوتوں پر مسح جائز نہیں ہے۔ جب کہ پہلی قسم کے جوتوں پر مسح جائز ہے جیسا کہ امام اہلسنت مجدد دین وملت اعلحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

"درست ہے۔ معراج الدرایہ پھر بحرالرائق پھر ردالمحتار میں ہے یَجُوْزُ عَلَى الجَارُوْقِ الْمَشْقُوْقِ عَلٰى ظَهْرِ الْقَدَمِ وَلَه' اَزْرَارٌ يَشُدُّهَا عَلَيْهِ تَسُدُّه' لِاَنَّه' كَغَيْرِ الْمَشْقُوْقِ وَاِنْ ظَهَرَ مِنْ ظَهْرِ الْقَدَمِ شَيْءٌ فَهُوَ كَخُرُوْقِ الْخُفِّ۔

﴿فتاویٰ رضویہ جلد دوم صفحہ ۳۳ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

ترجمہ: پشت قدم پر سے کٹے ہوئے جوتوں پر مسح جائز ہے درآنحالیکہ اگر اس میں فیتہ ہو کہ جس سے وہ اس کو باندھتا ہو اور وہ اس کو روک لیتا ہو کیونکہ اب وہ بغیر کٹے ہوئے کی طرح ہے۔ اور اگر اس کے باوجود بھی قدم کا تھوڑا سا حصہ ظاہر ہوتا ہو تو اس کی مثال موزے کے چھوٹے چھوٹے سوراخوں کی سی ہے (یعنی ایسے چھوٹے سوراخ جو موزوں پر مسح کرنے کو مانع نہ ہوں)۔

بہار شریعت میں ہے،

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

”انگریزی بوٹ پر مسح جائز ہے اگر اس سے ٹخنے چھپے ہوں“

﴿بہار شریعت جلد دوم صفحہ ۴۰ مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلیکشنز لاہور﴾

وَاللّٰہُ تَعَالٰی أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

نواقض وضو کا بیان

انجکشن سے وضو ٹوٹنے کا مسئلہ

سوال نمبر ۱۴: کیا انجکشن لگوانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

أَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْوَهَّابِ

انجکشن عام پر دو طرح سے لگائے جاتے ہیں۔ ایک طریقہ تو یہ کہ انجکشن کے ذریعے دوا پٹھوں میں پہنچائی جاتی ہے اور اس طریقے کو IM کہا جاتا ہے۔ اور یہ مخفف ہے Interamuscular کا اور اس سے مراد پٹھوں میں (انجکشن لگانا) ہے۔ اس طریقے سے لگائے جانے والے انجکشن میں عام طور پر خون نہیں نکلتا اور کبھی اتفاقاً نکلتا بھی ہے تو انتہائی قلیل مقدار میں نکلتا ہے۔ اور اتنی تھوڑی مقدار میں خون کا نکلنا کہ جس میں بہنے کی صلاحیت نہ ہو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

فتاوی عالمگیری میں ہے،

”اذا خرج من الجرح دم قليل فمسحه ثم خرج ايضا فمسحه فان كان الدم بحال لوترك ماقد مسح منه انتقض وضوء ه وان كان لايسيل لاينتقض وضوء ه.“

﴿فتاوی عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۱۱ مطبوعہ: مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ﴾

ترجمہ: اگر زخم سے خون نکلا اور اس کو پونچھ لیا پھر دوبارہ نکلا پھر پونچھ لیا۔ پس اگر خون اتنی مقدار میں نکلا ہو کہ اس کو نہ پونچھتا اور چھوڑ دیتا تو بہہ جاتا تو اس کا وضو ٹوٹ جائیگا اور اگر اتنی مقدار کو نہ پہنچا کہ بہہ جاتا تو اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا۔

انجکشن لگانے کے دوسرے طریقے میں دوا رگ کے ذریعے سے جسم میں پہنچائی جاتی ہے۔ اور اس طریقے کو IV کہا جاتا ہے۔ اور یہ مخفف ہے Interavenous کا اور اس سے مراد رگ میں (انجکشن لگانا) ہے۔ اس طریقے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سے لگائے جانے والے انجکشن کا طریقہ یہ ہے کہ سوئی (Niddle) کو رگ میں داخل کر کے اس نے ... ن (Piston) کو پیچھے کی طرف کھینچا جاتا ہے جس سے عام طور خون کی اتنی مقدار جسم سے باہر آجاتی ہے کہ جو بہنے کے قابل ہو۔ اور یہ خون صرف اس لئے نکالا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ سوئی رگ میں داخل ہوئی یا نہیں۔ چنانچہ اس طریقے سے لگائے جانے والے انجکشن سے عام طور پر وضوٹوٹ جاتا ہے۔ اس کی نظیر فقہ کا درج ذیل جزیہ ہے۔

"القراد اذا مص عضو انسان فامتلأ دماان كان صغيرا لا ينقض وضوء ه كما مصت الذباب او البعوض وان كان كبيرا ينقض وكذا العلقة اذا مص عضو انسان حتى امتلأت دمه انتقض الوضوء۔

﴿فتاوی عالمگیری جلد ا صفحہ ١١ مطبوعہ: مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ﴾

ترجمہ: چچڑی نے اگر کسی انسان کا کوئی عضو چوسا اور وہ خون سے بھر گئی تو اگر وہ چھوٹی ہے تو وضو نہیں ٹوٹے گا جیسے کہ مکھی یا مچھر اور بڑی ہو تو وضوٹوٹ جائے گا اسی طرح جونک اگر کسی انسان کے کسی عضو کو چوس لے حتی کہ خون سے بھر جائے تو وضوٹوٹ جائیگا۔

وَاللّٰهُ تَعَالٰی أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

دوران سفر نیند اور وضو

سوال نمبر ١٥: اگر کوئی شخص ٹرین یا کار یا بس یا ہوائی جہاز میں باوضو سفر کر رہا ہو دوران سفر اس کی آنکھ لگ جائے اور وہ سو جائے تو کیا جاگنے پر اس کا وضو برقرار رہے گا یا نہیں؟

أَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْوَهَّابِ

نیند میں عام طور پر غفلت اور مقعد کے جمے نہ ہونے کی صورت میں وضوٹوٹ جاتا ہے ہاں البتہ بعض صورتوں میں نیند سے وضو نہیں ٹوٹتا مگر ان صورتوں کے تحقق کے لئے دو شرائط میں سے کسی ایک کا پایا جانا ضروری ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ اس طرح سے سویا ہو کہ اس کے سرین جمے ہوئے ہوں اور دوسری شرط یہ کہ غافل ہو کر نہ سویا ہو۔ چنانچہ مذکورہ دونوں شرائط میں سے کوئی ایک بھی شرط پائی جائیگی تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ لہٰذا اگر کوئی باوضو شخص دوران سفر

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اس طرح سے سویا کہ دونوں شرطوں میں سے کوئی ایک شرط بھی پائی گئی تو اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا۔ مثلاً وہ بس یا ٹرین یا جہاز کی سیٹ پر اس طرح بیٹھے بیٹھے سو گیا کہ اس کے سرین اچھی طرح سے جمے ہوئے ہوں اگرچہ سیٹ کی ٹیک بھی پیچھے کی طرف کیوں نہ کھلی ہو مگر اتنی زیادہ نہ ہو کہ لیٹنے کی سی کیفیت پیدا ہو جائے یا بس میں کھڑے کھڑے سو گیا تو اس کا وضو نہیں جائیگا۔ کیونکہ پہلی حالت میں مقعد خوب جمی ہوئی ہوگی جبکہ دوسری حالت غافل ہو کر نیند آنے کو مانع ہے۔ صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں،

"دونوں سرین زمین یا کرسی یا بینچ پر ہیں اور دونوں پاؤں ایک طرف پھیلے ہوئے یا دونوں سرین پر بیٹھا ہے اور گھٹنے کھڑے ہیں اور ہاتھ پنڈلیوں پر محیط ہوں خواہ زمین پر ہو دو زانو سیدھا بیٹھا ہو یا چار زانو پالتی مارے یا زین پر سوار ہو یا ننگی پیٹھ پر سوار ہے مگر جانور چڑھائی پر چڑھ رہا ہے یا راستہ ہموار ہے یا کھڑے کھڑے سو گیا یا رکوع کی صورت پر یا مردوں کے سجدہ مسنونہ کی شکل پر تو ان سب صورتوں میں وضو نہیں جائے گا۔"

﴿بہار شریعت جلد دوم صفحہ ۱۴،۱۵ مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور﴾

ہاں اگر وہ ایسی ہیأت پر سویا کہ جن میں دونوں شرائط میں سے کوئی ایک بھی شرط نہ پائی جائے تو اس کا وضو برقرار نہیں رہے گا مثلاً سیٹ پر لیٹ کر یا اکڑوں بیٹھ کر سو گیا تو وضو برقرار نہیں رہے گا۔ جیسا کہ صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا امجد علی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں،

"اکڑوں بیٹھ کر سویا یا چت یا پٹ یا کروٹ پر لیٹ کر یا ایک کہنی پر تکیہ لگا کر یا بیٹھ کر سویا مگر ایک کروٹ کو جھکا ہوا ہے کہ ایک یا دونوں سرین اٹھے ہوئے ہیں یا ننگی پیٹھ پر سوار ہے اور جانور ڈھلان میں اتر رہا ہے یا دونوں زانو بیٹھا اور پیٹ رانوں پر رکھا کہ دونوں سرین جمے نہ رہے یا چار زانو ہے اور سر رانوں یا پنڈلیوں پر ہے یا عورتیں سجدہ کرتی ہیں اسی ہیأت پر سو گیا ان سب صورتوں میں وضو جاتا رہا اور اگر نماز میں ان صورتوں میں سے کسی پر قصداً سویا تو وضو بھی گیا نماز بھی گئی وضو کر کے سرے سے نیت باندھے اور اگر بلا قصد سویا تو وضو جاتا رہا نماز نہیں گئی وضو کرے جس رکن میں سویا تھا رکن سے ادا کرے اور از سر نو پڑھنا بہتر ہے۔"

﴿بہار شریعت جلد دوم صفحہ ۱۴ مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور﴾

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وَاللّٰہُ تَعَالٰی أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

پانی کا بیان

پیشاب فلٹر کرنے کے بعد

سوال نمبر ۱۶: اگر پیشاب کو فلٹر کر کے اس کی بدبو اور پیلاہٹ کو دور کر دیا جائے تو کیا یہ وضو وغسل کے قابل ہو جائیگا؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْوَهَّابِ

پیشاب نجس العین ہے اس کے بعض اجزاء نکال دینے سے یہ پاک نہیں ہو جائے گا۔ یہ بدستور ناپاک ہی رہے گا۔ قوانین شرعیہ کے مطابق کسی نجس العین شیء کے پاک ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس کی حقیقت تبدیل ہو جائے مثلاً شراب اگر سرکہ بن جائے تو اب اس سرکے پر پاکی کا حکم ہوگا یا خنزیر اگر نمک کی کان میں ایک عرصے تک پڑا رہے حتی کہ وہ نمک بن جائے تو اس پر پاکی کا حکم ہوگا یونہی پاخانہ جلا کر راکھ بنا دیا جائے تو وہ راکھ پاک ہے کیونکہ ان تمام اشیاء کی حقیقتیں تبدیل ہو چکی ہیں۔ اور جب کسی چیز کی حقیقت تبدیل ہو جاتی ہے تو اس کا حکم بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بعض وہ اشیاء جو کہ پاک اور حلال ہوتی ہیں لیکن اگر ان کی ہیئت تبدیل ہو جائے تو ان کا بھی حکم بدل جاتا ہے۔ لہذا اگر پیشاب کی بو اور پیلاہٹ وغیرہ بھی ختم کر دی جائے تو اس کی حقیقت میں فرق نہیں پڑے گا اور وہ ناپاک ہی رہے گا۔ چنانچہ اس سے وضو وغسل تو درکنار بلکہ کسی پاک چیز کو لگ جائے گا یا اس میں گر جائے تو اسے بھی ناپاک کر دے گا۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی أَعْلَمُ بِالصَّوَاب

حوض اور ٹنکیوں کے پاک کرنے کا طریقہ

سوال نمبر ۱۷: گھروں میں استعمال کے لئے بنائے جانے والے حوض اور ٹنکیوں میں اگر نجاست گر جائے تو کیا وہ ناپاک ہو جائیں گے یا نہیں اگر ناپاک ہو جائیں تو ان کے پاک کرنے کا طریقہ کار کیا ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْوَهَّابِ

گھروں میں بنائی جانے والی ٹنکیاں اور حوض پیائش کے اعتبار سے دو قسموں میں سے کسی ایک قسم کے ہونگے۔ (۱) یا تو وہ دس ہاتھ چوڑے اور دس ہاتھ لمبے ہونگے یا کسی طرح ان کی لمبائی چوڑائی سو ہاتھ ہو مثلاً بیس ہاتھ لمبا اور پانچ ہاتھ چوڑا یا پچیس ہاتھ چوڑا اور چار ہاتھ لمبا ہو اور گہرا اتنا کہ لپ سے پانی لیں تو زمین نہ کھل

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جائے۔اتنی پیائش میں پائے جانے والے پانی کو آب کثیر (زیادہ پانی) کہتے ہیں جیسا کہ فتاوی رضویہ میں ہے۔
(۲) یا وہ حوض اور ٹنکیاں اس مقدار سے چھوٹے ہونگے۔اور اس قسم کے پانی کو آب قلیل (تھوڑا پانی) کہتے ہیں۔دونوں قسم کے حوض اور ٹنکیوں کے مختلف احکام ہیں۔اگر پہلی قسم کے حوض یا ٹنکی میں کوئی نجاست گر جائے تو ان کا پانی ناپاک نہیں ہوتا کیونکہ وہ جاری پانی (بہتے پانی) کے حکم میں ہوتا ہے۔چنانچہ اگر ان میں کوئی نجاست مرئیہ (دکھائی دینے والی) گر جائے تو اس نجاست کو نکال دیا جائے یا نجاست غیر مرئیہ (نہ دکھائی دینے والی) ہو اس کا نکالنا ممکن نہیں ہوتا جیسا کہ پیشاب کیونکہ وہ پانی کے ساتھ ایسی خلط ہو جاتی ہے کہ تمیز کرنا ممکن نہیں رہتا بہرحال پانی دونوں صورتوں میں جوں کا توں پاک ہی رہے گا۔ہاں اگر اس نجاست کی وجہ سے پانی کے اوصاف میں تبدیلی آجائے یعنی اس کے رنگ، بو اور ذائقہ میں سے کوئی ایک وصف بھی تبدیل ہو جائے تو وہ پانی ناپاک ہو جائے گا۔مثلاً اس قسم کے پانی میں اتفاقاً کوئی بلی یا چوہا یا چھپکلی یا پرندہ گر کر مر جائے تو وہ پانی ناپاک نہ ہوگا جب تک کہ اس کا کوئی وصف تبدیل نہ ہو جائے۔عالمگیری میں ہے،

"الماء الراكد اذا كان كثيرا فهو بمنزلة الجارى لا يتنجس جميعه بوقوع النجاسة فى طرف منه الا ان يتغير لونه أو طعمه أو ريحه وعلى هذا اتفق العلماء۔"

﴿عالمگیری جلد ا صفحہ ۱۸ مطبوعہ: مکتبہ رشیدیہ کراچی﴾

ترجمہ: ٹھہرا ہوا پانی اگر آب کثیر ہو تو وہ بہتے ہوئی پانی کے حکم میں ہے جو کہ کسی جانب سے بھی نجاست گر جانے پر ناپاک نہیں ہوتا سوائے یہ کہ اس کا رنگ یا ذائقہ یا بو تبدیل ہو جائے اور اس بات پر تمام علماء متفق ہیں۔

اگر نجاست کی وجہ سے اس کے اوصاف تبدیل ہو جائیں تو اس کے پاک کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اس میں سے اگر دکھائی دینے والی نجاست ہو تو اس نجاست کو نکال دیا جائے پھر اس میں اتنی مقدار میں پاک پانی ملایا جائے کہ پانی میں جو تبدیلی پیدا ہوئی تھی وہ ختم ہو جائے۔آب جاری کو بھی پاک کرنے کا یہی طریقہ ہے۔
عالمگیری میں ہے،

"ألماء الجارى بعد ما تغير احد أوصافه وحكم بنجاسته لا يحكم

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بطهارته مالم يزل ذلك التغيربأن يردعليه ماء طاهر حتى يزيل ذلك التغير كذا في المحيط۔"

﴿عالمگیری جلد۱ صفحہ۱۸ مطبوعہ: مکتبہ رشیدیہ کراچی﴾

ترجمہ: بہتے پانی کے کسی ایک وصف میں تبدیلی اور اس پر ناپاکی کے حکم کے بعد اس وقت تک اس کی پاکی کا حکم نہیں دیا جائے گا کہ جب تک وہ تبدیلی اس میں قائم ہو اور وہ اس طرح سے ممکن ہے کہ اس میں مزید پاک پانی ڈالا جائے یہاں تک کہ وہ اس کے اوصاف کی تبدیلی ختم کردے۔

دوسری قسم کی حوض اور ٹنکیوں کے پانی کا حکم یہ ہے کہ اگر ان میں نجاست گر جائے تو وہ ناپاک ہو جاتا ہے خواہ اس پانی کے اوصاف میں تبدیلی ہوئی ہو یا نہ ہو۔ اس قسم کی حوض یا ٹنکیوں کے پانی کے پاک کرنے کا طریقہ درج ذیل ہے۔

اگر وہ حوض یا ٹنکیاں اس طرح سے بنائی گئیں ہیں کہ ان میں ایک طرف سے پانی داخل ہوتا ہے اور دوسری جانب سے نکل جاتا ہے جیسا کہ عام طور پر گھروں میں استعمال کی جانے والی ٹنکیاں ہوتی ہیں۔ ان ٹنکیوں میں ایک جانب سے پانی داخل کرنے کے لئے پائپ لائن لگائی جاتی ہے اور دوسری جانب کی پائپ لائن سے گھر میں پانی استعمال کیا جاتا ہے۔ اگر اس قسم کی ٹنکیاں ناپاک ہو جائیں تو نجاست مرئیہ گرنے کی صورت میں اس کو نکالنے کے بعد اور نجاست غیر مرئیہ ہونے کی صورت میں اسی سمیت ایک جانب سے پانی داخل کیا جائے یہاں تک کہ ٹنکی پانی سے لبالب بھر کر چھلک پڑے اور جب اتنا پانی نکل جائے کہ جس میں بہنے کی صلاحیت ہو یعنی ایک دو تنکوں کو بہالے جاسکے تو پوری ٹنکی پاک ہو جائے گی۔ اور اتنی مقدار میں پانی بہانے کے لئے آدھ منٹ سے کم کا دورانیہ بھی کافی ہو جائے گا۔ عالمگیری میں ہے،

"حوض صغير تنجس ماء ه فدخل الماء الطاهر من جانب وسأل ماء الحوض من جانب آخر كان الفقيه ابوجعفر رحمه الله تعالى يقول كما سأل ماء الحوض من الجانب الآخر يحكم بطهارة الحوض۔"

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

﴿عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۱۸ مطبوعہ: مکتبہ رشیدیہ کراچی﴾

ترجمہ: چھوٹا حوض (ٹنکی) کا پانی اگر ناپاک ہو جائے پس اس میں ایک جانب سے پاک پانی داخل ہو اور حوض کا پانی دوسری جانب سے بہے تو اس کے بارے فقیہ ابو جعفر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جیسے ہی دوسری جانب سے حوض کا پانی بہے گا حوض کی طہارت کا حکم کر دیا جائے گا۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

پانی میں ملائی جانے والی ادویات (Medicines)

سوال نمبر ۱۸: گورنمنٹ کی جانب سے پانی کی صفائی یا مختلف قسم کی بیماریوں سے بچاؤ کے لئے حفظان صحت کے اصول کے مطابق مختلف قسم کی دوائیاں پانی میں ملائی جاتی ہیں اور بعض اوقات تو اتنی زیادہ مقدار میں ملائی جاتی ہے کہ پانی کا ذائقہ بھی تبدیل سا محسوس ہوتا ہے۔ کیا ایسا پانی وضو اور غسل کے قابل ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْوَهَّابِ

جب تک اس دوا کی نجاست کا علم نہ ہو وہ پانی طاہر (پاک) ومطہر (پاک کرنے والا) ہے۔ اس سے وضو و غسل جائز ہے۔ کسی نے امام اہلسنت مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے سوال کیا کہ

"ایام وبا میں گورنمنٹ کی طرف سے جو دوا کنوؤں میں واسطے اصلاح پانی کے ڈالی جاتی ہے اور رنگ پانی کا سرخ ہو جاتا ہے اور ذائقہ میں بھی فرق آ جاتا ہے وہ پانی طاہر ومطہر اور قابل پینے کے اور وضو کے ہے یا نہیں۔"

امام اہلسنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ

"جب تک نجاست پر علم نہیں پانی طاہر ومطہر ہے نص علیہ فی ردالمحتار وغیرها والأصل فی الأشیاء الطهارة (اسی بات پر نص کی گئی ہے ردالمحتار اور دیگر کتب میں اور اشیاء میں اصل طہارت ہے) یونہی جب تک حرمت پر علم نہیں پانی حلال ومشروب (پینے کے قابل) ہے فان الأصل فی الأشیاء الاباحة (بے شک اشیاء میں اصل اباحت ہے)۔"

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

﴿فتاویٰ رضویہ جلد ۱ صفحہ ۵۶۹ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

وَاللّٰہُ تَعَالٰی أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

پانی میں ملنے والے مائعات(Liquids)

سوال نمبر۱۹: بعض اوقات پانی کھینچنے کی موٹر میں تیل غلط انداز میں ڈال دیا جاتا ہے یا کسی پاک پانی میں موبل آئل یا گاڑی میں استعمال شدہ جلا ہوا تیل یا کسی اور قسم کا تیل شامل ہو جائے تو اس سے وضو و غسل درست ہے اور ناپاک کپڑے یا دیگر ناپاک اشیاء کو دھونا درست ہے؟

أَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْوَهَّابِ

صورت مسئولہ کے جواب سے پہلے یہ قاعدہ جاننا ضروری ہے کہ اگر پانی میں کوئی پاک مائع (Liquid، بہنے والی شی) مل جائے تو اس مائع کی درج ذیل تین صورتوں میں سے کوئی ایک صورت ہوگی۔

(۱) وہ مائع تین اوصاف یعنی رنگ، بو اور ذائقہ والا ہوگا مثلاً سرکہ کہ اس میں رنگ، بو اور ذائقہ پائے جاتے ہیں۔(۲) وہ مائع دو اوصاف کا حامل ہوگا جیسا کہ دودھ کہ اس میں دو وصف رنگ اور ذائقہ پائے جاتے ہیں۔

(۳) وہ ایک وصف کا حامل ہوگا مثلاً عرق گلاب کہ اس میں صرف بو پائی جاتی ہے۔

ان تینوں قسم کے مائعات کے پانی میں ملنے کے اعتبار سے پانی کا حکم مختلف ہوگا۔ اگر پانی میں تیسری قسم کا مائع ملا کہ جس میں ایک ہی وصف پایا جاتا ہو تو پانی اس وقت تک قابل وضو رہے گا کہ جب تک پانی پر عرق گلاب کی خوشبو نہ غالب آ جائے۔ اگر پانی میں دوسری قسم کا مائع ملا کہ جس میں دو ہی وصف پائے جاتے ہوں تو پانی اس وقت تک قابل وضو رہے گا کہ جب تک ان دو اوصاف میں سے کوئی ایک وصف پانی پر غالب نہ آ جائے۔ مثلاً سفید انگور کا سرکہ اگر اسکا مزہ اور بو کچھ غالب نہ آئے اس سے وضو بالاتفاق جائز ہے۔ امام اہلسنت مجدد دین وملت الشاہ احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن اس کی تعلیل بیان فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں،

"اقول لانه ذووصفين وريحه اقوىٰ فان تغير ريحه الماء دون طعمه لم يجز على قضية الضابط۔"

﴿فتاویٰ رضویہ جلد ۱ صفحہ ۴۵۴ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

ترجمہ: میں کہتا ہوں کیونکہ اس کے دو اوصاف ہیں اور اس کی بو تیز ہے پس اگر اس کی بو پانی میں

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تغیر پیدا کر دے بجائے اس کے ذائقہ کے قاعدے کے مطابق اس سے وضو جائز نہیں ہے۔
اگر پانی میں پہلی قسم کا مائع ملا کہ جس میں تین اُوصاف پائے جاتے ہوں تو پانی اس وقت تک قابل وضو رہے گا کہ جب تک ان تین اوصاف میں سے کوئی دو وصف پانی پر غالب نہ آجائیں۔ مثلاً ایسا سرکہ جس میں بو اور ذائقہ کے ساتھ ساتھ رنگت بھی پائی جائے تو اگر ایسا سرکہ پانی کے ساتھ مل جائے تو پانی اس وقت تک قابل وضو رہے گا جب تک پانی کے دو اوصاف پر سرکہ کے دو اوصاف غالب نہ آجائیں۔ امام اہلسنت مجدد دین وملت الشاہ احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن رقم طراز ہیں،

"اگر کوئی ذی لون (رنگ والا) سرکہ ایسا ہو کہ اس کا مزہ اس کے سب اوصاف سے اقوی ہو اس کا قلیل سب سے پہلے پانی کے مزے کو بدلے اس سے زائد ملے تو بو یا رنگ میں تغیر آئے اس صورت میں اگر پانی کا کوئی وصف نہ بدلے یا صرف مزہ متغیر ہو تو اس سے وضو بالاتفاق جائز ہے لعدم غلبة اللون فی المنقول ولا تغیر وصفین فی الضابطة (منقول کے مطابق رنگ کے غلبہ نہ کرنے کی وجہ سے اور ضابطہ کے مطابق دو وصف کے تبدیل نہ ہونے کی وجہ سے)۔"

مذکورہ بالا قاعدہ سے پانی میں ملنے والے ہر قسم کے پاک مائع (پانی کے علاوہ) کا حکم ظاہر ہو گیا۔ چنانچہ پانی میں ملنے والا تیل اگر ایک وصف کا حامل ہو تو اس وصف کے غلبے کا اعتبار ہے یعنی اگر پانی پر وہ وصف غالب آجائے تو اس سے وضو وغسل جائز نہیں ہے اور اگر اس تیل کے دو اوصاف ہوں مثلاً بو اور ذائقہ جیسے کہ پٹرول تو پانی کے صرف ایک وصف بدل جانے کی وجہ سے اس سے وضو وغسل کرنا درست نہ ہوگا۔ اور اگر تیل کے تین اوصاف ہوں مثلاً موبل آئل یا استعمال شدہ جلا ہوا آئل تو جب تک پانی کے دو وصف نہ بدلیں تو اس سے وضو جائز رہے گا۔ لہٰذا اگر کسی پانی میں اس قسم کا تیل مل جائے تو صرف ذائقہ یا صرف رنگت یا صرف بو کی تبدیلی سے پانی کا حکم تبدیل نہ ہوگا۔ وہ وضو وغسل کے قابل رہے گا۔ اور اگر پانی میں کوئی ایسا مائع ملا جس میں کوئی اور وصف نہ ہو بلکہ پانی ہی کے اوصاف پائے جاتے ہوں تو اس میں غلبے کا اعتبار ہے مثلاً ماء مستعمل تو اگر کسی پانی میں ماء مستعمل مل جائے تو جس کی مقدار زیادہ ہوگی اسی کا حکم لگے گا۔ اگر ماء مستعمل زیادہ ہو تو تمام پانی ماء مستعمل کے حکم میں ہو جائے گا اور اس سے وضو وغسل جائز نہ ہوگا اور اگر ماء مستعمل کم ہو مطلق پانی زیادہ ہو تو یہ سارا پانی مطہر ہوگا اور

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اس سے وضو غسل جائز ہوگا۔ جہاں تک ناپاک اشیاء کو پاک کرنے کا تعلق ہے تو وہ ہر اس مائع سے پاک ہو جاتے ہیں جو نجاست کے اثر کو زائل کر دیں خواہ وہ خالص پانی ہو یا کوئی اور چیز۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ وہ چیز ایسی نہ ہو جس سے نجاست زائل ہونے کے بجائے مزید پھیل جائے۔

وَاللّٰهُ تَعَالٰی أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

بدبودار پانی

سوال نمبر ۲۰: کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ گھروں میں سپلائی کئے جانے والے پانی میں واضح طور پر گٹر کے پانی کی بدبو آتی ہے۔ کیا ایسا پانی پاک ہے یا ناپاک؟ اس سے کپڑے اور برتن وغیرہ دھونے نیز وضو اور غسل کا کیا حکم ہے؟

أَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْوَهَّابِ

قوانین شرعیہ کی رو سے کسی چیز پر ناپاکی کا حکم اس وقت تک نہیں لگایا جاسکتا کہ جب تک اس میں ناپاکی شامل ہونے کا یقین نہ ہو جائے۔ چنانچہ پانی میں بدبو پیدا ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس میں نجاست ہی ملی ہو بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ زیادہ دیر ٹھہرے رہنے کی وجہ سے پانی میں بدبو پیدا ہوگئی ہو۔ اور یہ عام سی بات ہے کہ نالوں یا تالابوں میں پانی زیادہ دن ٹھہرا رہے تو اس میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے مگر اس بدبو کی وجہ سے اس کو ناپاک نہیں کہا جاسکتا بلکہ اگر وہ پاک تھا تو جب تک اس میں ناپاک شی کے ملنے کا یقین نہ ہو جائے پاک ہی سمجھا جائے گا۔ اعلیٰحضرت امام اہلسنت احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں،

"حوض کا پانی جس میں بدبو آتی ہو جبکہ اس کی بو نجاست کی وجہ سے ہونا معلوم نہ ہو خانیہ میں ہے یجوز التوضؤ فی الحوض الکبیر المنتن اذا لم تعلم نجاسته لان تغیر الرائحة قد یکون بطول المکث اھ اقول وکذاالصغیر وانماقیدبالکبیر لاجل فی معناه ان الکبیر اذاتغیر احداوصافه ینجس بنجس فالحوض الکبیرالمنتن قد یتوقاه الموسوس توهماان نتنه بالنجس فافاد انه وهم لایعتبر۔ یعنی بدبودار حوض کبیر سے وضو کرنا جائز ہے جب تک اس میں نجاست گرنے کا علم نہ ہو کیونکہ بو کا تبدیل ہو جانا کبھی زیادہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

عرصہ ٹھہرے رہنے کی وجہ سے بھی ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں یہی حکم چھوٹے حوض کا بھی ہے کیونکہ وہ اس کے معنی میں ہے کہ حوض کبیر کا کوئی ایک وصف نجاست کی وجہ سے تبدیل ہو جائے تو وہ ناپاک ہو جاتا ہے پس حوض کبیر کہ جس کے پانی میں بو پیدا ہو جائے تو کبھی وسوسے میں مبتلا شخص وہم کرتا ہے کہ اس کی بو نجاست، کی وجہ سے پس اس سے افادہ ہوا کہ یہ وہم ہے کہ جس کا اعتبار نہیں ہے۔

﴿فتاوی رضویہ جلد ۱ صفحہ ۴۱۵ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

چنانچہ اگر لائن کے ذریعے سے آنے والے پانی میں گٹر کے پانی کو آنکھوں سے ملتا ہوا نہ دیکھ لے یا معتبر ذرائع سے اس کی تصدیق نہ ہو جائے اسے ناپاک نہیں کہا جا سکتا۔ اس کی حیثیت شک سے بڑھ کر نہیں اور ایسے شک کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں،

"شریعت مطہرہ کا قاعدہ کلیہ ہے استعمال درکنار دربارہ نجاست (نجاست کے بارے میں) بھی اوہام (وہم کی جمع) وشکوک وظنون مجردہ (ایسے خیالات کہ جن پر کوئی دلیل نہ ہو) پر نظر نہیں فرماتی ملاحظہ ہو پرانا استعمالی جوتا کس قدر مظنہ نجاست ہے مگر حکم یہ ہے کہ جب تک نجاست معلوم نہ ہو کنویں میں گرنے سے کنواں ناپاک نہ ہوگا صرف تطیب قلب (دل کے اطمینان) کے لئے بیس ڈول نکالے جائیں گے۔ ناسمجھ بچے کا ہاتھ پاؤں پانی میں پڑ جائے بے علم نجاست ناپاک نہ ہوگا۔ گائے بکری کنویں میں گر جائے اور زندہ نکل آئے تو کنواں پاک رہے گا اگر چہ ان کے کھر اور رانوں کا نجاست میں ملوث نہ ہونا بعید از قیاس ہے۔ یہاں تک کہ فاسقوں بے نمازیوں بلکہ کافروں کے پاجامے پر حکم نجاست نہیں دیتے صرف کراہت مانتے ہیں۔"

﴿فتاوی رضویہ جلد ۱ صفحہ ۵۵۵ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی﴾

مذکورہ بالا عبارت سے روز روشن کے طرح عیاں ہو گیا کہ جب تک پانی میں نجاست کے ملنے کا یقین نہ ہو جائے صرف بدبو پیدا ہو جانے سے ناپاکی کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔ ہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ اگر دوسرا بے بو پانی موجود ہے تو اس بدبودار پانی سے وضو و غسل کرنا مکروہ ہے جیسا کہ امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں،

"اقول (میں کہتا ہوں) مگر بوجہ خبث رائحہ (بدبو کی وجہ سے) مکروہ ہونا چاہیے خصوصا اگر اس کی بدبو نماز میں باقی رہی کہ باعث کراہت تحریمی ہوگی۔"

﴿فتاویٰ رضویہ جلد ا صفحہ ۴۴۷ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی﴾

وَاللّٰہُ تَعَالٰی أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

پمپنگ سیٹ سے کنویں کی صفائی

سوال نمبر ۲۱: کیا پمپنگ سیٹ سے کنویں کی صفائی کرنا جائز ہے؟

أَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْوَهَّابِ

پمپنگ سیٹ کے ذریعے سے کنویں کی تطہیر کرنا جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں مختلف صورتوں میں مختلف مقدار میں پانی نکالا جاتا ہے۔ کبھی بیس ڈول، کبھی تیس ڈول، کبھی چالیس سے ساٹھ ڈول تک اور کبھی پورا پانی نکالا جاتا ہے۔ بعض مقامات پر کنویں ایسے ہوتے ہیں کہ جتنا پانی نکالا جائے اتنا ہی پانی جلد بھر جاتا ہے جس کی وجہ سے اندازہ نہیں ہو پاتا کہ کتنا پانی نکلا اور بعض ایسے ہوتے ہیں آہستہ آہستہ بھرتے ہیں۔ بہر حال اگر پورا کنواں صاف کرنے کا حکم ہو تو پورا ہی پانی نکالا جائے گا۔ فقہاء کرام رحمھم اللہ تعالیٰ نے جو دو تین سو ڈولوں کی صراحت کی ہے وہ بغداد شریف کے کنووں کے اعتبار سے کی ہے کہ وہاں عام طور پر کنووں میں اتنا ہی پانی ہوتا تھا۔ جبکہ اگر کسی جگہ ہزار ڈول پانی ہوتا ہو تو ہزار ڈول ہی نکالنے پڑیں گے دو تین سو ڈول نکالنا کنویں کو پاک نہیں کرے گا۔ بہر حال پمپنگ سیٹ سے کنویں کی صفائی کے لئے ضروری ہے کہ پہلے کنویں کی گہرائی کا اندازہ کیا جائے پھر پمپنگ سیٹ سے اتنا ہی پانی نکال لیا جائے۔ اور کنویں کی گہرائی معلوم کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ یا تو دو قابل اعتماد آدمی جو پانی میں نگاہ رکھتے ہوں اندازہ کر کے بتائیں کہ اس میں اتنے ڈول پانی ہے یا کسی رسی کے سرے پر بھاری پتھر باندھ کر کنویں میں ڈالیں جب وہ تہہ تک پہنچ جائے تو اسے باہر نکال کر بھیگے ہوئے حصے کو ناپ لیں۔ جتنے فٹ رسی گیلی ہوگی کنویں میں اتنا ہی پانی ہوگا۔ مثلا کنویں میں پانی ۱۰ فٹ ہے۔ اگر نجاست مرئیہ ہو اور پہلے نہ نکالی گئی ہو تو اب نکال لیں پھر پمپنگ سیٹ کے ذریعے سے ایک فٹ پانی نکالیں اور ٹائم دیکھ لیں کہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ایک فٹ پانی نکالنے میں کتنا ٹائم صرف ہوتا ہے۔ مثلاً ایک فٹ پانی نکالنے میں ۲۰ منٹ صرف ہوئے تو بقیہ نوفٹ پانی نکالنے میں ۱۸۰ منٹ صرف ہونگے۔ چنانچہ پمپنگ سیٹ کو مزید ۱۸۰ منٹ یعنی تین گھنٹے کے لئے چلادیں۔ اس طرح سے کنویں کا سارا پانی نکل جائیگا اگرچہ پانی نہ ٹوٹتا ہو کہ اس کا اعتبار نہیں ہے۔ ہاں یہ بات ضروری نہیں کہ پمپنگ سیٹ کو مسلسل چلایا جائے تو کنواں پاک ہوگا بلکہ اگر وقت کے مختلف وقفوں میں پمپنگ سیٹ کو چلاکر تین گھنٹے پورے کردیے تو کنواں پاک ہوجائے گا۔ امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں،

"پانی نکالنے میں صحیح مذھب یہی ہے کہ پے درپے ہونا ضرور نہیں اگر ایک ایک ڈول روزانہ کرکے نکالیں جب تعداد مطلوب پوری ہوجائے گی تو کنواں پاک ہوجائے گا۔"

﴿فتاوی رضویہ جلد۱ صفحہ ۵۷۷ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

وَاللّٰهُ تَعَالٰی أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

تیمم کا بیان

لنجے کا تیمم

سوال نمبر۲۲: وہ شخص کس طرح تیمم کرے گا کہ جس کے ہاتھ کام نہ کرتے ہوں؟

أَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْوَهَّابِ

شخص مذکور کے لئے حکم ہے کہ تیمم کی نیت سے اپنے ہاتھوں کو زمین پر اور چہرے کو دیوار پر پھیر لے تو اس کا تیمم ہوجائے گا۔ جیسا کہ امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن بحوالہ ذخیرہ اور عالمگیری فرماتے ہیں،

"لوشلت یداه یمسح علی الارض ووجهه علی الحائط ویجزیه اھ"

﴿فتاوی رضویہ جلد۱ صفحہ ۵۹۹۶ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

مفہوم وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

وَاللّٰهُ تَعَالٰی أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

غبار سے تیمم

سوال نمبر۲۳: اگر کسی شخص کے اعضاء تیمم ہاتھوں اور منہ پر غبار خود بخود پڑ جائے تو کیا اس کا تیمم درست ہوجائیگا؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْوَهَّابِ

اگر اعضاء تیمم پر غبار خود بخود گرا اور اس نے اس دوران تیمم کی نیت نہیں کی تو اس کا تیمم نہیں ہوگا۔ ہاں اگر اب وہ تیمم کی نیت سے ان اعضاء پر ہاتھ پھیر لے گا تو اس کا تیمم ہوجائیگا۔ عالمگیری میں ہے،

”ولو اصاب الغبار وجهه ویدیه فمسح به ناویا للتیمم یجوز وان لم یمسح لا یجوز كذافی الظهیریه۔“

﴿فتاوی عالمگیری جلد۱صفحہ۲۷ مطبوعہ: مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ﴾

ترجمہ: اگر کسی کے چہرے اور ہاتھوں کو غبار پہنچا پس اس نے تیمم کی نیت سے مسح کیا تو تیمم درست ہوجائیگا اور اگر مسح نہ کیا تو تیمم نہیں ہوگا جیسا کہ ظہیریہ میں ہے۔

البتہ جس وقت غبار اس کے اعضاء پر آرہا تھا یا آندھی چلی اور اس نے اس دوران اپنے اعضاء کو غبار میں لے جاکر تیمم کی نیت سے حرکت دی تو اس کا تیمم ہوجائیگا۔ امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں،

”فی الخلاصة لو ادخل راسه فی موضع الغبار بنیة التیمم یجوز ومنها فیها لو انهدم الحائط فظهر الغبار فحرك راسه ینوی التیمم جاز“

﴿فتاوی رضویہ جلد۱ صفحہ۵۹۵ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

ترجمہ: خلاصہ میں ہے کہ اگر غبار کے مقام پر اپنا سر تیمم کی نیت سے داخل کیا تو جائز ہے۔ اور اسی قسم سے اس میں ہے کہ اگر دیوار گری اور غبار اڑا پس اس نے اپنے سر کو تیمم کی نیت کرتے ہوئے حرکت دی تو تیمم درست ہے۔

وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

ٹرین اور ہوائی جہاز میں تیمم

سوال نمبر۲۴: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر ٹرین یا ہوائی جہاز کے سفر کے دوران نماز کا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وقت ہوجائے اور وضو نہ ہو اور نہ ہی وضو کے لئے پانی ہو تو نماز کی ادائیگی کے لئے تیمم کس طرح کیا جائیگا؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْوَهَّابِ

نفس مسئلہ کے جواب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ چلتی ٹرین میں نماز کی ادائیگی کے سلسلے میں علماء اہلسنت کا اختلاف ہے بعض علماء اسے جائز قرار دیتے ہیں اور اکابر علماء کرام رحمۃ اللہ تعالی درست نہیں مانتے اور احوط (زیادہ احتیاط والا) اکابر ہی کا قول ہے۔ چنانچہ چلتی ٹرین میں فرائض، واجبات اور فجر کی سنتیں ادا کرنے سے ادا نہ ہوں گیں۔ بہرحال اگر دوران سفران نمازوں کا وقت ہوجائے اور اندیشہ ہو کہ نماز ادا کرنے کا موقع نہ ملے گا تو امتثالاً لامر اللہ تعالی (اللہ تعالی کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے) نماز پڑھ لے اور پھر بعد میں قضاء کرلے۔ بہرحال ٹرین میں تیمم کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے ٹرین کے دیواروں پر موجود گرد وغبار سے دونوں ہاتھ مل کر دوضربوں میں مسح کرلے تو تیمم درست ہوجائیگا۔ عالمگیری میں ہے،

ویجوز بالغبار مع القدرة على الصعيد ......وصورة التيمم بالغبار ان يضرب بيديه ثوباأولبداأووسادة أوماأشبهها من الاعيان الطاهرة التى عليها غبارفاذا وقع على يديه الغبار تيمم۔"

﴿فتاوی عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۲۷ مطبوعہ: مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ﴾

ترجمہ: اور پاک مٹی پر قدرت ہونے کے باوجود غبار سے تیمّم کرنا جائز ہے ۔۔۔ ۔۔۔۔۔ اور غبار سے تیمّم کی صورت یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ ایسے کپڑے یا قالین یا تکیہ یا جو اس کے مشابہ اشیاء ہوں کہ جن پر غبار ہو پس جب غبار اس کے ہاتھوں پر لگ جائے تو تیمم کرلے۔

وَاللّٰهُ تَعَالٰی أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

نجاستوں کا بیان

کفار کے بے دھلے کپڑوں میں نماز

سوال نمبر ۲۵: کیا لنڈا بازار سے خریدے ہوئے کفار کے بے دھلے لباس پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے؟

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْوَهَّاب

اگران کپڑوں میں ظاہری طور پر کوئی نجاست نہ ہوتو ان میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔قوانین شرعیہ کی رو سے کسی چیز پر اس وقت تک ناپاکی کا حکم نہیں لگایا جاسکتا کہ جب تک اس کی ناپاکی کا یقین نہ ہوجائے۔صرف یہ خیال کہ کفار عام طور پر استنجاء کے بعد پانی نہیں لیتے یا پاکی ناپاکی کا خیال نہیں کرتے ناپاکی کا حکم لگانے کے لئے کافی نہیں ہے۔ امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں،

''تامل (غور) کروکس قدر معدن (کان) بے احتیاطی بلکہ مخزن ہرگونہ گندگی (ہرقسم کی گندگی کا مجموعہ) ہیں کفار خصوصاان کے شراب خوار کے کپڑے علی الخصوص (خاص طور پر) پاجامے کہ وہ ہرگز استنجاء کالحاظ رکھیں نہ شراب وپیشاب وغیرہا نجاسات سے احتراز کریں پھر علماء حکم دیتے ہیں کہ وہ پاک ہیں اور مسلمان بے دھوئے پہن کر نماز پڑھ لیں تو صحیح وجائز جب تک تلوث (نجاست سے ملوث ہونا) واضح نہ ہوفی الدرالمختار ثياب اهل الفسقة واهل الذمة طاهر (درمختار میں ہے کہ فاسقوں اور ذمی کفار کے کپڑے پاک ہیں) اھ وفی الحديقة سراويل الكفرة من اليهود والنصارى والمجوس يغلب على الظن نجاسته لانهم لايستنجون من غير ان يأخذ القلب بذلك فتصح الصلوٰة فيه لان الاصل اليقين بالطهارة اھ (اور حدیقہ میں ہے کفار میں سے یہودیوں ، عیسائیوں اور مجوسیوں کی ایسی شلواریں کہ جن کی نجاست کے بارے میں ظن غالب ہوکہ وہ ناپاک ہیں کیونکہ وہ استنجاء نہیں کرتے دل نامانے کے باوجود ان میں نماز درست ہوجائے گی کیونکہ اصل طہارت کا یقین ہے) ملخصا بلکہ عہد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین سے آج تک مسلمین میں متوارث کہ لباس غنیمت (کافروں کے وہ لباس جو جنگ میں ہاتھ آئیں) میں نماز پڑھتے ہیں اور ظنون ووساوس (خیالات اور وسوسوں) کو دخل نہیں دیتے فی الحلية التوارث جار فيما بين المسلمين فی الصلوة بالثياب المغنومة من الكفرة قبل الغسل اھ (حلیہ میں ہے کہ کافروں کے غنیمت کے طور پر ہاتھ آئے ہوئے لباس کو بے دھوئے نماز

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

پڑھنے کے سلسلے میں مسلمانوں میں توارث جاری ہے)۔

﴿فتاوی رضویہ جلد۲۱ صفحہ۹۶ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

ایک اور مقام پر امام اہلسنت رحمۃ اللہ تعالی علیہ غیر مسلموں کی اترن کے بارے میں واضح لفظوں میں فرماتے ہیں،

''کپڑے کے استعمال اور اس سے نماز پڑھنے کے لئے صرف اتنا درکار ہے کہ اس کا نجس ہونا معلوم نہ ہو دیسی یا انگریزی جتنے کپڑے خریدے جائیں یا بے خریدے ملیں جب تک ان کی نجاست معلوم نہ ہو پاک ہیں۔''

﴿فتاوی رضویہ جلد۲ صفحہ۱۴۹ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

وَاللّٰهُ تَعَالٰی أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

مشکوک اشیاء کا استعمال

سوال نمبر۲۶: کیا ان اشیاء کا استعمال جائز ہے کہ جن کے بارے میں مشہور ہو کہ ان میں کوئی حرام شی ملائی گئی ہے مثلاً کوکا کولا، پیپسی کولا یا اجینوموتو وغیرہ؟

أَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْوَهَّابِ

قوانین شرعیہ کی رو سے کسی چیز کے بارے میں اس وقت تک حرام کا حکم نہیں لگایا جاسکتا کہ جب تک اس کی حرمت شرعی طریقے سے ثابت نہ ہو جائے۔ محض افواہ کی وجہ سے کسی چیز کو حرام نہیں کہا جاسکتا۔ امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں،

''بازاری افواہ قابل اعتبار اور احکام شرع کی مناط ومدار نہیں ہوسکتی بہت خبریں بے سروپا ایسی مشتہر ہو جاتی ہیں جن کی کچھ اصل نہیں یا ہے تو بہزار تفاوت (بہت فرق کے ساتھ) اکثر دیکھا ہے ایک خبر نے شہر میں شہرت پائی اور قائلوں سے تحقیق کیا تو یہی جواب ملا کہ سنا ہے نہ کوئی اپنا دیکھا بیان کرے نہ اس کی سند کا پتہ چلے کہ اصل قائل کون تھا جس سے سن کر شدہ شدہ اس اشتہار کی نوبت آئی یا ثابت ہو تو یہ کہ فلاں کا فریا فاسق منتہائے اسناد تھا پھر معلوم ومشاہد کہ جس قدر سلسلہ بڑھتا جاتا ہے نئے نئے شگوفے نکلتے آتے ہیں زید سے ایک واقعہ سنئے کہ مجھ سے عمرو

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نے کہا تھا۔ عمرو سے پوچھئے تو وہ کچھ اور بیان کرے گا اور بکر کا نام لے گا بکر سے دریافت ہوا تو

اور تفاوت (فرق) نکلا وعلی ھذا القیاس۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مزید فرماتے ہیں

''علماء فرماتے ہیں افواہی خبر اگر چہ تمام شہر بیان کرے سننے کے قابل نہیں نہ کہ اس سے کوئی حکم

ثابت کیا جائے۔''

﴿فتاوی رضویہ جلد۱ صفحہ ۹۱ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

کسی چیز کی حلت یا حرمت، پاکی یا ناپاکی کی خبر اسی وقت معتبر ہے جب کہ اس خبر کا دینے والا عادل مسلمان ہو اور اگر اس خبر کی وجہ سے زوال نعمت بھی ہوتا ہو تو دو عادل مرد یا ایک عادل مرد اور دو عورتوں کا ہونا ضروری ہے۔

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں،

''دیانات میں مخبر کا عادل ہونا ضروری ہے۔ دیانات سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کا تعلق بندہ اور رب کے مابین ہے مثلاً حلت، حرمت، نجاست اور طہارت اور اگر دیانت کے ساتھ زوال ملک بھی ہو مثلاً میاں بی بی کے متعلق کسی نے خبر دی کہ یہ دونوں رضاعی بھائی بہن ہیں تو اس کے ثبوت کے لئے فقط عدالت کافی نہیں بلکہ عدد اور عدالت دونوں چیزیں درکار ہیں یعنی خبر دینے والے دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں ہوں اور یہ سب عادل بھی ہوں۔''

﴿بہار شریعت جلد۲ حصہ۱۶ صفحہ۳۶ مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور﴾

چنانچہ اگر کسی شی کی حرمت کے بارے میں خبر مشہور ہو مگر کوئی عادل مسلمان اس کے بارے میں اپنا مشاہدہ نہ بیان کرے بلکہ سنی سنائی ہو تو اس شی کو استعمال کرنا جائز ہے۔ ہاں اگر اس پر حرمت کا حکم تو نہ لگائے مگر ازروئے تقوی کے اس کا استعمال چھوڑ دے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ ترقی درجات کا باعث ہے۔ لہٰذا اگر کوکا کولا، پیپسی کولا، اجینوموتو اور ان کے مثل دیگر اشیاء میں حرام اجزاء کی ملاوٹ کے بارے میں اگر کوئی عادل مسلمان اپنا مشاہدہ بیان کرے تو ان اشیاء کا استعمال جائز نہیں ہے اور اگر ایسا معاملہ نہ ہو بلکہ سنی سنائی خبر ہو تو ان اشیاء کے بارے میں حرمت کا حکم نہ ہوگا۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

پٹرول سے کپڑوں کی دھلائی

سوال نمبر۲۷: کیا پٹرول(Pitrol)سے وضو وغسل اور کپڑے پاک کرنا جائز ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْوَهَّابِ

وضو وغسل نجاست حکمی یعنی حدث کو دور کرنے کے لئے کیئے جاتے ہیں اور حدث عام حالات میں پانی کے بغیر زائل نہیں ہوتی اور اگر پانی میسر نہ ہو تو تیمم کی شرائط پائے جانے پر مٹی کے ذریعے سے بھی مستور ہو جاتی ہے۔ چنانچہ پٹرول سے وضو وغسل درست نہیں ہے۔ جبکہ دیگر اشیاء جو بذات خود نجس نہیں ہیں مگر کسی ناپاک چیز کے لگ جانے کی وجہ سے ناپاک ہوگئی ہوں تو ان کے پاک کرنے کے لئے اتنا کافی ہے کہ اس ناپاکی کو دور کر دیا جائے اور اس ناپاکی کو دور کرنے کے لئے کسی بھی پاک مائع(Liquid) کو استعمال کرنا جائز ہے جو اس نجاست کو زائل کر دے۔ صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں،

"جو چیزیں بذاتہ نجس نہیں بلکہ کسی نجاست کے لگنے سے ناپاک ہوئیں ان کے پاک کرنے کے مختلف طریقے ہیں پانی اور ہر رقیق بہنے والی چیز سے دھو کر نجس چیز کو پاک کر سکتے ہیں مثلا سرکہ اور گلاب کہ ان سے نجاست کو دور کر سکتے ہیں لہذا بدن اور کپڑا ان سے دھو کر پاک کر سکتے ہیں۔ فائدہ۔ بغیر ضرورت گلاب اور سرکہ وغیرہ سے پاک کرنا ناجائز ہے کہ فضول خرچی ہے"

﴿بہار شریعت جلد۱ حصہ۲ صفحہ۵۳ مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور﴾

چنانچہ بشمول پٹرول ہر اس مائع سے کپڑے پاک کرنا جائز ہے جو نجاست کو زائل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

وَاللّٰهُ تَعَالٰی أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

دھوبی سے کپڑوں کی دھلائی

سوال نمبر۲۸: کیا دھوبی سے ناپاک کپڑے دھلوانے سے پاک ہو جاتے ہیں؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْوَهَّابِ

اگر دھوبی کو ناپاک کپڑے دھونے کے لئے دیئے جائیں اور واپسی میں اس پر کوئی نجاست مرئیہ (نظر آنے والی نجاست) کا نشان نہ ہو تو پاک ہو جاتے ہیں جیسا کہ صدر الشریعہ بدر الطریقہ ابو العلاء مولانا امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

"بہتر تو یہی ہے کہ پاک کرکے دھوبی کو کپڑے دیئے جائیں اور اگر ناپاک کپڑا دیا تو دھل کر پاک ہو جائے گا مگر جبکہ نجاست مرئیہ قابل زوال تھی اور اگر زائل نہ ہوئی کہ یوں اگر خود بھی دھوتا تو پاک نہ ہوتا۔"

﴿فتاوی امجدیہ جلد۱ صفحہ۳۱ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

وَاللّٰہُ تَعَالٰی أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

الکوحل والی خوشبویات

سوال نمبر۲۹: کیا پرفیوم استعمال کرنا جائز ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے کپڑے خود بخود پاک ہو جاتے ہیں کیونکہ الکوحل اڑ جاتی ہے۔ کیا ان لوگوں کا ایسا کہنا درست ہے؟

أَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْوَهَّابِ

پرفیوم انگریزی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی خوشبو ہے۔ خوشبو عام طور پر دو قسم کی استعمال کی جاتی ہیں۔ ایک وہ جو الکوحل سے پاک ہوتی ہے اور دوسری وہ کہ جس میں الکوحل شامل ہوتی ہے۔ پہلی قسم کو عام طور پر عطر کہا جاتا ہے اور دوسری قسم کو سینٹ۔ پہلی قسم کی خوشبو بلاشبہ پاک وطیب ہوتی ہے اس کا استعمال جائز ہے۔ جبکہ دوسری قسم میں الکوحل شامل ہونے کی وجہ سے ناپاک ہے اس کے استعمال سے کپڑے بھی ناپاک ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اس کا استعمال ناجائز ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ الکوحل اڑ جاتی ہے چنانچہ کپڑے پاک ہو جاتے ہیں ان کا ایسا کہنا غلط ہے اور قوانین فقہیہ سے ناواقفی کی وجہ سے ہے۔ شریعت مطہرہ میں کسی چیز کے پاک ہونے یا کرنے کا ایسا کوئی طریقہ نہیں ہے۔ علامہ زین الدین بن ابراہیم بن نجیم مصری رحمہ اللہ تعالی نے ناپاک اشیاء کو پاک کرنے کے پندرہ طریقے بیان فرمائے ہیں مگر ان حضرات کا بیان کردہ طریقہ ان طریقوں میں سے کسی طریقے کے مطابق نہیں ہے۔ وہ عبارت درج ذیل ہے۔

"المطهرات للنجاسة خمسة عشر: المائع الطاهر القالع، ودلك النعل بالأرض، وجفاف الأرض بالشمس، ومسح الصقيل، ونحت الخشب، وفرك المني من الثوب، ومسح المحاجم بالخرق المبتلة بالماء، والنار، وانقلاب العين، والدباغة،

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

والتقور فی الفارۃ اذا ماتت فی السمن الجامد، والذکاۃ اذا کانت من الأهل فی المحل، ونزح البئر، ودخول الماء من جانب وخروجه من جانب آخر، وحفر الأرض بقلب الأعلی أسفل۔

ترجمہ: نجاست کو پاک کرنے کے پندرہ طریقے ہیں: (۱) پاک مائع جس میں نجاست کو زائل کرنے کی صلاحیت ہو (۲) جوتی کو زمین سے رگڑنا (۳) سورج سے زمین کا خشک ہو جانا (۴) دھاردار چیز کا پونچھ لیا جانا (۵) لکڑی کا چھل جانا (۶) کپڑے پر سے منی کو رگڑنا (۷) پچھنے لگانے کے مقامات کو پانی سے ترکپڑے سے پونچھنا (۸) آگ (۹) شی کی حقیقت کا بدل جانا (۱۰) دباغت (۱۱) چوہیا اگر جمے ہوئے گھی میں مر جائے تو اتنے حصے کا نکال دینا (۱۲) ذبح اگر اس کے اہل (جس کا ذبیحہ حلال ہو) نے محل (وہ جانور جو ذبح کرنے سے پاک ہو جاتے ہوں) میں کیا ہو (۱۳) کنویں کے پانی کا نکالنا (۱۴) پانی کا ایک جانب سے داخل ہونا اور دوسری جانب سے نکلنا (۱۵) زمین کھود کر اس کی اوپری سطح کو نیچے کر دینا

﴿الاشباہ والنظائر صفحہ ۱۲۶ مطبوعہ: میر محمد کتب خانہ کراچی﴾

مذکورہ بالا عبارت سے ظاہر ہوا کہ ان بعض حضرات کا کہنا کہ الکوحل اڑ جاتی ہے چنانچہ کپڑا پاک ہو جاتا ہے خود ساختہ قاعدہ ہے جس پر شرع مطہر سے کوئی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ اس کا حکم نجاست غیر مرئیہ کا ہے جس طرح نجاست غیر مرئیہ بے دھلے پاک نہیں ہوتی اسی طرح اگر کسی کپڑے پر الکوحل لگ جائے تو بے دھلے پاک نہ ہوگا۔ اور اس کی واضح مثال پیشاب ہے اگر کسی کپڑے پر لگ کر خشک بھی ہو جائے تو بے دھلے پاک نہیں ہوتا۔

وَاللّٰهُ تَعَالٰی أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

غیر ملکی صابن

سوال نمبر ۳۰: کیا ان صابون (Soaps) کا استعمال جائز ہے جو کفار کے ممالک سے برآمد (import) کئے جاتے ہیں؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْوَهَّابِ

ایسے صابون جو کفار کے ممالک سے برآمد کئے جاتے ہیں اگر ان میں چربی ملائی جاتی ہو تو وہ صابن ناپاک ہیں

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

خواہ حلال جانور ہی کی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ ان ممالک میں ذبح کا کام عام طور پر کفار ہی کرتے ہیں اور فی زمانہ یہودی اور عیسائی بھی صحیح طور پر ذبح نہیں کرتے بالخصوص عیسائی لوگوں نے تو زمانہ ہوا ذبح شرعی کو ترک کر دیا ہے۔ اسی لئے امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے جب ولایتی صابون کے بارے دریافت کیا گیا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا،

"مسلمان کا بنایا ہوا صابون جائز ہے اور ہندو یا مجوسی یا نصرانی کا بنایا ہوا صابون جس میں چربی پڑتی ہو اگرچہ گائے یا بکری کی، ناپاک وحرام ہے۔ دیسی ہو یا ولایتی اور جس میں چربی نہ جائز ہے۔"

﴿فتاوی رضویہ جلد ۱ صفحہ ۱۴۰ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

مذکورہ بالا عبارت سے ظاہر ہوا کہ کفار کے ممالک سے برآمد کئے ہوئے وہ صابون جن میں چربی نہیں ملائی جاتی اور نہ ہی کوئی اور ناپاک چیز مثلاً الکوحل وغیرہ تو وہ پاک ہیں اور ان کا استعمال جائز ہے۔ لیکن اگر کسی طرح پتہ نہ چلتا ہو کہ چربی یا دوسری کوئی حرام چیز ملائی گئی ہے یا نہیں تو اس کا استعمال جائز ہے لیکن احتراز کرنا تقویٰ ہے جیسا کہ ہم نے مشکوک اشیاء کے بارے میں لکھے گئے جواب میں وضاحت کی ہے۔

وَاللّٰهُ تَعَالٰی أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

استنجاء کا بیان

کھڑے کھڑے پیشاب کرنا

سوال نمبر ۴۱: کیا کھڑے کھڑے پیشاب کرنا جائز ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْوَهَّابِ

کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ ہے۔ امام اہلسنت مجدد دین وملت الشاہ احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں،

"کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ اور سنت نصاریٰ ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں من الجفاء ان یبول الرجل قائما بے ادبی اور بدتہذیبی ہے یہ کہ آدمی کھڑے ہو کر پیشاب کرے رواہ البزار بسند صحیح عن بریدۃ رضی اللہ تعالی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

عنہ اس کی پوری تحقیق مع ازالہء اوھام ہمارے فتاوٰی میں ہے۔"

﴿فتاوی رضویہ جلد ۲۱ صفحہ ۱۵۳ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

کاغذ سے استنجاء

سوال نمبر ۳۲: کیا کاغذ سے استنجاء کرنا جائز ہے؟

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْوَهَّابِ

قوانین شرعیہ کی رو سے کاغذ سے استنجاء کرنا ناجائز ہے۔ امام اہلسنت اعلٰحضرت فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں،

"کاغذ سے استنجاء کرنا مکروہ وممنوع اور سنت (طریقہ) نصاریٰ ہے۔ کاغذ کی تعظیم کا حکم ہے اگرچہ سادہ ہو اور لکھا ہو تو بدرجہ اولی درمختار میں ہے کرہ تحریما بشیء محترم (کسی احترام والی چیز سے استنجاء کرنا مکروہ تحریمی ہے) ردالمحتار میں ہے یدخل فیہ الورق قال فی السراج قیل انہ ورق الکتابة وقیل ورق الشجرة وایھما کان فانہ مکروہ (محترم اشیاء میں ورق بھی شامل ہے، سراج میں فرمایا کہ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد لکھنے والا صفحہ ہے اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد درخت کا پتہ ہے۔ بہر حال جو بھی ہو مکروہ ہے اور)۔"

پھر اگلی سطر میں کاغذ سے استنجاء کی ممانعت کی علت درج ذیل الفاظ میں بیان کی،

"لصقالتہ وتقومہ ولہ احترام لکونہ اٰلة العلم (اس کی چکناہٹ اور قیمتی اور قابل احترام ہونے کی وجہ سے کیونکہ وہ آلہء علم ہے)۔"

﴿فتاوی رضویہ جلد ۲۱ صفحہ ۱۵۳ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

درج بالا عبارت میں کاغذ سے استنجاء کرنے کی ممانعت کی تین وجوہات بیان کی گئی ہیں اولا یہ کاغذ چکنا ہوتا ہے ثانیا یہ کہ وہ مال متقوم ہے ثالثا یہ کہ وہ آلہ علم ہونے کی وجہ سے قابل احترام ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا علل کے تحت ایسے کاغذ سے استنجاء کرنا مکروہ تحریمی ہے جو بطور آلہ علم (مثلا لکھائی) استعمال ہوتا ہو کہ وہ قیمتی بھی ہوتا ہے اور

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

چکنا بھی۔لیکن ہمارے زمانے میں جو کاغذ استنجاء کے لئے استعمال کیۓ جاتے ہیں وہ لکھائی میں استعمال نہیں کیۓ جاسکتے بلکہ وہ تیار ہی اسی لئے کیۓ جاتے ہیں۔چنانچہ وہ نہ تو چکنے ہوتے ہیں اور نہ قابل احترام ہاں البتہ مال متقوم ضرور ہوتے ہیں۔مگر فی زمانہ بڑے شہروں میں مثلا کراچی وغیرہ میں اگر کوئی پانی کے علاوہ کسی اور چیز مثلا مٹی کے ڈھیلے یا درزی کی کترن استعمال کرنا چاہے تو اسے دو صورتوں میں ایک صورت کا سامنا ضرور متوقع ہے یا تو مٹی کے ڈھیلے کی تلاش میں سرگرداں ہونا پڑے گا اکثر اوقات روڈ کے پختہ ہونے کی وجہ سے کافی دور تک ڈھیلا نہیں ملتا جو کہ حرج کا باعث ہے یا درزی سے کترن لینی پڑے گی۔اور درزی بھی عموما ان کترن کو فروخت کرتے ہیں کہ فی زمانہ یہ بھی مال متقوم ہے اور فروخت بھی نہ کرے بلکہ مفت بھی دیدے تو بہرحال سوال کی زحمت اٹھانا پڑے گی۔چنانچہ ان حالات میں بڑے شہروں میں رہنے والے افراد کے لئے ٹوائلٹ پیپر (TOILET PAPER) کے ساتھ استنجاء کرنا بلا کراہت جائز ہے۔مگر خیال رہے کہ استنجاء میں مٹی کے ڈھیلے یا پرانے کپڑے یا درزی کی کترن یا ٹوائلٹ پیپر پر اقتصار کرنے کی صورت میں طہارت اسی وقت حاصل ہوگی جب کہ نجاست مخرج کے علاوہ ایک درھم تک نہ پھیلی ہو اگر ایک درھم تک پھیل گئی تو اس کو پانی سے دھوئے بغیر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور ایک درھم سے زائد ہو تو نماز ہی نہ ہوگی۔

وَاللّٰهُ تَعَالٰی أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

کتبہ: محمد ابوبکر صدیق عطاری

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

السیف الباتر علی اعتراضات الفاتر

المعروف

رفع الشبہات

لزوم کفر اور التزام کفر کی نفیس بحث جو کسی اور کتاب میں اتنی تفصیل کے ساتھ نہ ملے گی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

استفتاء

جناب مولانا صاحب السلام علیکم

آپکا ایک فتوی نظر سے گذرا کہ جس میں آپ نے ابراہیم صاحب کے بارے میں کفر کا فتوی دیا ہے ان کے کلام میں تو ایسا کوئی لفظ ہی نہیں جس کو کفریہ کہا جا سکے۔ اس لئے کہ ان کے کلمات میں اصول دین میں سے کسی اصل کا انکار ثابت نہیں ہوتا نہ تو کسی رسول اور نبی کی رسالت کا انکار ہے نہ آسمانی کتابوں اور فرشتوں کا انکار ہے اور نہ ہی جنت، دوزخ اور قیامت کا انکار ہے اور نہ ہی قرآن پاک کی کسی آیت کا انکار ہے خبر متواتر اور مشہور کا بھی انکار نہیں۔ اور اگر آپ کی بات درست بھی مان لیں کہ ان کلمات میں معنی قرآنی کی تخفیف ہے۔ تو یہ بات بھی کلیۃ تسلیم نہیں کی جاسکتی کیوں کہ اس میں دیگر احتمال بھی پائے جاتے ہیں۔ ہم نے تو آپ جیسے علماء سے ہی سنا ہے کہ اگر کسی کے قول میں ننانوے (۹۹) احتمال کفر کے پائے جائیں اور ایک احتمال اسلام کا تو اس کے قائل کے بارے میں کفر کا فتوی نہیں دیا جائے گا۔ ابراہیم صاحب کے قول میں بھی ٹکا سا، بے رخے پن کا جواب دینا جیسے الفاظ سے سربراہ کا انداز گفتگو مراد لیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ جواب کا اطلاق دو معنی پر ہوتا ہے۔ ایک جواب میں ذکر کردہ کلام اور دوسرا جواب کا انداز گفتگو یہاں پر اس مراد کے صحیح ہونے پر قرینہ یہ ہے کہ قائل نے سربراہ کی اجر و ثواب اور للّٰہیت کی بات کی تصدیق کر کے پھر جوابا ٹکا سا جواب، بے رخے پن کا جواب اور خشک، جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ لہذا یہاں جواب سے مراد کلام نہیں بلکہ کیفیت و انداز گفتگو ہے۔ مگر آپ نے اس کے برعکس ان کو کافر قرار دے دیا۔ کیا آپ کا یہ طریقہ فقہاء کرام کے طریقے کے خلاف نہیں ہے اگر بالفرض آپ یہ کہیں کہ میں نے قائل کو تو کافر نہیں کہا تو پھر آپ نے تجدید اسلام اور تجدید نکاح کا حکم کیوں دیا نیز یہ کہ آپ نے جس عبارت سے استشہاد کیا ہے وہ بھی قائل کو کافر ہی قرار دیتی ہے۔

الجواب بعون الوھاب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

اللھم انی أعوذبک أن أشرک بک شیا و أنا أعلم وأستغفرک مما لا أعلم انک انت علام الغیوب

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

برادر دینی آپ کے اس استفسار میں فقیر کے بارے میں دو باتیں خلاف واقع منسوب کی گئی ہیں۔

اولاً: تو یہ کہ میں نے ابراھیم صاحب کے بارے میں فتوی دیا حالانکہ میں نے کسی ابراھیم کے بارے میں کوئی فتوی نہیں لکھا ہے۔

ثانیاً: یہ کہ میں نے قائل کو کافر قرار دیا۔ حالانکہ میں نے اپنے فتوی میں کسی کو کافر نہیں قرار دیا۔

حقیقت حال یہ ہے کہ ایک استفتاء موصول ہوا تھا جس میں ایک فرضی شخص زید کے بارے میں سوال کیا گیا تھا۔ جو کہ درج ذیل ہے۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے مکتوب میں اپنی تنظیم کے سربراہ پر تنقید کرتے ہوئے لکھا، ''..................کوئی احتجاج کرے تو جواب ملتا ہے کہ میرے لئے تو کام نہیں کیا اللہ عزوجل کے لئے کیا ہے وہ ثواب عطاء فرمائے گا۔ واقعی ہر نیک عمل اللہ عزوجل ہی کیلئے کرنا چاہئے یہی اخلاص ہے۔ مگر ایک تنظیم کے سربراہ کا یہ خشک جواب سامنے والے کو سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ اگر ثواب ہی کمانا تھا تو مصلی ڈال کر اللہ اللہ کرتے۔ جنت پانے کے لئے یہ بھی ذریعہ بن جاتا۔ مگر جن کی نظر میں صرف حصول جنت نہ ہو بلکہ ایک بڑا مقصد ہو جس کے حصول میں وہ اپنا سکون، آرام، اپنی جوانی، اپنا کاروبار اور اپنا گھر سب لٹا دیں ان کو آخر میں یہ ٹکا سا بے رخے پن کا جواب دینا کیسا ؟ ....''

مہربانی فرما کر ارشاد فرمایا جائے کہ زید کی تحریر پر کیا حکم شرعی ہے؟ بالخصوص خط کشیدہ عبارات پر غور فرما لیا جائے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الوهاب

اللهم هداية الحق والصواب

قائل کا یہ قول کفر ہے اور اس پر اسے تجدید ایمان، تجدید نکاح اور اگر کسی پیر کا مرید تھا تو تجدید بیعت بھی ضروری ہے کہ قائل نے خشک، ٹکا سا اور بے رخے پن کا جواب کہہ کر اس بات کا استخفاف کیا کہ جو متعدد قرآنی آیات سے ثابت ہے مثلاً اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿ واما الذين امنوا وعملوا الصلحت فيوفيهم أجورهم ﴾ [آل عمران آیت نمبر ۵۷]

ترجمۂ کنز الایمان: اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اللہ تعالیٰ عزوجل ان کا نیک (انعام) انھیں بھرپور دے گا

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿ فاما الذين امنوا وعملوا الصلحت فيوفيهم اجورهم ويزيدهم من فضله . ج ﴾

[نساء آیت نمبر ۱۷۳]

ترجمۂ کنز الایمان: تو وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کی مزدوری انھیں بھرپور دے کر اپنے فضل سے انھیں اور زیادہ دیگا۔

علامہ قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں

﴿ واعلم أن من استخف بالقرآن أو المصحف أو بشئ منه أو سبهما أو جحده............فهو كافر عند اهل العلم باجماع ﴾

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

[الشفاء ص ۲۶۳ ج ۲]

ترجمہ: اور جان لے کہ جس نے قرآن پاک یا مصحف یا ان میں سے کسی چیز کی تخفیف کی یا ان میں سے کسی کو برا کہا یا اس کا انکار کیا...................... .... تو وہ باجماع کافر ہے۔

علامہ علی قاری علیہ رحمۃ الباری اس استخف بالقرآن کی شرح میں فرماتے ہیں۔

(استخف بالقرآن) ای بمبناہ او بمعناہ او باھلہ الوارد فی حقھم ان اھل اللہ و خاصتہ۔

(شرح الشفاء لملاعلی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ ص ۵۵۴ ج ۴)

ترجمہ: جس نے قرآن کی تخفیف کی یعنی اس کی عبارت کی یا اس کے معنی کی یا اس کے اہل کی کہ جن کے حق میں وارد ہوا کہ اہل قرآن اہل اللہ اور اس کے خاص بندے ہیں۔

لہٰذا اس قول کے قائل پر لازم ہے کہ فوراً سے پیشتر توبہ کرے اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو گمراہی سے محفوظ فرمائے۔ امین

واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد ابوبکر صدیق عطاری

اس فتوے میں فقیر نے زید کے قول کو کفری قرار دیا نہ کہ زید کو کافر قرار دیا ہے۔ کسی کے قول کو کفر کہنے اور قائل کو کافر کہنے میں بہت فرق ہے۔ جیسا کہ امام اہلسنت مجدد دین وملت اعلحضرت احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

"لزوم والتزام میں فرق ہے۔ اقوال کا کفر ہونا اور بات اور قائل کو کافر مان لینا اور بات۔ ہم احتیاط برتیں گے۔ سکوت کریں گے جب تک ضعیف سا ضعیف احتمال ملے گا حکم کفر جاری کرتے (قائل کو کافر قرار دیتے) ڈرینگے۔ فقیر غفر اللہ تعالیٰ نے اس بحث کا قدرے بیان آخر رسالہ **سبحٰن السبوح عن کذب عیب مقبوح** میں کیا۔ اور وہاں بھی باآنکہ اس امام والطائفہ پر صرف ایک مسئلہ امکان کذب میں اَلْحِتَر ۷۸ وجہ سے لزوم کفر کا ثبوت دیا۔ حکم کفر سے کف لسان ہی کیا"۔

﴿الکوکبۃ الشھابیۃ فی کفریات ابی الوھابیۃ ص ۶۱ مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور﴾

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس حوالے کے پڑھنے کے بعد شاید کوئی معاند ہی ہوگا جو فقیر پر بے جا کسی کو کافر قرار دینے کا الزام لگائیگا۔

آپ نے لکھا کہ "ان کے کلام میں تو ایسا کوئی لفظ ہی نہیں جس کو کفریہ کہا جاسکے۔ اس لئے کہ ان کے کلمات میں اصول دین میں سے کسی اصل کا انکار ثابت نہیں ہوتا نہ تو کسی رسول اور نبی کی رسالت کا انکار ہے نہ آسمانی کتابوں اور فرشتوں کا انکار ہے اور نہ ہی جنت، دوزخ اور قیامت کا انکار ہے اور نہ ہی قرآن پاک کی کسی آیت کا انکار ہے خبر متواتر اور مشہور کا بھی انکار نہیں۔" ان کلمات کو ذکر کر کے شاید آپ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ زید کی عبارت میں کسی ضرورت دینی کا انکار نہیں۔ چنانچہ زید کی عبارت کفری نہیں ہے۔ حالانکہ کسی عبارت کے کفری ہونے کے لئے ضروری نہیں کہ اس میں کسی ضرورت دینی کا صرف انکار ہی پایا جائے۔ بلکہ اگر کسی ضرورت دینی کا استخفاف بھی پایا جائے تو وہ عبارت کفری ہی شمار کی جائیگی بلکہ اگر عبارت میں تاویل کی گنجائش نہ ہو تو قائل کی بھی تکفیر کی جائیگی۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"لان مناط التكفير هو التكذيب او الاستخفاف"

یعنی تکفیر کا دارومدار کسی ضرورت دینی کے انکار یا استخفاف پر ہے۔

﴿ردالمحتار جلد ۶ صفحہ ۳۵۷ مطبوعہ: مکتبہ امدادیہ ملتان﴾

تاج الفحول العلامہ فضل رسول بدایونی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"فما ينفي الاستسلام : هو كل ما قدمناه عن الحنفية من الالفاظ والافعال الدالة على الاستخفاف"

ترجمہ: اور آدمی کافر ہوجائیگا احناف کے حوالے سے بیان کردہ ان تمام الفاظ اور افعال سے جو ضروریات دینی کے استخفاف پر دلالت کرتے ہوں۔

﴿المعتقد والمنتقد صفحہ ۲۰۹ مطبوعہ: برکاتی پبلشرز کراچی﴾

بلکہ خاتم المحققین علامہ شامی رحمہ اللہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگر صرف استخفاف کی دلیل ہی پائی جائے اگرچہ اس نے استخفاف کا قصد بھی نہ کیا ہو تو بھی تکفیر کی جائیگی۔ آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"ان ما كان دليل الاستخفاف يكفر به وان لم يقصد

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

الاستخفاف۔"

﴿ردالمحتار جلد ۶ صفحہ ۳۵۶﴾

لھذا آپ کا یہ خیال کہ لزوم کفر یا التزام کفر یعنی قول یا قائل کی تکفیر کے لئے ضرورت دینی کا انکار ضروری ہے باطل ہے۔ بلکہ اگر استخفاف بھی پایا جائے تو لزوم یا التزام کفر کے لیئے کافی ہے۔

زید کے کلمات کے کفری ہونے کی تین وجوھات ہیں جن میں سے ایک تو فتوی میں ذکر کردی گئی تھی یعنی ان کلمات میں قرآنی معانی کی تخفیف کی گئی ہے۔ اگر آپ کہیں کہ زید نے تو سربراہ کے کلام کا استخفاف کیا ہے نہ کہ آیت قرآنی کے معانی کا لہذا آپ کا یہ کہنا کہ اس نے قرآنی معانی کا استخفاف کیا ہے غلط ہے۔ فقیر اس سلسلے میں عرض گذار ہے کہ یہ ٹھیک ہے کہ اس نے براہ راست قرآنی معانی کا استخفاف نہیں کیا مگر بالواسطہ تو کیا اور بالواسطہ کرنا بھی لزوم کفر کی ایک قسم ہے اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:

" اور لزومی یہ کہ جو بات اس نے کہی عین کفر نہیں مگر منجر بکفر ہوتی ہے یعنی مآل سخن ولازم حکم کو ترتیب مقدمہ وتتمیم تقریبات کرتے لے چلئے تو انجام کار اس سے کسی ضرورت دین کا انکار لازم آئے "۔

﴿فتاوی رضویہ ج ۶ ص ۲۶۶ مکتبہ رضویہ﴾

بعینہ یہی معاملہ زید کے کلمات کا ہے کہ زید نے سربراہ کے کلام کا استخفاف کیا اور سربراہ کا کلام آیت قرآنی سے مفہوم ہے چنانچہ اس نے معانی قرآنی کی تخفیف کی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں ضرورت دینی کا استخفاف پایا جاتا ہے۔ سربراہ کا قول کہ "میرے لئے تو کام نہیں کیا اللہ عزوجل کے لئے کیا ہے وہ ثواب عطا فرمائیگا" ضرورت دینی پر مشتمل ہے۔ ہر مسلمان جو علماء کی صحبت سے فیضیاب ہوا ہو جانتا ہے کہ ہر نیک کام اللہ عزوجل کے لئے کرنا چاہیے اور وہی نیک کام پر اجر عطا فرماتا ہے۔ کیونکہ ضرورت دینی کی تعریف ہی یہ ہے کہ جسے خاص وعام سب جانتے ہوں جیسا کہ علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

"واذعانہ لما علم بالضرورۃ انہ من دین محمد ﷺ بحیث تعلمہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

العامة من غیر افتقار الی نظر واستدلال۔"

ترجمہ: اور یقین رکھنا اس پر کہ جس کے بارے میں بداھۃ معلوم ہو جائے کہ یہ محمد ﷺ کے دین سے ہے اس حیثیت سے کہ اس کو عوام بھی بغیر کسی نظر و استدلال کی احتیاج کے جان جائیں۔

﴿ردالمحتار جلد ۶ صفحہ ۳۵۵﴾

صدر الشریعہ مولانا امجد علی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"ضروریات دین وہ مسائل دین ہیں جن کو ہر خاص وعام جانتے ہوں۔ جیسے اللہ عزوجل کی وحدانیت، انبیاء کی نبوت، جنت و نار، حشر ونشر وغیرہ۔ مثلاً یہ اعتقاد کہ حضور اقدس ﷺ خاتم النبیین ہیں حضور ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں ہو سکتا۔ عوام سے مراد وہ مسلمان ہیں جو طبقہ علماء میں نہ شمار کیے جاتے ہوں مگر علماء کی صحبت سے شرف یاب ہوں اور مسائل علمیہ سے ذوق رکھتے ہوں نہ کہ وہ کوردہ اور جنگل اور پہاڑوں کے رہنے والے ہوں جو کلمہ بھی صحیح نہ پڑھ سکتے ہوں ایسے لوگوں کا ضروریات دین سے واقف نہ ہونا اس ضروری کو غیر ضروری نہ کر دیگا البتہ ان کے مسلمان ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ضروریات دین کے منکر نہ ہوں اور یہ اعتقاد رکھتے ہوں کہ اسلام میں جو کچھ ہے حق ہے ان سب پر اجمالاً ایمان لائے ہوں۔"

﴿بہار شریعت جلد ۱ حصہ ۱ صفحہ ۲۷ مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور﴾

چنانچہ تاویل بعیدہ کی رعایت کی وجہ سے زید کی تو تکفیر نہیں کی جائیگی مگر کلام کو ضرور کفری کہا جائیگا کہ اس میں ضرورت دینی کا استخفاف ہے۔

تیسری وجہ یہ کہ قرآن کریم کی تین درجن سے زائد آیات مبارکہ اس مفہوم پر قطعیت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں۔ ان میں سے دو فقیر نے فتوی میں بھی بیان کی ہیں۔ چنانچہ یہ بات کہ نیک عمل اللہ عزوجل کے لئے کرنا چاہیے وہی اس کا اجر عطا فرمائیگا قطعی الدلالۃ اور قطعی الثبوت نصوص سے ثابت ہے۔ اور احناف کے نزدیک اس کی بھی تکفیر کی جائیگی جو ایسی بات کا انکار کرے جس کا ثبوت قطعی ہو اگرچہ ضروریات دینی میں سے نہ ہو۔ البتہ متاخرین نے اس میں تفصیل کی کہ اگر اسے اس کا علم ہو تو تکفیر کی جائیگی ورنہ نہیں۔ جیسا کہ علامہ شامی رحمہ اللہ درد المحتار میں اور علامہ فضل رسول بدایونی المعتقد والمنتقد صفحہ: ۲۱۲ میں فرماتے ہیں۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

"اما ما ثبت قطعا ولم يبلغ حدالضرورة كاستحقاق بنت الابن السدس مع البنت الصلبية باجماع المسلمين فظاهر كلام الحنفية الاكفار بجحده، فانهم لم يشترطوا في الاكفار سوى القطع في الثبوت، لابلوغ العلم به حد الضرورة،وينبغي حمله على مااذا علم المنكرثبوته قطعا لان مناط التكفير وهو التكذيب او الاستخفاف بالدين۔ اذا يكون عند ذلك ، واما اذالم يعلم فلا۔"

ترجمہ: اور جو بات قطعا ثابت ہو مگر ضروریات دین میں سے نہ ہو جیسے بھائی کی بیٹی کو حقیقی بہن کے ساتھ چھٹا حصہ مسلمانوں کے اجماع سے ثابت ہونا۔علماء احناف کے ظاہر کلام کے مطابق اس کے انکار کی وجہ سے اسکی تکفیر کی جائیگی۔کیونکہ انھوں نے تکفیر کے لئے قطعی الثبوت ہونے کے علاوہ کوئی اور شرط نہیں لگائی۔اور نہ ہی اس کے علم کا حد ضرورت تک پہنچنے کی شرط لگائی۔اس کلام کو اس بات پر محمول کرنا چاہیے کہ منکر کو اس کے قطعی الثبوت ہونے کا علم ہو۔کیونکہ تکفیر کا دارومدار انکار اور استخفاف بالدین پر ہے۔پس اگر اس کو اس کے قطعی الثبوت ہونے کا علم نہ ہو تو اس کی تکفیر نہیں کی جائیگی۔

بہرحال علماء احناف کے ظاہر کلام کے مطابق زید کی عبارت تو بداہۃ کفری ہے مگر تاویل بعیدہ کی وجہ سے زید کی تکفیر نہیں کی جائیگی۔

آپ نے مزید لکھا کہ

"ہم نے تو آپ جیسے علماء سے ہی سنا ہے کہ اگر کسی کے قول میں ننانوے(۹۹) احتمال کفر کے پائے جائیں اور ایک احتمال اسلام کا تو اس کے قائل کے بارے میں کفر کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔ابراہیم صاحب کے قول میں بھی ٹکا سا، بے رخے پن کا جواب دینا جیسے الفاظ سے سربراہ کا انداز گفتگو مراد لیا جاسکتا ہے۔کیونکہ جواب کا اطلاق دو معنی پر ہوتا ہے۔ایک جواب میں ذکر کردہ کلام اور دوسرا جواب کا انداز گفتگو یہاں پر اس مراد کے صحیح ہونے پر قرینہ یہ ہے کہ قائل نے سربراہ کی اجر وثواب اور للّٰہیت کی بات کی تصدیق کرکے پھر جوابا ٹکا سا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جواب، بے رخے پن کا جواب اور خشک، جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ لہذا یہاں جواب سے مراد کلام نہیں بلکہ کیفیت وانداز گفتگو ہے۔ مگر آپ نے اس کے برعکس ان کو کافر قرار دے دیا۔ کیا آپ کا یہ طریقہ فقہاء کرام کے طریقے کے خلاف نہیں ہے"

فقیر اس بات کی تو پہلے ہی وضاحت کر چکا ہے کہ میں نے قائل کو کافر نہیں کہا بلکہ قول کو کفر کہا ہے۔ آپ نے جو تاویل بیان کی ہے وہ تاویل بعید ہے۔ تاویل بعید متکلمین کے نزدیک قائل پر حکم کفر لگانے سے تو روک سکتی ہے مگر قول کو کفری ہونے سے نہیں بچا سکتی ہے۔ قبل اس کے کہ میں آپ کی بیان کردہ تاویل کو تاویل بعید کہنے کی وجہ تحریر کروں اس سے پہلے تاویل کے سلسلے میں ہمارے علماء کا مسلک بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ بات کے سمجھنے میں کچھ سہولت ہو جائے۔ جاننا چاہیے کہ تاویل کی تین اقسام ہیں۔

(۱) تاویل قریب (۲) تاویل بعید (۳) تاویل متعذر

فقہاء کرام تاویل قریب کا تو اعتبار کرتے ہیں مگر تاویل بعید اور تاویل متعذر کا اعتبار نہیں کرتے۔ اور متکلمین تاویل قریب کے ساتھ ساتھ تاویل بعید کا بھی اعتبار کرتے ہیں۔ جیسا کہ مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ نے "**الموت الاحمر**" میں فرمایا بلکہ فقیر اس کی دو عملی مثالیں فتاوی رضویہ سے دینا مناسب سمجھتا ہے۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے جب ایک شعر کے متعلق دریافت کیا گیا جو کہ درج ذیل ہے۔

محمد نے خدائی کی خدا نے مصطفائی کی　　　کوئی سمجھے تو کیا سمجھے کوئی جانے تو کیا جانے

تو امام اہلسنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواب میں رقم فرمایا کہ

" پچھلا مصرع تو صحیح ہے اور پہلے کا نصف اخیر بھی یوں صحیح ہے کہ کرنا بنانے پیدا کرنے کو کہتے ہیں۔

گفتم ایں جام جہاں بیں بتو کہ وار حکیم　　　گفت آں روز کہ ایں گنبد مینا می کرد

یعنی اللہ عزوجل نے حضور ﷺ کی مصطفائی پیدا کی حضور ﷺ کو یہ مرتبہ بخشا۔ البتہ اول بہت سخت ہے اس میں تاویل بعید یہ ہے کہ خدائی مخلوقات کو کہتے ہیں، ع ساری خدائی ایک طرف فضل الٰہی ایک طرف، اور حضور ﷺ تخم وجود واصل ہیں، تو نسبت مجاز ہے، جیسے انبت الربیع البقل، بہار نے سبزہ اگایا، وقال اللہ تعالیٰ مماتنبت الارض، اگانے والا زمین کو فرمایا مگر حق یہ ہے کہ ایسی تاویل نہ لفظ کو کلمہ کفریہ ہونے سے بچائے نہ قائل کو

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اشد حرام کے ارتکاب سے۔ بہاروزمین غیر ذوی العقول پر قیاس نہ ہوگا اور ردالمحتار میں ہے، "

مجرد ایھام المعنی المحال کاف فی المنع "

﴿فتاوی رضویہ شریف ص۔ ۲۰۷ جلد ۶﴾

مذکورہ بالا فتوی میں اگرچہ تاویل ممکن تھی مگر امام اہلسنت رحمہ اللہ نے اسے تاویل بعید قرار دے کر رد فرمادیا اور اس پر کوئی توجہ نہ دی اور صاف فرمادیا کہ ایسی تاویل بعید قول کو کفریہ ہونے سے بچانے میں کوئی مدد نہ دے گی۔ ہاں مگر اس تاویل کی وجہ سے قائل کو کافر کہنے میں احتیاط کی جائے گی۔

امام اہلسنت کی خدمت میں درج ذیل استفتاء پیش کیا گیا کہ

"کوئی شخص سنت جماعت میں سے نماز سے انکار کرے اور اس سے کہا جائے کہ نماز سے انکار کرنا کفر ہے۔ اس کے جواب میں وہ کہے کہ میں کافر ہی سہی ایسے شخص کی نسبت کیا حکم ہے۔ فقط۔

امام اہلسنت رحمہ اللہ تعالیٰ نے جوابا ارشاد فرمایا کہ

"نماز سے انکار یہ بھی ہے کہ وہ کہے کہ میں نہیں پڑھتا یا نہیں پڑھونگا اس قدر سے کافر نہ ہوگا، جب تک نماز کی فرضیت سے انکار یا اس کا استخفاف نہ کرے۔ اگر شخص مذکور کا انکار اس حد تک نہ تھا تو جس نے اس کے انکار پر حکم کفر لگایا خاطی ہے۔ اور اس کی زیادتی اس شخص کو ایسے کلمہ مردودہ کی طرف لے گئی۔ بہرحال اپنے آپ کو یہ کہنا کہ کافر ہی سہی اس کا ظاہر معاذ اللہ قبول کفر ہے اور قبول کفر یقیناً کفر ہے۔ مگر اس معنی کا بھی احتمال ہے کہ تمھارے نزدیک کافر ہی سہی لہٰذا حکم تکفیر نہ کیا جائے گا البتہ تجدید اسلام و تجدید نکاح کا حکم دیا جائیگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔"

﴿فتاوی رضویہ ص ۱۲۵ جلد ۶﴾

اس فتوی میں بھی امام اہلسنت رحمہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے احتمال کا ذکر فرمایا اور غور کیا جائے تو قرینہ حال اسی دوسرے احتمال کا مؤید ہے لیکن اس کے باوجود اسے تاویل بعید قرار دیا۔ اسی لئے امام رحمہ اللہ نے قول کے ظاہر کا اعتبار کرتے ہوئے قول کو تو کفر قرار دیا البتہ تاویل بعید کی وجہ سے قائل کو کافر قرار نہیں دیا۔ اور یہی مراد ہے ہمارے علماء کرام رحمھم اللہ تعالیٰ کے مذکورہ بالا قول سے "اگر کسی کے قول میں ننانوے (۹۹) احتمال کفر کے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

پائے جائیں اور ایک احتمال اسلام کا تو اس کے قائل کے بارے میں کفر کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا"۔ یعنی قول کو تو کفر کہا جائیگا مگر قائل کو کافر نہیں کہا جائیگا جب تک کوئی ضعیف سا ضعیف احتمال بھی موجود ہو۔ جب یہ بات واضح ہوگئی کہ تاویل بعید متکلمین کے نزدیک قائل کو تو کافر ہونے سے بچا لیتی ہے مگر قول کے کفری ہونے کو مانع نہیں ہے۔ اب آپ کی بیان کردہ تاویل کے تاویل بعید ہونے کی وجہ بیان کرتا ہوں۔ آپ کی تاویل کے اعتبار سے زید نے یہ سخت قسم کے نازیبا الفاظ کلام کے بارے میں نہیں کہے بلکہ اس سے مراد انداز گفتگو ہے۔ اور اس پر آپ نے قرینہ زید کے درج ذیل الفاظ کو قرار دیا۔" واقعی ہر نیک عمل اللہ عزوجل ہی کیلئے کرنا چاہئے یہی اخلاص ہے" اگر بات اتنی ہی ہوتی اور اس کے بعد زید کے وہ سخت نازیبا الفاظ ہوتے اور کچھ نہ ہوتا تو آپ کی بیان کردہ تاویل تاویل قریب ہوتی۔ چنانچہ اس صورت میں زید کے قول کو کفری کہنا غلط ہوتا۔ مگر بات اتنی ہی نہیں ہے بلکہ زید نے اس کے علاوہ کچھ اور بھی کہا ہے۔ اور وہ زید کے درج ذیل کلمات ہیں۔

"اگر ثواب ہی کمانا تھا تو مصلی ڈال کر اللہ اللہ کرتے۔ جنت پانے کے لئے یہ بھی ذریعہ بن جاتا"

زید کے درج بالا الفاظ صریحا دلالت کر رہے ہیں کہ زید نے سربراہ کے کلام ہی پر تنقید کی ہے کہ تنظیم کے سربراہ نے اپنے کلام میں ثواب ہی کا ذکر کیا ہے۔ اور زید نے وہ ہتک آمیز الفاظ کلام ہی کی توہین کے لئے استعمال کیے ہیں۔ کیونکہ اگر زید کی مراد انداز گفتگو ہی پر تنقید ہوتی تو مذکورہ بالا الفاظ کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ تنقید تو اس سے پہلے استعمال کردہ الفاظ کے ذریعے سے ہو چکی تھی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ زید نے اپنے ان الفاظ کے ذریعے سے سربراہ کے کلام کو رد کرنے کی کوشش کی ہے۔ لہذا اس سے پہلے استعمال کیے گئے سخت قسم کے الفاظ بھی تنظیم کے سربراہ کے کلام کو رد کرنے کی ایک کڑی ہے۔ چنانچہ آپ کی بیان کردہ تاویل معارض قوی پائے جانے کی وجہ سے تاویل بعید ہوئی جو کہ قول کو کفری ہونے سے نہیں بچا سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ فقیر نے زید کے قول میں تاویل بعید کی رعایت کرتے ہوئے صرف قول کو کفر کہا مگر قائل کو کافر نہ کہا۔ اور جہاں تک زید کا اس بات کا اقرار کرنا کہ واقعی ہر نیک عمل اللہ ہی کے لئے کرنا چاہیے اخلاص یہی ہے۔ یہ کلمات بھی اس کے اگلے کلمات کی وجہ سے اسکے قول کو کفری ہونے سے نہیں بچا سکیں گے۔ کیونکہ اگر کسی نے ایسے کلمات کہے ہوں کہ جن سے کسی ضرورت دینی کا استخفاف ہوتا ہو تو اس کی تکفیر ہی کی جائیگی اگرچہ وہ کہتا ہو کہ میں اس ضرورت دینی پر یقین رکھتا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہوں۔امام فخر الدین حسن بن منصور اوز جندی المعروف بقاضی خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

”واما الهازل والمستهزیء اذا تكلم بالكفر استخفافا ومزاحا واستهزاء يكون كفرا عند الكل وان كان اعتقاده خلاف ذلك“

ترجمہ: اگر کسی بکواس یا مسخری کرنے والے نے ازراہ استخفاف یا مزاح یا استھزاء کلمہ کفر کہا تو وہ سب کے نزدیک کافر ہو جائیگا اگرچہ اس کا عقیدہ اس کلمہ کفر کے برخلاف ہی کیوں نہ ہو۔

﴿فتاوی قاضیخان علی حاشیۃ الفتاوی العالمگیریۃ جلد ۳ صفحہ ۵۷۷﴾

علامہ ابن نجیم مصری البحر الرائق جلد ۵ صفحہ ۱۲۵ میں اور علامہ شامی رحمہما اللہ ردالمحتار جلد ۶ صفحہ ۳۵۸ پر فرماتے ہیں و اللفظ للبحر۔

”اذا اطلق الرجل كلمة الكفر عمدا لكنه لم يعتقد الكفر قال بعض اصحابنا لا يكفر لان الكفر يتعلق بالضمير ولم يعقد الضمير على الكفر وقال بعضهم يكفر وهو الصحيح عندى لانه استخف بدينه اه“

ترجمہ: اگر کسی نے کلمہ کفر کہا درآنحالیکہ وہ اس کا اعتقاد نہیں رکھتا تو ہمارے بعض علماء نے فرمایا کہ وہ کافر نہ ہوگا کیونکہ کفر کا تعلق دل سے ہے اور دل نے اس کفری بات پر عزم نہیں کیا۔اور بعض علماء نے فرمایا کہ وہ کافر ہو جائیگا۔اور یہی قول میرے نزدیک صحیح ہے کیونکہ اس نے اپنے دین کا استخفاف کیا ہے۔

اس کی مثال یوں ہے جیسے عمرو بکر سے کہے کہ جناب میری کچھ مدد کرو میں آج کل بہت پریشان ہوں تو بکر جوابا کہے کہ نماز پڑھا کرو کہ نماز پڑھنا فرض ہے اس سے تمہاری پریشانی حل ہو جائیگی بکر (معاذ اللہ) جوابا یہ کہہ دے کہ ”ہاں واقعی نماز پڑھنا فرض ہے۔مگر آپ کا خشک، ٹکا سا، بے رخے پن کا جواب میری تشفی نہیں کر سکتا اگر نماز ہی پڑنی تھی تو آپ کے پاس آنے کی کیا ضرورت تھی۔تو کیا اس کے گذشتہ الفاظ” ہاں واقعی نماز پڑھنا فرض ہے“ اسے خود کو یا اس کے قول کو کفری ہونے سے بچالیں گے۔اور کیا آپکی بیان کردہ تاویل اس کے قول کو کفری ہونے سے بچالے گی کہ جواب دو معنی میں استعمال ہوتا ہے اور یہاں پر اس نے کلام کا رد نہیں کیا بلکہ اس

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کی مراد انداز گفتگو ہے نہیں بلکہ آپ خود اگر تھوڑی سی بھی عقل رکھتے ہیں تو کہہ دینگے کہ اس نے یہ کلمات نماز ہی کے رد میں کہے ہیں کیونکہ اس کے اگلے الفاظ ''اگر نماز ہی پڑنی تھی تو آپ کے پاس آنے کی کیا ضرورت تھی'' بکر کے کلام ہی کا رد کر رہے ہیں کہ بکر نے اسے نماز ہی کا مشورہ دیا تھا۔ بعینہ ایسا ہی معاملہ زید کے کلمات کا ہے کہ زید کے تمام کلمات سربراہ کے کلمات ''اللہ کے لئے کام کیا ہے اور وہی اس کا ثواب عطا فرمائیگا'' کے رد میں کہے گئے ہیں نہ کہ انداز گفتگو کے بارے میں۔ اور یہ کلمات معنی قرآنی پر مشتمل ہیں، قطعی الثبوت ہیں اور ان کا تعلق ضروریات دین سے ہے جیسا کہ فقیر نے پہلے بیان کیا۔

جہاں تک آپکا یہ لکھنا کہ ''اگر بالفرض آپ یہ کہیں کہ میں نے قائل کو تو کافر نہیں کہا تو پھر آپ نے تجدید اسلام اور تجدید نکاح کا حکم کیوں دیا نیز یہ کہ آپ نے جس عبارت سے استشھاد کیا ہے وہ بھی قائل کو کافر ہی قرار دیتی ہے''۔ آپ کے اس اعتراض سے دو باتیں سمجھ میں آتیں ہیں کہ (۱) آپ کے نزدیک اگر کسی کا قول کفریہ ہو تو اس کو تجدید اسلام اور تجدید نکاح کا حکم دیا جانا غلط ہے یا آپ کا خیال ہے کہ کسی کو تجدید اسلام وتجدید نکاح کا حکم دے دینا دراصل اسے کافر ہی قرار دینا ہے۔ (۲) کسی کے قول کو کفریہ کہنے کے لئے ان عبارات سے استدلال کرنا جو قائل کو کافر قرار دیتی ہوں غلط ہے۔

آپ کے اعتراض کی شق اول کا جواب تو چند سطور قبل اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت ہی میں موجود ہے۔ کہ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے باوجود یہ کہ قائل کو کافر نہیں قرار دیا بلکہ صرف قول کو کفری فرمایا مگر پر بھی قائل کو تجدید اسلام اور تجدید نکاح کا حکم دیا۔ آپ کی آسانی کے لئے وہی عبارت دوبارہ پیش کی جاتی ہے۔

> ''نماز سے انکار یہ بھی ہے کہ وہ کہے کہ میں نہیں پڑھتا یا نہیں پڑھونگا اس قدر سے کافر نہ ہوگا، جب تک نماز کی فرضیت سے انکار یا اس کا استخفاف نہ کرے۔ اگر شخص مذکور کا انکار اس حد تک نہ تھا تو جس نے اس کے انکار پر حکم کفر لگایا خاطی ہے۔ اور اس کی زیادتی اس شخص کو ایسے کلمہ مردودہ کی طرف لے گئی۔ بہرحال اپنے آپ کو یہ کہنا کہ کافر ہی سہی اس کا ظاہر معاذ اللہ قبول کفر ہے اور قبول کفر یقیناً کفر ہے۔ مگر اس معنی کا بھی احتمال ہے کہ تمھارے نزدیک کافر ہی سہی لہٰذا حکم تکفیر نہ کیا جائے گا البتہ تجدید اسلام وتجدید نکاح کا حکم دیا جائیگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔''
>
> ﴿فتاویٰ رضویہ ص ۱۲۵ جلد ۶﴾

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی مذکورہ بالا عبارت اس بات کی صریح دلیل ہے کہ قائل کے قول کو کفریہ کہنا اور اسے تجدید اسلام وتجدید نکاح کا حکم دینا قائل کو کافر کہنا نہیں ہے۔

جاننا چاہئے کہ اقوال کفریہ کی دو اقسام ہیں۔(۱) لزوم کفر (۲) التزام کفر

ان دونوں اقسام کی تعریفات صدر الشریعۃ علامہ مولانا امجد علی رحمہ اللہ تعالیٰ نے درج ذیل الفاظ میں رقم فرمائی ہے۔

"اقوال کفریہ دو قسم کے ہیں۔ایک وہ جس میں کسی معنی صحیح کا بھی احتمال ہو۔دوسرے وہ کہ اس میں کوئی ایسے معنی نہیں بنتے جو قائل کو کفر سے بچاوے۔اس میں اول کو لزوم کفر کہا جاتا ہے اور قسم دوم کو التزام،لزوم کفر کی بھی صورت میں فقہاء کرام نے حکم کفر دیا مگر متکلمین اس سے سکوت کرتے ہیں۔اور فرماتے ہیں جب تک التزام کی صورت نہ ہو قائل کو کافر کہنے سے سکوت کیا جائیگا اور احوط یہی مذہب متکلمین ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

﴿فتاویٰ امجدیہ ص ۵۱۲_۵۱۳ جلد ۴﴾

ایک مناظرہ کے دوران جب دیوبندی مناظر نے اپنے آپ کو شکست سے بچانے کے لئے یہ اعتراض کیا کہ مولانا احمد رضا نے اسماعیل دھلوی کے کلام میں ستر سے زائد وجوہ سے کفر ثابت کیا مگر پھر بھی اسے کافر نہ قرار دیا لھذا وہ خود کافر ہو گئے (معاذ اللہ) کہ کافر کو کافر جاننا ضروریات دین سے ہے۔تو شیر بیشہ اھلسنت مولانا حشمت علی خاں رحمہ اللہ نے دیوبندی کو جواب دیتے ہوئے اسی بات کو جسے فقیر نے صدر الشریعہ کے حوالے سے بیان کیا کچھ زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے جو کہ درج ذیل ہے۔

"اصل بات یہ ہے کہ یہاں تین چیزیں ہیں ا۔کلام ۲۔تکلم ۳۔متکلم ان میں سے جس کسی میں احتمال پیدا ہوگا۔مانع تکفیر شخص ہوگا۔کلام میں تو یوں کہ وہ اگر چہ کھلا ہوا کلمہ کفر ہو اسمیں کوئی تاویل قریب نہ نکلتی ہو۔مگر تاویل بعید ہو تو قول کو کفر کہا جائے گا۔لیکن قائل کو کافر کہنے سے محققین فقہا اور حضرات متکلمین احتیاط فرمائیں گے۔کیونکہ ممکن ہے قائل نے وہی تاویل بعید مراد لی ہو۔تکلم میں یوں کہا۔کلام تو کھلا ہوا نا قابل توجیہ وتاویل کفر صریح ہو مگر اس بات کا قطعی یقینی ثبوت نہ ہو کہ وہ کلام اسی قائل کا ہے،تو کلام اگر چہ قطعی کفر ہوگا مگر اس شخص کو کافر نہیں کہیں

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

گے۔ متکلم میں یوں کہ قول تو ایسا کفر صریح ہو جس میں تاویل بعید بھی متعذر ہو مگر قائل کی اس قول سے توبہ مسموع ہو پھر اس توبہ کا ثبوت شرعی متحقق ہو جائے تو اس قائل کی تکفیر حرام بلکہ عند الفقہا خود کفر ہوگی اور اگر اس کا ثبوت شرعی نہ ہو مگر شہرت ہو تو کیف وقیل کی بنا پر اس قول کو قطعی یقینی کفر کہیں گے لیکن اس قائل کو کافر کہنے سے احتیاط برتیں گے۔

﴿مبلغ وہابیہ کا گریز بحوالہ کفریات بابائے وہابیہ صفحہ ۲۱-۲۲﴾

فقیر کے نزدیک زید کا قول قسم اول سے تعلق رکھتا ہے یعنی لزوم کفر سے۔ لہٰذا مذھب متکلمین کے مطابق قائل کی تکفیر نہیں کی مگر قول کو کفریہ لکھا۔ مگر فقہاء کرام کے مذھب پر قائل کی تکفیر ہی کی جائیگی۔

ایسی صورت میں زید کا کفر علماء کے نزدیک مختلف فیہ ہو گیا لہٰذا اسے تجدید اسلام و نکاح کا حکم کیا گیا تو کیا برا کیا بلکہ بھلائی ہی کا مشورہ دیا گیا۔ امام اہلسنت اعلیٰحضرت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

'پھر جب کہ ائمہ دین ان کے کفر میں مختلف ہو گئے تو راہ یہ ہے کہ اگر اپنا بھلا چاہیں جلد از سر نو کلمہ اسلام پڑھیں"۔

﴿فتاوی رضویہ ص ۲۷۲ جلد ۶﴾

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ چند سطور بعد مزید فرماتے ہیں:

" اس سبب کے بعد اپنی عورتوں سے تجدید نکاح کریں کہ کفر خلافی کا حکم یہی ہے۔ علامہ حسن بن عمار شرنبلالی پھر علامہ علائی شرح تنویر میں فرماتے ہیں :"ما یکون کفرا اتفاقا یبطل الاعمال والنکاح واولادہ اولاد زنی وما فیہ خلاف یومر بالاستغفار والتوبۃ وتجدید النکاح " (جو اتفاقا کفر ہو وہ اعمال صالحہ اور نکاح کو باطل کر دیتا ہے اور اس کی اولاد اولاد زنا ہوگی۔ اور جس میں خلاف ہو تو اسے استغفار، توبہ اور تجدید نکاح کا حکم دیا جائیگا)"۔

﴿فتاوی رضویہ ص ۲۷۲ جلد ۶﴾

اگر کفر اختلافی کے مرتکب توبہ کرلیں تو ٹھیک ورنہ انکا حکم بھی امام اہلسنت کی تحریر میں ملاحظہ فرمائیے۔

" یہ حضرات اپنے مذھب مردود سے باز آئیں اور اعلانیہ رب العالمین کی طرف توبہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

لائیں فاخوانکم فی الدین تمہارے دینی بھائی ہیں۔ ورنہ اہلسنت پر لازم کہ ان سے الگ ہو جائیں ان کی صحبت کو آگ سمجھیں انکے پیچھے نماز ہرگز نہ پڑھیں اگر نادانستہ پڑھ لی ہو اعادہ کرلیں۔ کہ نماز عبادات اعظم رب بے نیاز ہے اور تقدیم و امامت ایک اعلیٰ اعزاز اور رفاسق مجاھر واجب التوبین نہ کہ بدعتی گمراہ فاسق فی الدین۔ والعیاذ باللہ رب العالمین۔

﴿فتاوی رضویہ ص ۲۷۲ جلد ۶﴾

مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ نے تو لزوم کفر کے مسئلہ میں توبہ کو نہ صرف لازم بلکہ اسے فرض فرمایا۔ اسی قسم کے مسئلے کے بارے میں لکھا

"کہ دونوں پر توبہ و تجدید ایمان و تجدید نکاح فرض ہے کہ کفر متفق علیہ و مختلف فیہ کا اس بارے میں ایک ہی حکم ہے۔"

﴿فتاوی مصطفویہ ص ۶۲ مطبوعہ: ضیاء الدین پبلیکیشنز۔ کراچی﴾

فقیر درج بالا وضاحت کو آپ کے اعتراض کی شق اول میں وارد کردہ شکوک و شبہات کو رفع کرنے کے لئے کافی سمجھتا ہے۔ اب آپ کے اعتراض کی شق ثانی کی طرف آتے ہیں۔ اس سلسلے میں فقیر طویل بحث سے بچتے ہوئے صرف امام اہلسنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی عبارت سے استشہاد کافی سمجھتا ہے۔

امام اہلسنت رحمہ اللہ نے **الکوکبۃ الشھابیۃ** میں بہتیرے مقامات پر اسماعیل دھلوی کے کفریات گنوائے اور ان کفریات پر انہی عبارات علماء سے استدلال کیا جو کہ قائل کو کافر قرار دیتی ہیں۔ اس کی ایک مثال درج ذیل ہے۔

"..................(۱) جا بجا قرآن عظیم ایک بات فرمائے اور یہ اسے صاف غلط و باطل کہے جائے۔ شفاء شریف ص ۳۷۳ معین الحکام امام علاؤ الدین علی الطرابلسی حنفی مطبع مصر ص ۲۲۹

من استخف بالقرآن او لشئ منه او جحده او كذب بشئ منه او اثبت مانفاه او نفى ما اثبته على علم منه ذلك او شك فى شئ من ذلك فهو كافر عند اهل

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

العلم بالاجماع

ترجمہ: جو شخص قرآن مجید یا اسکے کسی حرف سے گستاخی یا اس کا انکار یا اس کی کسی بات کی تکذیب یا جس بات کی قرآن نے نفی فرمائی اس کا اثبات یا جس کا اثبات فرمایا اس کی نفی کرے دانستہ یا اس میں کسی طرح کا شک لائے وہ باجماع تمام علماء کے کافر ہے۔(۲) اس کے طور پر قرآن عظیم میں جابجا شرک موجود (۳) اس کے نزدیک انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام سے شرک صادر ہوئے۔ (۴) یونہی حضرات ملائکہ عظام علیہم السلام سے............................"

﴿الکوکبۃ الشھابیۃ ص ۳۹۔۴۰﴾

یہ بعینہ وہی عبارت ہے کہ جس سے فقیر نے زید کی عبارت کے کفریہ ہونے کا استشھاد کیا مگر قائل کی تکفیر نہ کی۔یونہی امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ نے اسماعیل دھلوی کی عبارت کو اسی عبارت سے کفریہ تو کہا مگر مذھب متکلمین پر اسے کافر نہ کہا۔تو معلوم ہوا کہ معترض کا یہ اعتراض کہ "آپ نے جس عبارت سے استشھاد کیا ہے وہ بھی قائل کو کافر ہی قرار دیتی ہے چنانچہ آپنے قائل کو کافر ہی کہا ہے"۔یا تو عناد ا ہے یا مبنی بر جہالت ہے مولی تعالیٰ مسلمانوں کو دونوں ہی قسم کی بلاؤں سے محفوظ فرمائے اور حق کہنے،حق سننے اور حق کو قبول کرنیکی توفیق عطاء فرمائے۔امین

واللہ تعالیٰ ورسولہ (عزوجل و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اعلم

کتبہ: محمد ابوبکر صدیق عطاری

منگل ۳۱/اکتوبر ۲۰۰۰

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمام تعریفیں خدائے مہربان کے لئے اور اللہ الرحمن خوب درود اور سلام بھیجے جن وانس کے سردار اور ان کی آل واصحاب پر۔ امابعد

اس شخص کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے جس نے قلم یا زبان سے قرآن یا اس کے معانی ومفہوم کو ہلکا جانا جیسے کہ قاضی خان اور امام احمد رضا رحمہما اللہ تعالیٰ کے حوالے سے جواب دینے والے فاضل (مفتی ڈاکٹر محمد ابوبکر صدیق عطاری) نے۔ اور عقل مند جواب دینے والے نے لزوم التزام کے مابین جو بحث فرمائی ہے وہ حق ہے اور یقین کو واجب کرنے والی ہے۔ اور اہل علم کے نزدیک اس کا فرق ایسے ہی واضح ہے جیسا کہ دن اور رات کا فرق۔ اور یہ فرق ائمہ اسلام اور ایمان سے مستفاد ہے۔

اللہ عزوجل دعوت اسلامی اور اسکے امیر کی شیطان کے شر سے حفاظت فرمائے۔ اور ہمیں اور انھیں محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت واطاعت پر ہمیشہ قائم رکھے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جامع المعقول والمنقول علامہ مفتی فیض الرسول الرضوی دام ظلہ العالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین۔

امابعد۔ بندہ نے شیخ الحدیث ڈاکٹر مفتی ابوبکر صدیق عطاری دامت برکاتہم العالیہ کا تحریر کردہ جواب فتویٰ کا بغور مطالعہ کیا تو اسے مندرجہ ذیل خصوصیات پر مشتمل پایا

(۱) اس جواب فتویٰ میں لزوم کفر اور التزام کفر کی بحث اس مدلل و محقق طرز میں اتنی جامعیت کے ساتھ کی گئی ہے کہ دوسری کتب میں ایسی جامع بحث کا ملنا دشوار ہے۔

(۲) اس مسئلہ میں فقہاء و متکلمین کے اختلاف کو ایسی خوبی کے ساتھ واضح کیا گیا ہے جس کو پڑھ کر بہت سی غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں۔

(۳) اس تحریر میں بطور استشہاد امام اہل سنت مجدد دین وملت رضی اللہ عنہ اور دیگر مسلک اہل سنت کے معتبر و معتمد الیہ علمائے کرام کی کتب کے حوالہ جات پیش کئے گئے ہیں جو کہ عوام و علمائے اہل سنت کے لئے کافی ووافی ہیں۔

(۴) معترض کے اعتراضات کی تمام شقوں کے جوابات ایسے جامع انداز میں دیے گئے ہیں کہ پڑھنے والے کے ذہن میں کسی قسم کی خلش باقی نہیں رہتی۔ اور یقیناً یہ کام ماہر وحاذق مفتی کے علاوہ کسی اور کے بس میں نہیں ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کے علم و عمل و عمر میں برکتیں عطا فرما کر تادم زیست انھیں مسلک اہل سنت کی خدمت عظیمہ کے منصب پر مامور رکھے نیز ان سے اور ان سے فیضیاب ہونے والوں کے ذریعہ سے پوری دنیا کو علم دین کی روشنی سے منور فرمادے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالیٰ والہ وسلم

ابوالنعیم محمد فیض الرسول رضوی

جامعۃ المدینہ گلستان جوہر کراچی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بسم الله الرحمٰن الرحيم

الحمد لله الحنان والصلوٰة والسلام على سيد الانس والجان عليه صلوٰة الله وسلام الرحمٰن وعلى اٰله وصحبه عليهم الرضوان

اما بعد

ولا شك فى كفر من استخف بالقرآن او بمعانيه ومفهومه بالقلم او اللسان كما حرّره الفاضل المجيب نقلاً عن القاضى والامام احمد رضا خان عليهما الرحمة والرضوان وما حقق المجيب اللبيب بين لزوم الكفر والالتزام فهو حقٌ واجب الايقان. والفرق بينهما واضحٌ عند اهل العلم والعرفان ولون بعيد بينهما كما لو ان۔

وهذا مستفادٌ من ائمة الاسلام والايمان حفظه الله تعالىٰ الدعوة الاسلامية والأمير من التفريق وشر الشيطان.

وادامنا الله تعالىٰ وادامهم فى حب و طاعة حبيب الرحمٰن

رقمه محمد منظور احمد خان الفيضى نسبةً الى مرشده غوث الزمان عليه الرحمة والرضوان

مهتمم جامعة الفيضية الرضوية وفيض الاسلام ببلدة احمد پور الشرقيه من مضافات بهاولپور باكستان

٣ شعبان سنة ١٤٢٣ھ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

فاتح قادیانیت و ذکریت مناظر اسلام مفتی بلوچستان حضرت علامہ

مفتی محمد امتیاز قادری دام ظلہ العالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

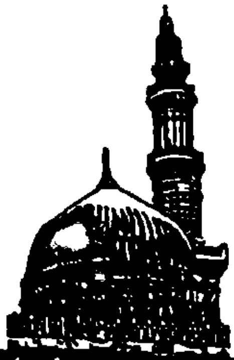

الصلوۃ والسلام علیک یا خاتم النبیین

مرکز اہل سنت تحفظ ختم نبوت

نزد مکران ہوٹل گوادر، روڈ تربت مکران، بلوچستان

تاریخ ________

الجواب وباللہ التوفیق

میرے لئے تو کام نہیں کیا اللہ عزوجل کے لئے کیا ہے وہ ثواب عطا فرمائے گا۔

خط کشیدہ جملے کے متعلق زید کے یہ کلمات کہ "تنظیم کے سربراہ کا یہ ھتک جواب سامنے والے کو سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے" .... یہ ٹکا سے بے رخی پن کا جواب دینا کیسا؟

کفریہ ہیں۔ البتہ قائل کی تکفیر میں اس وقت تک تأمل کیا جائے گا جبتک وہ ظاہری کلام کیمطابق اپنی نیت کا اظہار نہیں کرے۔

بہرحال قائل کو چاہیے کہ اس کلام کفریہ سے فوری توبہ کرے۔

واللہ اعلم بالصواب

محمد امتیاز قادری

مرکز اہل سنت تحفظ ختم نبوت مکران بلوچستان

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جامع المنقول والمعقول، شیخ التفسیر والحدیث مناظر اسلام ومفتی ومہتمم دار العلوم جامعہ نوریہ دار العلوم جامعہ غوثیہ رحیم یار خان حضرت علامہ عبد المجید سعیدی دامت برکاتہم العالیہ

بسم اللہ والحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ وعلیٰ آلہ وصحبہ ما دام ملک اللہ

——— تنظیم المدارس (اہل السنۃ) پاکستان کے عاملہ کے سالانہ اجلاس (منعقدہ ۱۵ جولائی ۲۰۰۲ء بمقام جامعہ نعیمیہ لاہور) کے موقع پر برادر محترم مجیب محتشم مد ظلہم نے اپنی پیش نظر اس تحریر کے متعلق بالمشافہ فرمایا کہ اسکے بارے میں راقم الحروف کو ٹوٹے پھوٹے الفاظ درکار ہیں۔ لیکن مجھے اس سے متعلق بعد از اظہار تشکر تعمیلاً للارشاد عرض ہے کہ جہاں تک مبحث فیہ امر میں معترض کے اعتراض پھر اسکے جواب الجواب کی تردید بلیغ کا تعلق ہے؟ تو اسمیں کوئی شک نہیں کہ فاضل مجیب سلمہ مولاہ القریب الحاصم عن کل ما یلیمم نے اپنے آقا و نعمت و مربی محترم دام ظلہم کی برخلوص غلامی کا خوب حق ادا فرماتے ہوئے اتنا تفصیل و توضیح فرما دی ہے کہ مزید اسکی گنجائش نہیں چھوڑی جس پر ماشاء اللہ اور شاید و باید کے محاورے صادق آتے ہیں لیکن بایں ہمہ، لائق توجہ اور قابل غور جو امر ہے وہ یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ اس جیسی معمولی، قلیل النفع وکثیر الضرر ابحاث میں ہمیں الجھائے رکھنے میں کسی بیرونی سازش کا ہاتھ تو نہیں؟؟؟

تو فقیر اسکی بابت بڑے وثوق اور پورے شرح صدر کے ساتھ عرض کرتا ہے کہ خصوصیت کے ساتھ امام اہل سنت ضیغم اسلام حضور غزالی زماں السید السند الکاظمی رحمہ اللہ تعالیٰ کی نظر کرم سے اسوقت پورے کرۂ ارض پر (عالمی سطح پر) نہایت مؤثر، باوقار اور مربوط و مضبوط طریقے سے دینی اور مسلکی خدمات کے حوالہ سے بلا مبالغہ چونکہ صرف اور صرف "دعوت اسلامی" ہی نمایاں کردار ادا کر رہی ہے جسکا سہرا مرکزی امیر محترم، سراپا اخلاص، مجسم عشق حضرۃ قبلہ مولانا ابو البلال محمد الیاس صاحب عطار القادری دامت برکاتہم کے سر ہے کہ یہ سب بہاریں حضرت موصوف کی کامیاب پالیسیوں، انتھک محنتوں اور جہد مسلسل کا نتیجہ ہیں اسلئے لادین، لامذہب اور بدمذہب قوتیں اسکی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

خدا داد عالمی مقبولیت اور دن دگنی اور رات چوگنی ترقی سے بجا
طور پر خائف، پریشان اور ہراساں ہیں جیسے (خاک بدہن الیشان)
ناکام بنانے کی غرض سے انہوں نے جگہ جگہ طرح طرح کی گھناؤنی سازشوں
کے جال بچھا رکھے ہیں ازانجملہ ایک (بڑی سازش) یہ کہ انکی طرف سے
اپنے بعض ایجنٹس کو دعوتِ اسلامی میں باقاعدہ شامل کرکے عوام
کو انکے سنی ہونے کا یقین دلانے کے بعد انہیں اس سے نکال کر اسکے
خلاف ان سے بدزبانی کرائی جاتی ہے تاکہ کسی کو یہ شک بھی نہ گزرنے پائے
کہ اسکے پیچھے کوئی سازش کارفرما ہے جسکا مقصد اسکے سوا کچھ نہیں کہ خدانخواستہ
امیرِ محترم کو متنازع بنا کر جماعت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے کہ جتنی بھی منظم
طاقتیں بکھری ہیں اسی ہی سازش کا بھینٹ چڑھی ہیں۔ لیس یہ تازہ فتنہ
بھی اسی سازش کا حصہ لگتا ہے لہٰذا بجائے اسکے کہ انہیں درخورِ اعتبار
سمجھتے ہوئے انکا کچھ خاطر میں لاکر انکے پنجے مضبوط کرنے میں مدد دیجائے،
اپنے کام سے کام رکھتے ہوئے انہیں اپنی موت آپ مرنے دیا جائے تو
بہتر ہوگا کہ اس سے وقت، قوت اور سرمایہ صحیح مصرف پر رہیں گے
اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی غلامی میں کام کرنے والی
جملہ سنی تنظیموں کو عموماً اور ہماری امنگوں کی ترجمان "دعوتِ اسلامی"
کو خصوصاً قدم قدم پر کامیابی نیز بالدوام ترقی سے ہمکنار فرمائے اور
ہمیشہ نظرِ بد سے محفوظ رکھے آمین بحرمۃ سید المرسلین صلے اللہ علیہ وعلیٰ آلہ
وصحبہ و تبعہ و علینا معہم اجمعین الیٰ یوم الدین

نمقہ الفقیر عبد المجید السعیدی رضوی لقبہٗ صدر مدرس، مفتی
ومہتمم دار العلوم جامعہ نبویہ و دار العلوم جامعہ غوث اعظم رحیم یار خان
۲۷ اگست ۲۰۰۱ء شب منگل بوقت پونے ایک بجے تقریباً

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تلمیذ و خلیفۂ محدثِ اعظم پاکستان، جامع المعقول والمنقول حضرت علامہ

شیخ الحدیث مفتی ابو الفضل سید عباس علی شاہ صاحب دام ظلہ العالی

باسمہ تعالیٰ

اقول و باللہ التوفیق و بہ نستعین و نصلی علی رسولہ الکریم

اللہ تعالیٰ جل شانہ و رسول کریم افضل الصلوٰۃ والتسلیم کا کلام ایک مسلمان جس انداز میں بھی ادا کرے وہ انداز اُس کلام کو اللہ اور رسول کے کلام ہونے سے خارج نہیں کر سکتا ایسے کلام کا جو شخص استہزاء یا استخفاف کرے اُس پر کفر لازم آتا ہے۔ اور اگر التزام کرتا ہے تو اُس کے کفر میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔ ظاہر ہے کہ قائل نے ٹکا سا خشک بے مزہ پن کا جواب سربراہ کے کلام ہی کو تو کہا ہے اور سربراہ کا یہ کلام کلام اللہ ہی سے ماخوذ ہے۔ یہ تو یوں ہی ہے کہ اگر زید کہے کہ نیک کام کرو اللہ تعالیٰ تمہیں جنت عطا کرے گا۔ بکر اُس کے جواب میں کہتا ہے کہ اس جواب کی کوئی حیثیت نہیں یہ تو ٹکا سا خشک اور بے مزہ پن کا جواب ہے۔ بکر کا یہ جواب زید کے کلام کے بارے میں ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ زید کا کلام قرآن اور حدیث کے مطابق ہے یا نہیں ہے۔ اول کا قائل تو کوئی اجہل ہی ہو سکتا ہے۔ ثانی پر بکر سے استخفاف قرآن و حدیث ہی کا ہوا ہے لہٰذا سربراہ کو جو زید نے جواب دیا ہے اُس کے اس قول "میرے لیے تو کام نہیں کیا۔ اللہ عزوجل کیلئے کیا ہے وہ ثواب عطا فرمائے گا" ہی کی وجہ سے تو دیا ہے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ معترض سائل کا یہ کہنا کہ زید نے سربراہ کے کلام کی یہ کہتے ہوئے تصدیق کی ہے "واقعی ہر نیک عمل اللہ عزوجل ہی کیلئے کرنا چاہیئے۔ یہی اخلاص ہے" یہ کلام جو بطور تصدیق پیش کیا جا رہا ہے۔ زید نے خود ہی لفظ مگر اور مابعد کلام سے اس کو کمزور کر دیا ہے۔ جس سے اسکی تصدیق یقینی نہ رہی بلکہ مگر کا مابعد کلام ماقبل کی واضح طور پر نفی کرتا ہے

نیز سوال میں مذکور زید کے دوسرے قول "جن کی نظر میں صرف

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حصول جنت نہ ہو بلکہ ایک بڑا مقصد ہو" کے بارے میں زید
سے پوچھا جائے کہ "بلکہ ایک بڑا مقصد" سے اُس کی مُراد کیا ہے؟
دیدارِ خدا اور قربِ حبیبِ خدا جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم۔ تو
یہ دونوں بھی جنت ہی میں حاصل ہونگے۔ اسکے علاوہ وہ
بڑا مقصد کونسا ہے۔ فعلیہ البیان

الحاصل مجیب مصیب ہے۔ ھذا ما عندی واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

ابوالفضل سید عباس علی قادری

شیخ الحدیث والتفسیر
ابوالفضل سید عباس علی قادری

۲۲ ربیع الآخر ۱۴۲۲ ہجری
بروز یک شنبہ

دار الافتاء

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

عالم نبیل، فاضل جلیل، مفتی و مدرس جامعہ رضویہ مظہر الاسلام حضرت علامہ

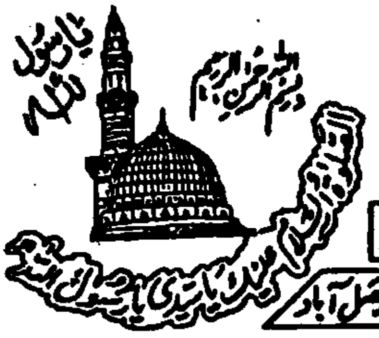

یا اللہ — فقیر ابو الفضل محمد بخش قادری رضوی — یا رسول اللہ

مدرس جامعہ رضویہ مظہر اسلام گلستان محدث اعظم فیصل آباد

خطیب و امام جامع مسجد نور حنفیہ گلی نمبر ۹ محلہ فرید گنج (گورو نانک پورہ) فیصل آباد

فون نمبر ______ تاریخ ______

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

اما بعد۔ فقیر نے حضرت مفتی ڈاکٹر محمد ابوبکر صدیق عطاری کا جواب فتویٰ بعنوان مطالعہ کیا۔ مبنی بر حقائق پایا مفتی صاحب نے لزوم کفر اور التزام کفر کے مابین فرق پر سیر حاصل مبنی بر حقائق بحوالہ کتب معتبرہ بحث فرما کر احقاق حق کیا ہے مولیٰ تعالیٰ فاضل حبیب کو احسن جزا عطا فرمائے

فقیر ابو الصالح محمد بخش قادری

خادم دار الافتاء مرکزی دار العلوم جامعہ رضویہ مظہر اسلام فیصل آباد۔ ۱۷/۷/۲

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مفتی ڈاکٹر محمد ابوبکر صدیق عطاری

جامع مسجد عثمان غنی گلستان جوہر ایس ٹی۔ ۱۵ بلاک۔ ۱۵

فون نمبر: ۸۱۱۷۱۷۱

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے مکتوب میں اپنی تنظیم کے سربراہ پر تنقید کرتے ہوئے لکھا"۔۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔کوئی احتجاج کرے تو جواب ملتا ہے کہ میرے لئے تو کام نہیں کیا اللہ عزوجل کے لئے کیا ہے وہ ثواب عطا فرمائے گا واقعی ہر نیک عمل اللہ عزوجل ہی کیلئے کرنا چاہیے یہی اخلاص ہے۔ مگر ایک تنظیم کے سربراہ کا یہ خشک جواب سامنے والے کو سوچنے پر مجبور کردیتا ہے کہ اگر ثواب ہی کمانا تھا تو مصلی ڈال کر اللہ اللہ کرتے۔ جنت پانے کیلئے یہ بھی ذریعہ بن جاتا۔ مگر جن کی نظر میں صرف حصول جنت نہ ہو بلکہ ایک بڑا مقصد ہو جس کے حصول میں وہ اپنا سکون، آرام، اپنی جوانی، اپنا کاروبار اور اپنا گھر سب لٹادیں ان کو آخر میں یہ تکا سا پیے رطبے ہی کا جواب د یتا کیسا؟ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

مہربانی فرماکر ارشاد فرمایا جائے کہ زید کی تحریر پر کیا حکم شرعی ہے؟ بالخصوص خط کشیدہ عبارات پر غور فرمالیا جائے۔

الجواب بعون الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

قائل کا یہ قول کفر ہے اور اس پر اسے تجدید ایمان، تجدید نکاح اور اگر کسی پیر کا مرید تھا تو تجدید بیعت بھی ضروری ہے کہ قائل نے خشک تکا سا اور پے رطبے ہی کا جواب کہہ کر اس بات کا استخفاف کیا کہ جو متعدد قرآنی آیات سے ثابت ہے مثلاً اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

﴿واما الذین امنوا وعملوا الصلحت فیوفیھم أجورھم ط﴾ آل عمران آیت۔ ۵۷

(ترجمہ کنزالایمان) اور وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اللہ تعالیٰ عزوجل ان کا نیک (انعام) انہیں بھرپور دے گا

اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

﴿فاما الذین امنوا وعملوا الصلحت فیوفیھم اجورھم و یزیدھم من فضلہ ج﴾ نساء آیت ۱۷۳

ترجمہ کنزالایمان اور وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان کی مزدوری انہیں بھرپور دے کر اپنے فضل سے انہیں اور زیادہ دے گا۔

علامہ قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

﴿واعلم أن من استخف بالقرآن أو المصحف أو بشیء منہ أو سبھما أو جحدہٗ ۔۔۔

۔۔۔۔۔ فھو کافر عند أھل العلم باجماع﴾ (الشفاء ص ۲۶۳ ج ۲)

ترجمہ۔ اور جان لے کہ جس نے قرآن پاک یا مصحف یا ان میں سے کسی چیز کی تخفیف کی یا ان میں سے کسی کو برا کہا یا اس کا انکار کیا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تو وہ باجماع اہل علم کافر ہے۔

علامہ علی قاری علیہ رحمۃ الباری اس استخف بالقرآن کی شرح میں فرماتے ہیں۔

(استخف بالقرآن) ای بمعناہ او بالفاظہ الواردۃ فی حقہم او اھل القرآن اھل اللہ و خاصتہ۔

(شرح الشفاء لملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ ص ۵۰٤ ج ٤)

ترجمہ جس نے قرآن کی تخفیف کی یعنی اس کے معنی کی یا اس کے الفاظ کی کہ جو ان کے حق میں وارد ہوا کہ اہل قرآن اہل اللہ اور اس کے خاص بندے ہیں۔

لہذا اس قول کے قائل پر لازم ہے کہ فوراً میرے بیشتر توبہ کرے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو گمراہی سے محفوظ فرمائے۔

امین

صح الجواب
حسین کلیم قادری حبیبی
۱۱ شعبان المعظم ۱۴۲۱ھ
بنارس الکترا

صح الجواب
محمد کلیم ا گیور ...

الجواب صحیح
۱۴۲۱ / شعبان
۲۰۰۰ / ۱۰ / ۳۱

فقیر الجواب
محمد ... کمال ...
آگرہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تلمیذ و خلیفہ محدث اعظم پاکستان، عاشق خیر الوریٰ، صاحب تصانیف کثیرہ، استاذ الاساتذہ، فقیہ العصر
حضرت علامہ مفتی ابو سعید محمد امین صاحب دامت برکاتہم العالیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۰ الحمد للہ وحدہ والصلاۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہ
اما بعد ۔ بین اللزوم والالتزام بون بعید فمن لزم علیہ الکفر لا نکفرہ
احتیاطاً لکن من التزم الکفر نکفرہ بلا تأمل و ریب کما حقق بہ العلام الفاضل
المجیب اللبیب المتنبہ والعلم عند اللہ الحی الذی لا یموت وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ
حبیبہ سید العالمین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

ابو سعید محمد امین غفر لہ ولوالدیہ ولاحبابہ

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا۔ سب خوبیاں
اللہ کے لیے ہیں۔ اور اُن پر درود و سلام ہوں جنکے بعد کوئی نبی نہیں
اما بعد (حمد و صلوٰۃ کے بعد جاننا چاہیئے کہ) لزوم اور التزام
میں بہت بڑا فرق ہے پس جس پر کفر لازم ہو رہا ہو۔ ہم اُس شخص
کو احتیاطاً کافر نہیں کہیں گے۔ لیکن جو کفر کا التزام کرلے
تو اب بغیر کسی تاخیر اور شک و شبہ کے اُس شخص کو کافر قرار
دیں گے۔ جیسا کہ اس کی تحقیق بہت زیادہ علم و فضل رکھنے والے
جواب دینے والے (یعنی مفتی ابوبکر صدیق قادری عطاری مدظلہ العالی) نے
فرمائی ہے جو کہ نہایت ذہین اور نیکوکار شخصیت ہیں۔
در حقیقت حال کا علم اُس اللہ کو ہے جو زندہ ہے جسے کبھی موت نہیں
آنی۔ اللہ درود بھیجے اپنے حبیب پر جو تمام جہانوں کے سردار
ہیں اور اُن کے تمام آل و اصحاب پر بھی (درود و سلام ہو)

ابو سعید محمد امین

اللہ اسکی اور اُس کے ماں باپ اور
اُس کے دوست و احباب کی مغفرت فرمائے

مترجم: عبد الستار قادری عطاری عفی عنہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

امام علاؤالدین علی الطرابلسی حنفی مطبع مصر ص ۲۲۹ من استخف بالقرآن او لشئ منه او جحده او کذب بشئ منه او اثبت ما نفاه او نفی ما اثبته علی علم منه ذٰلک اوشک فی شئ من ذٰلک فهو کافر عند اهل العلم بالاجماع

ترجمہ: جو شخص قرآن مجید یا اسکے کسی حرف سے گستاخی یا اس کا انکار یا اس کی کسی بات کی تکذیب یا جس بات کی قرآن نے نفی فرمائی اس کا اثبات یا جس کا اثبات فرمایا اس کی نفی کرے دانستہ یا اس میں کسی طرح کا شک لائے وہ باجماع تمام علماء کے کافر ہے۔(۲) اس کے طور پر قرآن عظیم میں جابجا شرک موجود (۳) اس کے نزدیک انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام سے شرک صادر ہوئے۔(۴) یونہی حضرات ملائکہ عظام علیہم السلام سے.........................."۔

(الکوکبۃ الشہابیۃ ص ۳۹۔۴۰)

یہ بعینہ وہی عبارت ہے کہ جس سے فقیر نے زید کی عبارت کے کفریہ ہونے کا استشہاد کیا مگر قائل کی تکفیر نہ کی۔ یونہی امام اہلسنت نے اسماعیل دھلوی کی عبارت کو اسی عبارت سے کفریہ تو کہا مگر مذھب متکلمین پر اسے کافر نہ کہا۔ تو معلوم ہوا کہ معترض کا یہ اعتراض کہ "آپ نے جس عبارت سے استشہاد کیا ہے وہ بھی قائل کو کافر ہی قرار دیتی ہے چنانچہ آپنے قائل کو کافر ہی کہا ہے"۔ یا تو عناد ہے یا مبنی بر جہالت ہے مولی تعالی مسلمانوں کو دونوں ہی قسم کی بلاؤں سے محفوظ فرمائے اور حق کہنے، حق سننے اور حق کو قبول کرنیکی توفیق عطاء فرمائے۔ امین

واللہ تعالٰی ورسولہ عزوجل وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعلم

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم۔ فقیر نے فتویٰ ھذا کو بغور دیکھا فاضل مجیب سلمہ ربہ نے مدلل جوابات لکھے ہیں سوالات کے جوابات بہر پہلو جائز فرمائے ہیں۔ مولیٰ عزوجل بطفیل حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سبکو حق سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق و رفیق نصیب فرمائے آمین بجاہ حبیبہ الکریم الرؤف الرحیم الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔ مدینے کا بھکاری

الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ۔ بہاولپور۔ پاکستان

وارد کراچی (باب المدینہ)

۱۳ ربیع الآخر شریف ۱۴۲۲ھ

(بروز جمعہ مبارک)

دار العلوم اویسیہ رضویہ ★ محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ ★ 882294 بہاولپور

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

قسطوں پر سامان

کی خرید وفروخت

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے کے بارے میں کہ کیا قسطوں پر سامان کی خرید وفروخت جائز ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الوهاب

اللهم هداية الحق والصواب

اگر قسطوں پر سامان کی خرید فروخت شریعت مطہرہ کے بتائے ہوئے قوانین کے مطابق ہو تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔ فقیر نے اس سلسلے میں قسطوں پر کاروبار کرنے والے چند اداروں کی کاروبار کی شرائط (conditions) کا مطالعہ کیا نیز خود ان اداروں کے افراد سے ملکران کے طریقہ کار کو معلوم کیا تو بعض اداروں کے بیع (Sale) کے طریقہ اور انکی بعض شرائط کو قوانین شریعہ کے بالکل برعکس پایا چنانچہ ان لوگوں سے قسطوں پر سامان لینا ناجائز ہے اور جن لوگوں نے ان سے سامان خرید لیا ہے ان پر شرعا واجب ہے کہ وہ اس سامان کو واپس کریں اور اپنی رقم واپس لیں۔ تمام مسلمان بھائیوں پر واجب ہے کہ اگر سامان کی خریداری میں درج ذیل شرائط میں سے کوئی شرط یا ان کے علاوہ کوئی اور ناجائز شرط پائی جائے تو ہرگز خریداری نہ کریں۔

﴿۱﴾

سامان کی نقد اور ادھار خریداری کی صورت میں الگ الگ قیمتیں بیان کیں مگر کوئی ایک صورت طے (Fix) کیے بغیر جدا ہوگئے یا ادھار کی صورت میں قیمت نقد کے مقابلے میں زیادہ بتائی مگر وہ زیادتی (Increase) بلاعوض (WithoutExchange) یا مدت (Time) کے مقابلے میں بیان کی۔

﴿۲﴾

ایک یا چند یا تمام اقساط (Installments) کی وصولی پر سامان کی ادائیگی کی جائے گی۔

﴿۳﴾

عام طور پر عقد بیع (Sale Contract) کے مکمل ہونے کے باوجود دکاندار حضرات قانونی طور پر چیز کو اپنی ہی ملکیت (Ownership) میں رکھتے ہیں اور خریدار کی ملکیت (Ownership) میں تمام یا اکثر قسطوں کی ادائیگی کے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بعد نقل کرتے ہیں۔

﴿ ۴ ﴾

بعض حضرات قسط کی ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے جرمانہ (Penalty) لگادیتے ہیں۔

﴿ ۵ ﴾

بعض حضرات تمام ثمن (وہ رقم جو خریدار اور فروخت کرنے والے کے درمیان کسی چیز کی قیمت کے طور پر طے ہوگئی ہو) کی ادائیگی طے شدہ وقت سے پہلے کیے جانے کی صورت میں مدت استعمال کے کرایہ کی ادائیگی کی شرط لگاتے ہیں۔

﴿ ۶ ﴾

بعض حضرات یہ شرط لگادیتے ہیں کہ اگر مدت مقررہ سے پہلے پوری رقم ادا کردی گئی تو طے شدہ قیمت میں کمی کردی جائے گی۔

﴿ ۷ ﴾

بعض ادارے مثلاً بینک وغیرہ سے سامان لیا جائے تو وہ سامان کا انشورنس (Insurance) کروانے کے بعد حوالے کرتے ہیں اور پھر خریدار کو مدت مقررہ تک اس انشورنس کی اقساط ادا کرنی پڑتی ہیں۔

اب مذکورہ بالا شرائط کے ناجائز ہونے کی وجوہات تفصیلی طور پر بیان کی جاتی ہیں۔

(۱) نقد کے مقابلے میں ادھار کی قیمت زیادہ کرنا

جب کوئی شخص ان سے سامان خریدنے کے لئے آتا ہے تو وہ حضرات سامان کے بارے میں اس طرح سے بتاتے ہیں مثلاً کسی کو کمپیوٹر خریدنا ہو تو کہتے ہیں کہ اس کمپیوٹر کی نقد قیمت (Cash Payment) ۲۱۰۰۰ روپے ہے مگر ایک سال کے ادھار (Credit of one year) پر ۲۴۷۸۰ روپے میں دیں گے۔ اب اس صورت میں خریدار ان دونوں صورتوں میں سے کوئی ایک صورت متعین (Fix) کرکے سودا طے کرلے یعنی اس بات کی وضاحت کردے کہ وہ نقد خریدے گا یا ادھار تو یہ بیع صحیح ہوجائیگی اور اگر کوئی ایک صورت متعین نہیں کی اور جدا ہوگئے تو ناجائز ہے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ایسا بھی کرنا جائز نہیں ہے اور بغیر علم کے اسے سود (Usury) کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ بڑے بڑے جلیل القدر محدثین اور عظیم فقہائے کرام نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا۔ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ "نهى رسول الله ﷺ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

عن بیعتین فی بیعة" (نبی اکرم ﷺ نے ایک سودے میں دو سودوں سے منع فرمایا ہے) کی شرح میں فرماتے ہیں

وقد فسر بعض اهل العلم، قالوابیعتین فی بیعة ان یقول ابیعک هذا الثوب بنقد بعشرة، وبنسیئة بعشرین، ولا یفارقه احد البیعتین فان فارقه علی احد هما فلا باس اذاکانت العقدة علی احد منهما

﴿ترمذی۔ کتاب البیوع﴾

بعض اہل علم نے اس حدیث کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے کہ "ایک بیع میں دو بیع"(Two contract in one Contract) سے مراد یہ ہے کہ خریدار کہے کہ میں تم کو یہ کپڑا نقد دس درھم میں بیچتا ہوں اور ادھار بیس درھم میں اور ان میں کسی بھی بیع کے تعین پر جدائی نہ ہوئی اور اگر کسی ایک کو متعین کرنے کے بعد جدائی ہوئی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ معاملہ ایک بیع پر طے ہو گیا۔

امام کمال الدین ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

کون الثمن علی تقدیر النقد الفا وعلی تقدیر النسیئة الفین لیس فی معنی الربا۔

﴿فتح القدیر جلد ۶ صفحہ ۸۱ مطبوعہ: المکتبۃ الرشیدیۃ کوئٹہ)﴾

ترجمہ: نقد کی صورت میں ثمن ایک ہزار ہونا اور ادھار کی صورت میں ثمن دو ہزار ہونا سود کے حکم میں نہیں ہے۔

امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے جب یہ دریافت کیا گیا کہ تجارتی غلہ کو ادھار میں موجودہ تجارتی قیمت سے زیادہ میں بیچنا درست ہے کہ نہیں تو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتویٰ دیا کہ درست ہے۔

(فتاوی رضویہ جلد ۷ صفحہ ۴۷ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی)

یونہی اگر کوئی اپنے سامان کی نقد قیمت کچھ بتائے مگر ادھار بیچنے پر کل نقد قیمت کا دس فیصد اضافہ کر کے بیچے اور خریدار اس قیمت پر عقد کے وقت راضی ہو جائے تو بھی جائز ہے۔ مثلاً ایک کتاب سو روپے کی نقد ملتی ہے مگر کتاب کا مالک ادھار خریدنے والے سے کہے کہ اگر ایک ماہ کی ادھار پر لو گے تو اس کی کل قیمت سے دس فیصد زائد دام میں فروخت

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کرونگا یعنی ایک سو دس میں دونگا۔ اگر خریدار اس پر راضی ہوجائے تو یہ بیع درست ہے۔ فقیہ اسلام امام اہلسنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب اسی قسم کا سوال کیا گیا تو آپ نے اس کے جواز کا فتوی دیا جو کہ درج ذیل ہے۔

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ موتی کے بیپاری (بیوپاری) موتیوں کی خرید وفروخت کرتے ہیں قیمت سو روپیہ اور بروقت قیمت (Cash Payment) لینے دینے کے فیصدی دس روپے کم کے حساب سے معاملہ طے ہوتا ہے پھر بھی اگر خریدنے والا نقد روپے ادا کرے تو فیصد پندرہ روپے کم سے معاملہ طے ہوتا ہے ورنہ مہینے تک کی میعاد (Period) کے بعد ادا کرے تو وہی فیصدی دس روپے کم دینے لینے کا رواج ہے۔ ایا (آیا کہ) اسطرح کا معاملہ طے کرنا اور خرید وفروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جبکہ باہمی تراضی (Mutual Agreement) سے ایک امر (Form) متعین (Fix) منقطع (Done) ہو کوئی حرج نہیں قال تعالی الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم۔ واللہ تعالی اعلم۔

﴿فتاوی رضویہ جلد ۷ صفحہ ۲۴۷ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

اسی طرح اگر کوئی اپنے سامان کی قیمت مختلف مدتوں (Different Periods) پر بیچنے کی صورت میں مختلف قیمتیں (Different Prices) بتائے تو بیع درست ہوجائیگی بشرطیکہ بائع ومشتری (Seller & Buyer) کے درمیان اسی وقت کوئی ایک صورت متعین ہوجائے۔ مثلاً اسی کمپیوٹر کو اگر کوئی دکاندار چھ ماہ کی ادھار پر ۲۳۰۰۰ روپے میں دے اور ایک سال کی ادھار پر ۲۴۷۸۰ روپے میں دے اور ڈیڑھ سال کی ادھار پر ۲۵۵۰۰ روپے میں دے اور بائع مشتری (Seller & Buyer) کے درمیان کوئی ایک صورت طے ہوجائے تو بیع درست ہوجائے گی۔ کیونکہ دکاندار اپنی چیز کا مالک ہے شرعاً اس کو یہ حق حاصل ہے کہ جتنے میں چاہے فروخت کرے۔ دنیائے اسلام کے عظیم فقیہ امام اہلسنت مجدد دین وملت اعلیحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالی سے جب اسی قسم کے مسئلے سے متعلق استفتاء کیا گیا تو آپ رحمۃ اللہ تعالی نے اسے درست قرار دیا۔ وہ سوال مع جواب درج ذیل ہے۔

مسئلہ: مبیع (Selling Good) میں زیادت ثمن (Increase of Price) بحسب آجال (According to Time Periods) درست ہے یا نہیں اگر ہے تو بحسب اثمان

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(According to Rates) وآجال (Periods) مختلف ہے یانہیں اگر ہے تو کیا ہے؟

الجواب: درست ہے مع الکراہۃ اور اختلاف (Difference of Prices) تراضی (Agreement) عاقدین (Contractors) پر ہے۔ واللہ تعالی اعلم۔

﴿فتاوی رضویہ جلد ۷ صفحہ ۷۰ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

مذکورہ بالا استفتاء میں دریافت کیا گیا کہ کیا سامان کا ثمن (سامان کی وہ قیمت جو بائع اور مشتری کے درمیان طے ہوجائے) میں مدت کے اعتبار سے زیادتی کرنا جائز ہے یانہیں اگر زیادتی کرنا جائز ہے تو کیا مختلف مدتوں کے مقابلے میں مختلف زیادتی کرنا جائز ہے کہ نہیں اور اگر مختلف مدتوں کے مقابلے میں مختلف زیادتی کرنا جائز ہے تو کتنی زیادتی کرنا جائز ہے۔ تو اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالی عنہ نے جواب ارشاد فرمایا کہ ایسا کرنا جائز ہے مگر اس میں کراہت ہے جس کا مفاد خلاف اولی ہے۔ اور مختلف مدتوں کے مقابلے میں مختلف زیادتی خریدار اور فروخت کرنے والے کی رضامندی پر ہے۔ یعنی جتنی زیادتی (اضافہ) پر وہ دونوں باہم راضی ہوجائیں اتنی زیادتی جائز ہے۔ مذکورہ صورت میں باوجود یہ کہ مدت میں اضافہ کے اعتبار سے چیز کے ثمن میں اضافہ کیا جاتا ہے مگر پھر بھی اس قسم کی خرید وفروخت جائز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فروخت کرنے والا جتنی زیادتی کر رہا ہے وہ اپنی چیز کے مقابلے میں کر رہا ہے لہذا وہ زیادتی عوض سے خالی نہیں ہے اور شریعت نے فروخت کرنے والے کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنی چیز کو جتنے میں چاہے فروخت کرے۔ اور سود تو اس زیادتی (Increase) کا نام ہے جو عوض سے خالی (Without Exchange) ہو اور اسکی عقد (Contract) میں شرط کرلی گئی ہو یا وہ زیادتی (Increase) جو مدت کے مقابلے میں لی جاتی ہو خواہ وہ عقد میں مشروط (Conditioned) ہو یا نہ ہو۔ اسی بیع (Sale Contract) کے طریقہ کار میں ذرا سی تبدیلی کردی جائے تو یہی بیع ناجائز ہوجائیگی۔ مثلاً کوئی شخص اپنی چیز کو اس طرح سے بیچے کہ اس چیز کی قیمت ۱۰۰ روپے ہے مگر چونکہ آپ ادھار لے رہیں تو آپ کو ۱۰ روپے زیادہ دینے ہونگیں۔ یا یوں کہے کہ اس کی قیمت تو ۱۰۰ روپے ہے لیکن ایک مہینے بعد قیمت ادا کرو گے تو ۱۰ روپے زیادہ دینے پڑیں گے۔ اور دو ماہ بعد ادا کرو گے تو ۲۰ روپے اور تین ماہ بعد ادا کرو گے تو ۳۰ روپے زائد دینے پڑیں گے۔ اس صورت میں قیمت سے زائد رقم سود ہے کیونکہ یہ زائد رقم عوض سے خالی ہے یا یہ مدت کے مقابلے میں لی جارہی ہے۔ ایسی صورت میں یہ بیع ہی فاسد (Invalid) ہے۔ بس اس صورت اور جواز کی صورت

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

میں اتنا ہی فرق ہے کہ جواز کی صورت میں جو زائد رقم لی جاتی ہے وہ چیز کے مقابلے میں لی جاتی ہے اور وہ عوض سے خالی نہیں ہوتی اور اس ناجائز صورت میں جو زائد رقم لی جاتی ہے وہ عوض سے خالی ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ سود ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

احل اللہ البیع وحرم الربا

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال فرمایا اور سود کو حرام۔

لہٰذا قسطوں پر سامان خریدنے والے کے لئے لازم ہے کہ ان دونوں صورتوں کے فرق کو اچھی طرح سمجھ لے ورنہ کہیں ایسا نہ ہو وہ اس ناجائز کام میں ملوث ہو جائے۔

(۲) ایک یا چند یا تمام اقساط (Inst-allments) کی وصولی پر سامان کی ادائیگی

عام طور پر قسطوں پر فروخت کیے جانے والے سامان کی ادائیگی سے پہلے فروخت کرنے والے حضرات ایک یا چند اقساط کا پیشگی مطالبہ کرتے ہیں اور یہ شرط بھی رکھتے ہیں کہ سامان تین یا چار دن یا ایک ہفتے بعد حوالے کیا جائیگا۔ قوانین شرعیہ کی رو سے اگر یہ نقد بیع (بیع معجّل) ہو تو سامان کے مالکان کو اختیار حاصل ہے کہ وہ قیمت کی وصولی کے لئے سامان کو روک لیں۔ جیسا کہ علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وللبائع حبس المبیع الی قبض الثمن ولوبقی منه درهم، ولوالمبیع شیئین بصفقة واحدة وسمی لکل ثمنا فله حبسهما الی استیفاء الکل، ولا یسقط حق الحبس بالرهن ولا بالکفیل، ولابابرائه عن بعض الثمن حتی یستوفی الباقی۔

﴿ردالمحتار جلد ۷ صفحه ۹۳ مطبوعه: مکتبه امدادیه ملتان﴾

ترجمہ: فروخت کرنے والے کو ثمن (وہ رقم جو بائع و مشتری کے مابین طے ہوئی ہو) کی وصولی کے لئے مبیع (Sold Good) کو روک لینے کا حق حاصل ہے اگرچہ ثمن میں سے ایک درھم بھی باقی ہو۔ اور اگر مبیع ایک ہی سودے میں دو اشیاء تھیں اور ان میں سے ہر ایک کا ثمن علیحدہ طور پر بیان کر دیا تھا تو بائع کو ثمن کی وصولی کے لئے دونوں اشیاء روکنے کا اختیار حاصل ہے۔ اور بائع کے لئے ثمن کی وصولی کے لئے مبیع کو روک لینے کا حق نہ رھن سے نہ کفیل مقرر کرنے سے اور نہ ہی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بعض ثمن سے بری کر دینے سے ساقط ہوگا جب تک کہ باقی ثمن وصول نہ کر لے۔

— مگر چونکہ قسطوں پر بیع (بیع مؤجل) ادھار ہوتی ہے لہذا شرعی اعتبار سے ان لوگوں کے لئے بیع میں سامان کو روکنے کی شرط لگانا جائز نہیں ہے۔ سامان کو کچھ مدت کے لئے روک لینے کی شرط اس لئے ناجائز ہے کہ یہ شرط فاسد ہے۔ شیخ الاسلام امام برھان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر المرغینانی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں

(ومن باع عينا على ان لا يسلمه الى رأس الشهر فالبيع فاسد) لأن الأجل فى البيع العين باطل فيكون شرطا فاسداوهذا لأن الأجل شرع ترفيهافيليق بالديون دون الأعيان.

﴿هداية آخرين صفحه ٧٠ مطبوعه: مكتبه شركت علميه﴾

ترجمہ: اگر کوئی کسی معین سامان کو اس شرط پر بیچے کہ مہینے کے اختتام تک حوالے نہ کرونگا تو بیع فاسد ہے۔ کیونکہ بیع میں معین شے کی ادائیگی میں مدت مقرر کرنا باطل ہے۔ چنانچہ یہ شرط فاسد ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت میں مدت سہولت کے لئے رکھی گئی ہے چنانچہ وہ دیون (قرض) کے مناسب ہے نہ کہ اعیان (Fixed Things) کے۔

امام کمال الدین محمد بن عبدالواحد رحمہ اللہ تعالی اس کی شرح میں رقم طراز ہیں۔

لأن الأجل فى المبيع العين باطل فيكون شرطا فاسداوهذا لأن الأجل شرع ترفيهافيليق بالديون لأنها ليست معينة فى البيع فيحصل بالأجل الترفيه بخلاف المبيع العين فانه معين حاضر فلا فائدة فى الزامه تاخير تسليمه اذ فائدته الاستحصال به وهوحاصل فيكون اضرارا بالبائع من غير نفع للمشترى.

﴿فتح القدير جلد ٦ صفحه ٨٢ مطبوعه: مكتبه رشيديه كوئٹه﴾

ترجمہ: کیونکہ معین مبیع (Fixed Selling Good) میں مدت باطل ہے چنانچہ یہ شرط فاسد ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مہلت آسانی کے لئے مشروع کی گئی ہے۔ پس وہ دیون کے لائق ہے کیونکہ وہ معین نہیں ہوتے چنانچہ دیون کے سلسلے میں مہلت دینا آسانی کا باعث ہے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بخلاف مبیع معین کے کیونکہ وہ معین وموجود ہوتی ہے پس اسکو دیر سے حوالے کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔اس کا فائدہ تو غیر موجود کو حاصل کرنا ہے اور وہ پہلے سے حاصل ہو تو مبیع میں اجل مقرر کرنے سے فروخت کرنے والے کی طرف سے بلا وجہ کے خریدنے والے کو تکلیف ہو گی۔

اور اگر قسطوں پر سامان فروخت کرنے والے مبیع کو روکنے کی شرط عقد بیع (Sale Contract) میں نہ بھی لگائیں تو بھی انھیں سامان کو روکنا ناجائز ہے۔کیونکہ شریعت نے انھیں یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ بیع مؤجل میں سامان کو کچھ مدت کے لئے روک لیں۔فتاوی عالمگیری میں ہے

قال اصحابنا رحمهم الله تعالى للبائع حق حبس المبيع لاستيفاء الثمن اذا كان حالا، كذا في المحيط، وان كان مؤجلا، فليس للبائع ان يحبس المبيع قبل حلول الأجل ولا بعده، كذا في المبسوط۔

﴿فتاوى عالمگيرية جلد ٣ باب ۴ صفحه ١۵ مكتبه رشيديه﴾

ترجمہ: ہمارے اصحاب رحمہم اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ اگر نقد بیع ہو تو بائع (Seller) ثمن (Agreed Price) کی وصولی کے لئے مبیع کو روک سکتا ہے جیسا کہ محیط میں ہے۔اور اگر ادھار بیع ہو (جیسا کہ قسطوں پر بیع) بائع کو نہ تو مدت کے پورے ہونے سے پہلے اور نہ مدت کے پورے ہونے کے بعد مبیع کا روکنے کا حق ہے۔

جہاں تک ایک یا چند اقساط (Installments) کے پیشگی مطالبہ کا تعلق ہے،اگر عقد بیع کے وقت طے کر لیا گیا تھا کہ ایک یا چند قسطیں فوراً ادا کرنی ہیں تو ان قسطوں (Installments) کی وصولی کے لئے مبیع کو روک سکتا ہے۔

کیونکہ جب ایک یا چند قسطوں کی فوری ادائیگی عقد بیع میں مشروط کر دی گئی تو ثمن کے اتنے حصے میں بیع مؤجل نہ رہی بلکہ بیع معجل ہو گئی اور بیع معجل میں بائع ثمن معجل کی وصولی کے لئے مبیع کو روک سکتا ہے جیسا کہ عالمگیری میں ہے

ولو كان بعض الثمن حالا وبعضه مؤجلا فله حبسه حتى يستوفي الثمن الحال ولو بقي من الثمن شيء قليل كان له حبس جميع المبيع كذا في الذخيرة۔

﴿فتاوى عالمگيرية جلد ٣ باب ۴ صفحه ١۵ مطبوعه: رشيديه﴾

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترجمہ: اور اگر مبیع بعض نقد ثمن (Cash Agreed prices) کے مقابلے میں ہو اور بعض ادھار کے تو بائع کو فوری ثمن کی وصولی کے لئے مبیع کو روک لینے کا حق ہے اور اگر نقد ثمن میں سے قلیل رقم بھی باقی ہو تو اس کو پوری مبیع کو روک لینے کا حق ہے جیسا کہ ذخیرہ میں ہے۔

بہر حال بائع ثمن معجّل کی وصولی تک تو مبیع کو روک سکتا ہے مگر اس کی ادائیگی کے بعد تین یا چار دن یا ہفتہ بھر یا ان مدتوں سے کم یا زیادہ عرصہ کے لئے مبیع کو نہیں روک سکتا جیسا کہ فقیر نے فقہاء کرام کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

اور ایک یا چند یا تمام اقساط کی ادائیگی فوری مشروط (Conditioned) نہ ہو بلکہ ماہ بماہ (Month by Month) ادائیگی مشروط ہو اور سامان کی ادائیگی ان اقساط کی ادائیگی پر موقوف (Depended) ہو تو اس کی مختلف صورتیں ہونگیں۔

اول: اگر ایک قسط کی ادائیگی کی شرط ہے تو اس سے مراد فوری ادائیگی ہی ہوگی کیونکہ ایک ماہ بعد تو بغیر شرط لگائے بھی وصول ہونی تھی۔ اور اسکا حکم وہی ہے جو فقیر اوپر بیان کر چکا یعنی اس کی حیثیت ثمن معجّل کی ہوگی۔ چنانچہ اسکا فوری مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔

دوم: اگر چند یا تمام اقساط کی ماہ بماہ (Month by Month) ادائیگی (یا جو بھی مدت طے ہو) مراد ہو تو اس قسم کی بیع کا شریعت میں کوئی جواز نہیں ہے۔ البتہ بعض باتوں کی وجہ سے یہ بیع سلم کے مشابہ ہے۔ اور بیع سلم نام ہے بیع آجل بعاجل یعنی ادھار چیز کو نقد چیز کے بدلے میں فروخت کرنا۔ مثلاً کوئی کسی کسان سے چند مہینوں کی ادھار پر ۱۰۰۰ کلو گندم خریدے اور قیمت اسی وقت ادا کردے۔ مگر اس قسم کی بیع کے صحیح ہونے کے لئے بارہ شرائط کا پایا جانا ضروری ہے ورنہ حرام و ناجائز ہے جیسا کہ دنیائے اسلام کے عظیم فقیہ محقق علی الاطلاق امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمان فرماتے ہیں۔

بیع سلم کی صحت کی بارہ شرائط ہیں

یہ بارہ شرطوں سے جائز ہوتی ہے اگر ان میں سے ایک بھی کم ہوگئی تو بالکل ناجائز ہو جائے گی۔

بیع سلم کی صحت کی بارہ شرائط

(۱) اس شیء کی جنس (Species) بیان کر دی جائے مثلاً گیہوں یا چاول یا گھی یا تیل اگر ایک عام بات کہی مثلاً غلہ لیں گے تو ناجائز ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(۲) وہ جنس اگر کئی قسم کی ہوتی ہے تو اس کی قسم معین کردی جائے جیسے چاول میں باسمتی، ہنس راج اگر نرے (صرف) چاول کہے بیع صحیح نہ ہوگی۔

(۳) اس کی صفت (Quality) بیان کردی جائے مثلاً عمدہ یا ناقص جیسے چنوں میں فرد یا کیلے۔

(۴) اس کی مقدار معین کردی جائے مثلاً اتنے من اور یہ بات بھاؤ کاٹ دینے سے بھی حاصل ہوجاتی ہے یعنی فی روپیہ اتنے سیر کہ روپوں کی گنتی معلوم ہونے سے کل کی مقدار خود معلوم ہوجائے گی۔ اور جہاں مختلف پسیروں کا رواج ہو وہاں پسیری کی تعین بھی ضروری ہے کہ فلانے پسیری سے اتنے من اور جہاں کچا پکا دونوں من بولا جائے وہاں اس کی تعیین (Fixation) بھی لازم ہے غرض کوئی بات وہ نہ رہے جس میں آئندہ جھگڑا اٹھنے کی صورت ہو۔

(۵) میعاد (Time Period) معین کردی جائے جو ایک مہینہ سے کم نہ ہو اگر تعیین کی مثلاً جب چاہیں گے لےلیں گے یا سفر کو جانا ہو جب پلٹ کر آؤں گا لےلوں گا۔ تو ناجائز ہوگا۔

(۶) اگر وہ چیز بار برداری کی ہے جس کے یہاں سے وہاں لیجانے میں خرچ ہوگا تو وہ جگہ بھی تعیین کی جائے جہاں پہنچنا منظور ہے مثلاً فلاں شہر یا فلاں گاؤں میں پہنچتے ہوئے۔ اس میں بیچنے والے کا اختیار رہے گا کہ اس گاؤں یا شہر کے جس مقام ومحلہ میں چاہے پہونچا دے اور جو مکان بھی خاص کردیا گیا تو وہیں پہونچانا پڑے گا۔

(۷) ثمن (Agreed Price) کی بھی تعیین ہوجائے مثلاً روپے یا اشرفی۔

(۸) اگر وہ ثمن چند قسم کا ہوتا ہے تو قسم بھی معین کردے مثلاً اشرفی محمد شاہی یا انگریزی۔

(۹) کھرے کھوٹے کا بیان بھی ہو جیسے لکھنؤ کا روپیہ یا انگریزی چہرہ دار یا جے پور کی چاندی یا اینٹ کا سونا۔

(۱۰) اگر ثمن اس قسم کا ہے کہ اس کے ہر ٹکڑے کے مقابل شے مبیع کا ٹکڑہ ہوتا ہے جیسے سونا چاندی روپیہ اشرفی کہ گیہوں روپیہ کے من بھر ہوئے تو اٹھنی کے بیس سیر چونی کے دس سیر ہوں گے تو ایسے ثمن کی تعیین مقدار بھی ضروری ہے مثلاً اتنے تولہ چاندی یا اس قدر روپے اور اگر وہاں مختلف

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وزن کے سکے چلتے ہوں جیسے حیدرآباد میں نوابی وانگریزی روپیہ وہاں سکہ کی تعیین بھی چاہیے یہ
دسوں باتیں خاص عقد ایجاب وقبول میں بیان کرنی ضرور ہیں مثال اس کی یہ ہے کہ زید عمرو سے
کہے میں نے تجھ سے بریلی کی تول سے دس من پختہ چاول ہنس راج کھرے بالعوض سو روپے
انگریزی چہرہ دار کے آج سے چار مہینے کے وعدہ پر بریلی پہنچتے ہوئے خریدے وہ کہے میں نے
بیچے یا میں نے تجھے بدایوں کے وزن سے چار من پکا گھی بھینس کا خالص آج سے دو مہینے کے
وعدہ پر مراد آباد پہنچتا ہو بالعوض چھ اشرفی محمد شاہی بیس بیس روپے والی کے خریدا وہ کہے میں نے
بیچا یہ سب باتیں خوب خیال کرلی جائیں کہ لوگوں میں آجکل بیع سلم کا بہت رواج ہے، ان زبانی
شرطوں کے ترک سے حلال کو ناحق اپنے لئے حرام کرلیتے ہیں اور خدا کے گناہ میں گرفتار ہوتے
ہیں۔

(۱۱) شرط یہ کہ اسی جلسہ (Sitting) میں ثمن ادا کردیا جائے ورنہ اگر یہ ساری گفتگو کر کے ثمن
دیئے بغیر متفرق (Separate) ہوگئے تو بنا بنایا عقد فاسد و ناجائز ہوجائیگا۔ یہاں تک کہ اگر
وہاں سے اٹھ کر گھر میں روپے لینے گیا اور بیچنے والے کی نگاہ سے آڑ ہوگئی عقد فاسد ہوگیا۔

(۱۲) وہ چیز اس قسم کی ہو کہ روز عقد (Beginning of Contract) سے ختم میعاد (Time of
Delivery) تک ہر وقت بازار میں مل سکے ورنہ عقد ناجائز ہوگا اسی لئے اگر گیہوں کی کٹوتی
میں یہ لفظ کہہ دئے کہ نئے گیہوں لیں گے اور اس وقت نیا گیہوں بازار میں نہیں تو عقد ناجائز
وگناہ ہے اور اس سبب سے رس (عرق) کی کٹوتی جو ایکھوں کے وقت کرتے ہیں حرام ہوئی کہ
رس اسوقت بازار میں نہیں ہوتا۔

﴿فتاوی رضویہ جلد۷ صفحہ ۲۳۳ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

بیع سلم کی مذکورہ شرائط میں سے شرط نمبر ۶ اور شرط نمبر ۱۱ بیع بالتقسیط (Sale on Installment) میں خاص طور پر مفقود
ہوتی ہے۔ لہذا یہ بیع سلم بھی نہیں۔

شریعت میں دین (Debt) کی توثیق (Guarantee) کے دو ہی طریقے ہیں

اور اگر کہا جائے کہ قسطوں کے کاروبار میں بیع (Sale Contract) کے بعد سامان کو روک کر چند یا تمام قسطوں کی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

پیشگی ادائیگی کا مطالبہ دین کی توثیق (گارنٹی) کے لئے ہوتا ہے جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں۔اقول:اگر دین کی توثیق (Guarantee) کے لئے ہو تو بھی ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔کیونکہ شریعت میں دین کی توثیق کے دو ہی طریقے ہیں کفالت(Bail) یا رہن(Mortgage) جیسا کہ امام اہلسنت فرماتے ہیں۔

شرع مطہر نے دین کی توثیق کے لئے صرف دو عقد رکھے ہیں کفالت و رہن۔

﴿فتاوی رضویہ جلد ۷ صفحہ ۲۷۳ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

اور مال کو کفالت (Bail) کے طور پر روکنا ہرگز درست نہیں کیونکہ کفالت نام ہے ایک کے ذمے جو مطالبہ ہو اسے دوسرے کے ذمے سے ملا دینا۔اور مال غیر ذوی العقول (Whichisnotsensible) میں سے ہے لہذا یہ اس قابل ہی نہیں۔ عالمگیری میں ہے۔

ھی ضم الذمة الی الذمة فی المطالبة

﴿عالمگیری جلد ۳ صفحہ ۲۵۲ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ﴾

ترجمہ: کفالت نام ہے کسی مطالبے کے بارے میں ایک ذمہ سے دوسرے ذمہ کو ملا دینے کا۔

امام اہلسنت رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں

کفالت بے کفیل محال (جو ممکن نہ ہو) اور اس عقد مخترع (ایجاد کیا ہوئے) میں نفس جائداد (Propery itself) کفیل ٹھہرتی ہے نہ مالک جائداد۔اکثر یہ استغراقات صاحب جائداد ان دیون میں کرتا ہے جو خود اس پر ہیں اور کوئی شخص خود اپنا کفیل نہیں ہو سکتا کہ کفالت ہے ضم ذمة الی ذمة کما فی البدائع والهداية وعامة الكتب۔یہاں وہ ذمہ کہاں ہے کہ ایک دوسرے سے ضم (Join) ہو۔

﴿فتاوی رضویہ جلد ۷ صفحہ ۲۷۴ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

مذکورہ بالا عبارات سے واضح ہوا کہ یہ عقد کفالت ہرگز نہیں ہے۔اور اسے رھن کہنا بھی درست نہیں۔کیونکہ مبیع پر قبضہ کیے بغیر ثمن کے بدلے میں بطور رھن کے چھوڑ دینا بعینہ بیع معجّل میں ثمن کے بدلے میں مبیع کو روک لینا ہے جو کہ ناجائز ہے جیسا کہ اس کی وضاحت کی جا چکی ہے۔ البتہ اس کے جواز کی صورت یہ ہے کہ مشتری پہلے اس چیز پر قبضہ کرے پھر اسے بطور رھن بائع کے سپرد کر دے تو اس صورت میں رھن درست ہو جائے گا۔شیخ الاسلام امام برھان الدین علیہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

الرحمۃ فرماتے ہیں۔

ومن اشتری ثوبابدراھم فقال للبائع امسک ھذا الثوب حتی اعطیک الثمن فالثوب رہن۔

﴿ھدایۃ آخرین صفحہ ۵۳۴ مطبوعہ: شرکت علمیہ ملتان﴾۔

ترجمہ: اگر کسی نے کپڑا چند دراھم میں خرید ااور بائع سے کہا کہ جب تک [illegible] کپڑے کو اپنے پاس رکھو تو وہ کپڑا رھن (Mortgage) ہو جائے گا۔

گوکہ اس عبارت میں قبضے کا ذکر نہیں ہے مگر علامہ جلال الدین خوارزمی رحمۃ اللہ تعالی نے اسی عبارت کو [illegible] تمرتاشی رحمہ اللہ تعالی کے قبضے کے ذکر کے ساتھ بیان فرمایا جو کہ درج ذیل ہے۔

وذکر الامام التمرتاشی فی الجامع الصغیر اشتری ثوباوقبضه ثم اعطی البائع وقال له امسک بثمنک او قال له امسکه حتی اعطیک ثمنک فهو رهن۔

﴿الکفایة مع فتح القدیر جلد ۹ صفحه ۹۸_۹۹ مکتبه رشیدیه﴾

ترجمہ: اور امام تمرتاشی رحمہ اللہ تعالی نے جامع صغیر میں ذکر کیا کہ کسی نے کپڑا خرید ااور اس پر قبضہ کرلیا پھر وہ کپڑا بائع کو دے دیا اور کہا اس کپڑے کو ثمن کے بدلے روکے رکھو یا کہا کہ اس کو روکے رکھو یہاںتک کہ میں تمھیں تمھارا ثمن دے دوں۔

پھر اسی مسئلے کی تعلیل (Cause) بیان کرتے ہوئے قبضہ کی صراحت درج ذیل الفاظ میں بھی بیان فرمادی،

لما اشتراه وقبضه کان هو وسائر الاعیان المملوکة سواء فی صحة الرهن۔

﴿الکفایة مع فتح القدیر جلد ۹ صفحه ۹۹ مکتبه رشیدیه﴾

ترجمہ: جب اس نے اس کو خرید لیا اور قبضہ بھی کرلیا تو وہ کپڑا اور دیگر مملوکہ اشیاء رھن کی درستگی کے لئے ایک ہی جیسی ہو جائیں گی۔

لیکن بیع بالتقسیط میں عام طور پر ایسا نہیں ہوتا بلکہ وہ سامان خریدنے کے وقت سے ادائیگی کے وقت تک بائع

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(Seller) ہی کے پاس رہتا ہے۔ چنانچہ اس لحاظ سے بھی قسطوں کے کاروبار کی یہ صورت درست نہیں ہے۔

(۳) عقد بیع کے مکمل ہونے کے باوجود بائع ہی مبیع کا مالک رہے

قسطوں پر سامان فروخت کرنے والے بعض ادارے عقد بیع میں یہ شرط بھی لگاتے ہیں کہ جب تک تمام اقساط کی ادائیگی نہ ہوجائے ادارہ اس کا قانونی مالک رہے گا۔ یہ شرط بھی سراسر ناجائز وحرام ہے۔ بیع کا معنی ہی مبادلة المال بالمال بالتراضی یعنی رضامندی سے مال کا تبادلہ (Exchange) مال سے کرنا ہے۔ اور اس کا حکم یہ ہے بیع کے بعد مبیع بائع کی ملکیت سے نکل کر مشتری (Buyer) کی ملکیت میں داخل ہوجاتی ہے اور ثمن (Agreed Price) مشتری کی ملکیت سے نکل کر بائع کی ملکیت میں داخل ہوجاتا ہے۔ علامہ اکمل الدین بابرتی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں۔

وحكمه افادة الملك وهو القدرة على التصرف فى المحل شرعا

الكفاية مع فتح القدير جلد ۵ صفحه ۴۵۵ مطبوعة: مكتبه رشيديه

ترجمہ: بیع کا حکم افادہ ملکیت ہے اور وہ شرعاً محل بیع میں تصرف کرنے کی قدرت کا نام ہے۔

خاتم المحققین علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں۔

(وحكمه ثبوت الملك) أى فى البدلين لكل منهمافى بدل، وهذا حكمه الأصلى، والتابع وجوب تسليم المبيع والثمن

﴿ردالمحتار جلد۷ صفحه ۱۲ مطبوعه: مكتبه امداديه ملتان﴾

ترجمہ: بیع کا حکم ملکیت کا ثابت ہونا ہے یعنی بدلین (تبادلہ کی جانے والے دونوں اشیاء) میں اور یہ بیع کا حکم اصلی ہے اور اسکی تبعیت میں مبیع اور ثمن کو حوالے کرنا واجب ہوجاتا ہے۔

امام اہلسنت اعلیحضرت عظیم البرکت فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں

بیع ایجاب وقبول سے تمام ہوجاتی ہے چیز بائع کے ملک سے نکل کر مشتری کے ملک میں داخل ہوجاتی ہے

﴿فتاوی رضویہ جلد۷ صفحہ۲ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

مذکورہ بالا عبارات سے ظاہر ہوا کہ قسطوں پر کاروبار کرنے والے حضرات کو اس قسم کی شرائط لگانے کا کوئی حق حاصل نہیں

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہے بلکہ یہ شرط فاسد ہے جو بیع کو ناجائز کردے گی۔ نیز اس قسم کی شرط لگانا انتہائی بے وقوفی کی بات ہے۔ علماء فرماتے ہیں صبی لا یعقل (یعنی وہ بچہ جو بیع وشراء کی عقل نہیں رکھتا) کی یہ پہچان ہے کہ مبیع لے کر کہے کہ میرے پیسے واپس کرو۔ اس سے مشابہ قسطوں پر کاروبار کرنے والے ان حضرات کا معاملہ ہے جو کہتے ہیں کہ بیع ہونے کے باوجود مبیع ان کی ملکیت میں رہے گی۔

قسط کی ادائیگی میں تأخیر کرنے سے مہلت ختم کردینا

قسطوں پر سامان بیچنے والے بعض حضرات یہ شرط بھی لگادیتے ہیں کہ اگر خریدار قسطوں کی ادائیگی میں تاخیر یا غفلت کرے گا تو تمام قسطیں فوری طور پر ادا کرنی ہوں گی۔ فقہاء احناف رحمہم اللہ تعالی نے اس شرط کو جائز قرار دیا ہے۔ علامہ علاؤالدین الحصکفی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں

علیہ ألف ثمن جعلہ ربہ نجوما ان اخل بنجم حل الباقی فالأمر کما شرط۔

﴿الدرالمختار مع ردالمحتار جلد ۷ صفحہ ۵۴ مطبوعہ امدادیہ﴾

ترجمہ: اگر مشتری پر ثمن کے ہزار درھم آتے ہوں اور بائع اس کو قسط وار کردے اور کہہ دے کہ اگر کسی قسط میں تاخیر ہوئی تو باقی رقم فورا دینا ہوگی پس یہ شرط درست ہے۔

(۴) ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے جرمانہ لگانا

مگر قسطوں پر سامان فروخت کرنے والے حضرات کا معاملہ باقی اقساط کی فوری ادائیگی کے مطالبے تک محدود نہیں رہتا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ باقی اقساط کے فی صد کے اعتبار سے جرمانہ بنام لیٹ پیمنٹ سرچارج لگادیتے ہیں یا روزانہ کی تاخیر کے اعتبار سے ایک مخصوص رقم پینالٹی (Penalty) کے نام سے عائد کردیتے ہیں۔ حالانکہ یہ سراسر سود ہے خواہ وہ اسکا کوئی سا بھی نام رکھ دیں۔ اور یہ سود کی وہی قسم ہے جو نزول قرآن کے وقت کفار عرب میں رائج تھی۔ اللہ جل شانہ نے سود کو حرام فرمادیا اور سود کے لینے والوں کے بارے میں فرماتا ہے۔

یاایھاالذین آمنوا اتقوااللہ وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مؤمنین۔ فان لم تفعلوافاذنوابحرب من اللہ ورسولہ۔

﴿سورۃ البقرۃ آیت ۲۷۸۔ ۲۷۹﴾

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود اگر مسلمان ہو پھر اگر ایسا نہ کرو تو یقین کرلو اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑائی کا۔

﴿ کنز الایمان ﴾

اس آیت مبارکہ میں واشگاف لفظوں میں بتادیا گیا ہے کہ سود لینے والے سے اللہ تعالی اور اسکے رسول ﷺ کی جنگ ہے۔ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے

الذین یأکلون الربوا لایقومون الا کما یقوم الذی لایتخبطه الشیطان من المس۔ ذلک بانهم قالوا انما البیع مثل الربوا۔ واحل الله البیع وحرم الربوا۔

﴿ سورۃ البقرۃ آیت ۲۷۵ ﴾

ترجمہ: اور وہ جو سود کھاتے ہیں قیامت کے دن نہ کھڑے ہونگے مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ جسے آسیب نے چھو کر مخبوط بنادیا ہو اس لئے کہ انھوں نے کہا بیع بھی سود کے مانند ہے اور اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود۔

(کنز الایمان)

اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے

یمحق الله الربوا ویربی الصدقات ۔ والله لایحب کل کفار اثیم۔

﴿ سورۃ البقرۃ آیت ۲۷۶ ﴾

ترجمہ: اللہ ہلاک کرتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو اور اللہ کو پسند نہیں آتا کوئی ناشکرا بڑا گنہگار۔

﴿ کنز الایمان ﴾

احادیث مبارکہ میں سود لینے کو زنا سے بدتر قرار دیا گیا ہے۔ امام اہلسنت نے فتاوی رضویہ شریف میں سود کی مذمت میں کثیر احادیث رقم فرمائیں ہیں ان میں سے چند پیش کی جاتی ہیں۔

حدیث (۱)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

فرماتے ہیں ﷺ من اکل درهما من ربوافهو مثل ثلث وثلثین زنیة ومن نبت لحمه من سحت فالنار اولی به۔ ایک درم سود کا کھانا تینتیس زنا کے برابر ہے اور جس کا گوشت حرام سے بڑھے نار جہنم اس کی زیادہ مستحق ہے۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط والصغیر وصدرہ ابن عساکر عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنهما۔

حدیث (۳)

کہ فرماتے ہیں ﷺ لدرهم یصیبه الرجل من الربوٰا اعظم عندالله من ثلثة وثلثین زنیة یزنیهافی الاسلام بے شک ایک درہم کہ آدمی سود سے پائے اللہ عزوجل کے نزدیک سخت تر ہے تینتیس زنا سے کہ آدمی اسلام میں کرے الطبرانی الکبیر عن عبدالله بن مسعود وایضا عبدالله بن سلام رضی الله تعالی عنهما۔

حدیث (۴)

کہ فرماتے ہیں ﷺ درهم ربا یاکله الرجل وهو یعلم اشدعند الله من ستة وثلثین زنیة سود کا ایک درہم کہ آدمی دانستہ کھائے اللہ تعالی کے نزدیک چھتیس بار زنا سے سخت تر ہے رواہ احمد بسند صحیح والطبرانی فی الکبیر عن عبدالله بن حنظلة غسیل الملائکة

حدیث (۵)

کہ فرماتے ہیں ﷺ ان الدرهم یصیبه الرجل من الربوٰا اعظم عند الله فی الخطیئة من ست وثلثین زنیة یزنیها الرجل۔ ایک درہم کہ آدمی سود سے پائے اللہ کے نزدیک مرد کے چھتیس بار زنا کرنے سے گناہ میں زیادہ ہے رواہ ابن ابی الدنیا فی ذم الغیبة والبیهقی عن انس رضی الله تعالی عنه۔

حدیث (۶)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

فرماتے ہیں ﷺ لدرهم ربا اشد جرما عندالله من سبعة وثلثين زنية بے شک سود کا ایک درہم اللہ عزوجل کے یہاں سینتیس زنا سے بڑھ کر جرم ہے رواه الحاكم في الكنى عن ام المؤمنين الصديقة رضى الله تعالى عنها۔

حديث (۷)

فرماتے ہیں ﷺ الربا سبعون حوبا ايسرها كالذى ينكح امه وفى رواية سبعون بابا ادناها كالذى يقع على امه۔ سود ستر گناہ ہے ان سے آسان تر اس شخص کی طرح ہے جو اپنی ماں پر پڑے رواه ابن ماجة وابن ابى الدنيا فى ذم الغيبة وابن جرير وروا ه البيهقى بسند لاباس به باللفظ الثانى كلهم عن ابى هريرة رضى الله تعالى عنه۔

﴿فتاوی رضویہ جلد ۷ صفحہ ۸۰،۸۱ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

مندرجہ بالا آیات مبارکہ اور احادیث کریمہ سے معلوم ہوا کہ سود لینا مطلقا حرام خواہ مشتری (Buyer) جان بوجھ کر قسط کی ادائیگی میں تاخیر کرے یا واقعی مجبور و تنگ دست ہو۔ اگر مشتری تنگ دست ہو تو اسے مہلت دینی چاہیے کہ قرآن مجید اور حدیث نبویہ علی صاحبھا الصلوۃ والتسلیم میں یہی حکم ہے۔ اللہ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے۔

وان كان ذو عسرة فنظرة الى ميسرة۔ ﴿سورۃ البقرۃ آیت ۲۸۰﴾

ترجمہ: اور اگر قرضدار تنگی والا ہے تو اسے مہلت دو آسانی تک۔ ﴿کنز الایمان﴾

امام مسلم رحمہ اللہ تعالی روایت کرتے ہیں

اجتمع حذيفة وابومسعود رضى الله تعالى عنهما فقال حذيفة رجل لقى ربه عزوجل فقال ما عملت قال ماعملت من الخير الا انى كنت رجلا ذا مال فكنت اطالب به الناس فكنت اقبل الميسور واتجاوز عن المعسور فقال تجاوزوا عن عبدى قال ابومسعود رضى الله تعالى عنه هكذا سمعت رسول الله ﷺ يقول۔

﴿الصحيح لمسلم باب: فضل انظار المعسر والتجاوز فى

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

الاقتضاء من الموسر والمعسر۔﴾

ترجمہ: حضرت حذیفہ اور ابو مسعود رضی اللہ تعالی عنہما کی ملاقات ہوئی تو حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا ایک آدمی کی ملاقات اپنے رب عزوجل سے ہوئی۔ رب تعالی نے فرمایا تم نے کیا عمل کیا ہے۔ اس نے عرض کی میں نے کوئی نیکی کا کام نہیں کیا سوائے یہ کہ میں ایک مالدار آدمی تھا میں لوگوں کو قرض دے کر لوگوں سے واپس لیا کرتا تھا پس میں مالدار سے لے لیا کرتا تھا اور تنگ دست سے درگذر کیا کرتا تھا۔ اللہ تعالی نے فرمایا کہ میرے بندے سے درگذر کرو۔ حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے ہی فرماتے ہوئے سنا ہے۔

اور اگر مشتری خواہ مخواہ قسط کی ادائیگی میں تاخیر کر رہا ہے تو وہ حرام کا مرتکب ہے۔ اور ایسا کرنا سراسر ظلم ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا

مطل الغنی ظلم

ترجمہ: مالدار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ ﴿صحیح بخاری کتاب الاستقراض﴾

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ سود نہیں ہے بلکہ تعزیر ہے اور شرعاً تعزیر کرنا جائز ہے اور اگر مدیون پر اس قسم کی سختی نہ کی جائے تو وہ قرض کی ادائیگی کی بالکل پرواہ نہیں کرتے۔ مگر ان حضرات کا ایسا کہنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ یہ سود ہی ہے کہ اس پر سود کی تعریف پوری پوری صادق آتی ہے۔ کہ ربوا (Usury) کی مشہور تعریف "فضل مال خال عن عوض شرط لأحد المتعاقدين من معاوضة مال بمال. یعنی عوض سے خالی ایسی زیادتی جو مال سے مال کے تبادلے میں متعاقدین میں سے کسی ایک کے لئے شرط کی گئی ہو اور قسطوں کے کاروبار میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ مشتری سے پہلے ہی شرط طے کر لی جاتی ہے کہ اگر وہ تاخیر کرے گا اسے بنام جرمانہ ایک مخصوص رقم دینا ہوگی۔ اور اگر بالفرض اسے تعزیر بھی مان لیا جائے تو بائع کو یہ حق کیسے پہنچتا ہے کہ وہ لوگوں کو تعزیر کرتا پھرے بلکہ یہ تو قاضی شرعی کا کام ہے بلکہ قاضی کو بھی اس بات کا اختیار نہیں ہے کہ وہ تعزیر بالمال کا حکم جاری کرے۔ کیونکہ تعزیر بالمال جائز نہیں ہے۔ علامہ علاؤالدین حصکفی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں۔

لا بأخذ مال فی المذهب.

﴿الدر المختار مع رد المحتار جلد ۷ صفحہ ۱۰۵ مطبوعہ: مکتبہ امدادیہ ملتان﴾

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں

والحاصل ان المذهب عدم التعزير بأخذ المال۔

﴿ردالمحتار جلد ۷ صفحه ۱۰۶ مطبوعه: مكتبه امداديه ملتان﴾

بحث کا حاصل یہ کہ مذہب احناف میں تعزیر بالمال جائز نہیں۔

بہر حال بیع بالتقسیط کرنے والوں کے لئے کسی طور جائز نہیں ہے کہ وہ لوگوں سے جرمانے یا لیٹ پیمنٹ سرچارج کے نام سے سود وصول کریں۔ اور اسی طرح لوگوں کے لئے بھی ان شرائط پر سامان خریدنا جائز نہیں ہے۔

(۵) تمام ثمن کی ادائیگی طے شدہ وقت سے پہلے کیے جانے کی صورت میں مدت استعمال کے کرایہ کی ادائیگی کی شرط

قسطوں پر کاروبار کرنے والے بعض حضرات یہ شرط بھی لگا دیتے ہیں کہ اگر بائع ثمن کی ادائیگی طے شدہ وقت سے پہلے کریگا تو اسے مدت استعمال کا تمام کرایہ یا اسکا کچھ حصہ بھی ادا کرنا ہوگا۔ قوانین شرعیہ کے اعتبار سے طے شدہ مدت سے پہلے ادائیگی کی صورت میں مدت استعمال کے کرایہ کی شرط پر عقد کرنا ناجائز وحرام ہے۔ اور یہ شرط فاسد ہے کہ اس میں بائع کے لئے نفع ہے۔ شیخ الاسلام امام برہان الدین المرغینانی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں

وكل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لاحد المتعاقدين او للمعقود عليه وهو من اهل الاستحقاق يفسده كشرط ان لا يبيع المشترى العبد المبيع لان فيه زيادة عارية عن العوض فيؤدى الى الربوا او لانه يقع بسببه المنازعة فيعرى العقد عن مقصوده الا ان يكون متعارفا۔

﴿هداية آخرين صفحه ۵۹ مطبوعه: شركت علميه ملتان﴾

ترجمہ: بیع کو فاسد کردے گی ہر وہ شرط جسکا عقد تقاضا نہ کرے اور اس میں متعاقدین میں سے کسی ایک کے لئے یا معقود علیہ کے لئے نفع ہو درآنحالیکہ معقود علیہ اہل استحقاق میں سے ہو جیسے کہ مشتری مبیع غلام کو نہیں بیچے گا کیونکہ اس میں ایسی زیادتی ہے جو عوض سے خالی ہے پس وہ سود کی طرف لے جائے گی یا اس کے سبب سے جھگڑا ہوگا جس کی وجہ سے عقد بیع مقصود سے خالی ہو جائیگا سوائے یہ کہ وہ شرط متعارف ہو۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

پھر اسی مسئلے کی مثالیں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں

کذلک باع لوعبدا علی ان یستخدمه البائع شهرا او دارا علی ان یسکنها او علی ان یقرضه المشتری درهما او یهدی له هبة لانه شرط لایقتضیه العقد وفیه منفعة لاحد المتعاقدین لانه نهی عن بیع وسلف لانه لوکان الخدمة والسکنی یقابلها الشئی من الثمن یکون اجارة فی بیع ولوکان لایقابلها یکون اعارة فی بیع وقد نهی النبی عن صفقتین فی صفقة۔

﴿ھدایة آخرین صفحه ۷۰ مطبوعه: شرکت علمیه ملتان﴾

ترجمہ: اسی طرح اگر کسی نے غلام بیچا کہ وہ بائع کی ایک ماہ خدمت کرے گا یا گھر بیچا اس شرط پر کہ بائع اس میں رہے گا۔ یا کہ مشتری اس کو درھم قرض دے گا یا مشتری اسکو تحفہ دے گا کیونکہ یہ ایسی شرط ہے کہ جس کا عقد تقاضا نہیں کرتا اور اس میں متعاقدین میں سے کسی ایک کے لئے نفع ہے اور نبی کریم ﷺ نے بیع اور ادھار سے منع فرمایا ہے اور کیونکہ خدمت اور رھائش کے مقابلے میں ثمن میں سے کچھ ہو تو بیع میں اجارہ ہوگا اور ثمن میں سے کچھ بھی انکے مقابلے میں نہ ہو تو بیع میں عاریت ہوگی اور تحقیق نبی کریم ﷺ نے ایک سودے میں دو سودوں سے منع فرمایا ہے۔

قسطوں کے کاروبار میں مذکورہ بالا صورت میں یہی معاملہ ہے کہ بیع کے ساتھ کرایہ کی شرط لگائی جاتی ہے اور ایک سودے میں دو سودے کے جاتے ہیں۔ لہذا ایسا کرنا ناجائز ہے۔ اور اس بیع کا ختم کرنا واجب ہے۔ شیخ الاسلام امام برھان الدین المرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

اذ ھو واجب الرفع بالاسترداد

﴿ھدایة آخرین صفحه ۶۳ مطبوعه: شرکت علمیه ملتان﴾

ترجمہ: (مبیع و ثمن) لوٹا کے اس بیع کو فسخ کرنا واجب ہے۔

(۶) دین کی جلد ادائیگی کی صورت میں کم لینے کی شرط

قسطوں پر سامان فروخت کرنے والے بعض حضرات یہ شرط بھی لگا دیتے ہیں کہ ثمن مقررہ وقت سے پہلے ادا کیے جانے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کی صورت میں صرف اتنی ہی قیمت وصول کی جائے گی جو کہ نقد فروخت کرنے کی صورت میں تھی۔اس میں مشتری کا نفع ہے اور قوانین شریعت کے تحت اس قسم کی شرط دین مؤجل کی صورت میں لگانا جائز نہیں ہے۔اور یہ سود ہی کی صورت ہے۔اور اس شرط پر سامان خریدنا حرام ہے۔امام ابوبکر جصاص رازی رحمۃ اللہ تعالی فرماتے ہیں

الرجل یکون علیه الف درهم دین مؤجل فصالحه منه علی خمس مائة حالة فلا یجوز۔ وقد روی سفیان عن حمید عن میسرة قال سألت ابن عمر یکون لی علی الرجل الدین الی اجل فاقول عجل لی ا وضع عنک فقال هو ربا وروی عن زید بن ثابت ایضا النهی عن ذلک وهو قول سعید ابن جبیر والشعبی والحکم وهو قول اصحابنا وعامة الفقهاء۔

﴿احکام القرآن جلد ا صفحه ۴۶۷ مطبوعه: دارالفکر بیروت﴾

ترجمہ: کسی آدمی پر ایک ہزار دین مؤجل (ادھار) ہوں پس وہ دائن (قرض خواہ) سے پانچ سو درھم نقد پر صلح کرلے تو جائز نہیں۔سفیان نے حمید سے اور انھوں نے میسرۃ سے روایت کی کہ وہ کہتے ہیں میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے سوال کیا کہ اگر میرا کسی شخص پر دین مؤجل ہو اور میں اس سے کہوں کہ دین جلد ادا کردو تو میں دین میں سے کچھ چھوڑ دونگا تو انھوں نے جواب دیا کہ وہ سود ہے۔حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ تعالی سے بھی اس کے بارے میں ممانعت روایت کی گئی ہے اور یہی سعید ابن جبیر، شعبی، حکم، ہمارے اصحاب اور عامۃ الفقہاء رحمھم اللہ تعالی کا قول ہے۔

البتہ اگر جلدی ادا کرنے کی صورت میں دین کو کم کرنے کی شرط نہ لگائی گئی ہو بلکہ دائن تبرعا (رضا کارانہ) دین میں سے کچھ کم کردے تو جائز ہے۔ امام ابوبکر جصاص رازی رحمۃ اللہ تعالی فرماتے ہیں

ومن اجاز من السلف اذا قال ، عجل لی اوضع عنک، فجائز ان یکون اجازوه اذا لم یجعله شرطا فیه، وذلک بان یضع عنه بغیر شرط ویعجل الاخر الباقی بغیر شرط۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

﴿احکام القرآن جلد ۱ صفحہ ۴۶۷ مطبوعہ: دارالفکر بیروت﴾

ترجمہ: اور بزرگوں میں سے جن حضرات نے اس کی اجازت دی ہے اور کہا کہ اگر کوئی کہے دین جلد ادا کر دو کچھ کم کر دونگا تو جائز ہے تو بظاہر اس صورت میں جائز ہے جبکہ اس نے کمی کی شرط نہ لگائی ہو اور وہ اس طرح سے کہ دائن بغیر شرط کے اس میں کمی کردے اور مدیون باقی دین بغیر شرط کے فوراً ادا کردے۔

(۷) سامان کا بیمہ (Insurance)

عام طور پر بینک یا بعض دیگر ادارے سودا طے ہونے کے بعد سامان کے ضائع ہونے کے خوف سے سامان کا بیمہ (Insured) کروالیتے ہیں۔ اس طرح سے قسطوں پر سامان فروخت کرنے والے ادارے مال کے ضائع ہونے کی صورت میں ہونے والے ممکنہ نقصان (Probable loss) سے بچاؤ کی صورت کرلیتے ہیں۔ مگر قانون شریعت کی رو سے بیمہ ایک ایسا عقد ہے جو سود (Usury) اور جوے (Gambling) پر مشتمل ہے۔ بیمہ کا سود ہونا تو نہایت واضح ہے کہ جب بیمہ کی تمام اقساط (Premium) ادا کردی جاتی ہیں تو بیمہ کمپنی اس شخص کو اس کی ذاتی رقم زیادتی (Increase) کے ساتھ واپس کرتی ہے۔ اور یہ زیادتی بلاعوض ہوتی ہے اور شروع ہی میں طے کرلی جاتی ہے۔ اور یہ کھلم کھلا سود ہے جیسا کہ سود کی وضاحت گزشتہ صفحات (Previous Pages) میں کی گئی ہے۔ اور یہ جوا اس لئے ہے کہ بیمہ پالیسی کے شروع میں اگر بیمہ پالیسی ہولڈر کچھ اقساط باقاعدگی سے نہ جمع کرواسکے تو بیمہ کمپنی اس کی جمع شدہ رقم دبالیتی ہے اور اس کی پالیسی ختم کردی جاتی ہے۔ چنانچہ بیمہ پالیسی ہولڈر جب بیمہ پالیسی خریدتا ہے تو اپنی رقم کو داؤ پر لگاتا ہے کہ اگر ابتدائی اقساط (Premium) ادا کردیں تو پالیسی کا مال زیادتی (Increase) کے ساتھ مل جائے گا ورنہ اپنا مال بھی جاسکتا ہے۔ اور اسی کا نام جوا ہے۔ چنانچہ ایسی ناجائز شرائط کی موجودگی میں خرید وفروخت کرنا ناجائز وحرام۔

ھٰذا ما ظھر لی والعلم بالحق عندالله ورسوله عزوجل و صلی الله علیه وآله واصحابه وبارک وسلم.

کتبہ: محمد ابوبکر صدیق عطاری ۱۰ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اکٹھی تین طلاق کا شرعی حکم

وھابیہ زمانہ کی فریب کاری کا قرآن وسنت
اور اقوال ائمہ کی روشنی میں جواب

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلے میں کہ زید کہتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک ہی وقت میں تین سے زائد مرتبہ بھی طلاق کے الفاظ کہہ دے تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی اور کیا غصے کی حالت میں ایک ہی سانس میں بغیر رکے طلاق کے الفاظ کئی مرتبہ ادا کرے تو کیا طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی اور دلیل میں یہ پیش کرتا ہے۔

مسند احمد میں تحریر ہے کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ہی مجلس میں دے دیں۔ اور پھر پچھتانے لگے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تم نے اسے کیسے طلاقیں دیں؟ عرض کیا حضور ﷺ میں نے اسے تین طلاقیں دے دیں ہیں۔ آپ ﷺ نے پھر ارشاد فرمایا ایک ہی مجلس میں؟ انہوں نے جواب دیا ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ اس سے رجوع کرلو چنانچہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے رجوع کرلیا۔

وسیم احمد عطاری

گلشن شمیم فیز ۲، یسین آباد عزیز آباد نمبر ۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الوهاب

اللهم هداية الحق والصواب

ایک ہی مجلس میں تین مرتبہ یا تین سے زائد مرتبہ طلاق دینے سے تین طلاق واقع ہو جاتی ہیں۔ خواہ یہ طلاق ایک ہی جملہ سے واقع کی گئی ہو یعنی تجھے تین طلاق یا متعدد جملوں سے خواہ ایک ہی سانس میں واقع کی گئی ہوں یا متعدد سانسوں میں۔ بہر حال تین طلاق دینے سے تین ہی طلاق واقع ہونگیں نہ کہ ایک۔ یہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد اور حدیث پاک میں مذکور اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے نزدیک مقبول ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فان طلقهافلا تحل له حتى تنكح زوجا غيره

﴿بقرة ۲۳۰﴾

ترجمہ: پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کے پاس نہ رہے۔

﴿کنز الایمان﴾

اس آیت مبارکہ سے پہلے دوطلاق کا ذکر ہے الطلاق مرتان۔ یعنی دوطلاق تک تو رجوع جائز ہے۔ پھر اس کے بعد فرمایا کہ اگر شوہر تیسری طلاق دے تو بغیر حلالہ شرعیہ کے رجوع جائز نہیں ہے۔ اور یہ آیت طیبہ بھی "ف" سے شروع ہوتی ہے۔ اور فاء عربی زبان میں تعقیب بلا مہلت کے آتا ہے۔ چنانچہ آیت طیبہ کا معنی یہ ہوگا کہ اگر شوہر فوراً تیسری طلاق دیدے...................." لھذا آیت مبارکہ تو اس بات کی دلیل ہے کہ اگر تین طلاقین ایک ساتھ دی جائیں تو وہ ضرور واقع ہوجائینگی۔ اسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی اسی بات کی صراحت ہے کہ تین طلاقین ایک ساتھ واقع کرنے سے تین طلاقین ہی واقع ہوتی ہیں نہ کہ ایک۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث لعان کو مختلف اسانید سے روایت کیا ہے۔ ان میں سے ایک حدیث شریف درج ذیل ہے۔

"قال سهل فتلاعنا وانا مع الناس عند رسول الله ﷺ فلما فرغا من تلاعتها قال عويمر كذبت عليها يارسول الله ان امسكتها تطلقها ثلاثا قبل ان يامره رسول الله ان امسكتهاتطلقها ثلاثا قبل ان يامره رسول الله ﷺ"

﴿صحیح بخاری ج۲ص۲۰۰﴾

حضرت سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں نے مسجد میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے لعان کیا اور میں بھی لوگوں کے ساتھ موجود تھا پس جب وہ دونوں لعان سے فارغ ہوگئے تو حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ اب اگر میں اسے اپنے پاس رکھوں تو جھوٹا ہوں۔ لھذا انھوں نے سرکار ﷺ کے حکم دینے سے پہلے ہی تین طلاقیں دیدیں"۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام میں یہ بات مشہور ومعروف تھی کہ بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دینے سے بیوی نکاح سے نکال جاتی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے تفریق کے لیے سرکار

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ﷺ کے سامنے تین طلاقیں دیں۔ اگر ایک ساتھ تین طلاقیں دینے سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی تو صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فعل عبث ہوتا اور نبی کریم ﷺ اس سے فرماتے کہ تین طلاقیں ایک ساتھ دینے سے واقع نہیں ہوتی ہے بلکہ ایک ہی ہوتی ہے۔ اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات وہابیہ کے خود ساختہ مسئلے پر کاری ضرب لگاتی ہیں اور صراحۃً واضح فرماتیں ہیں کہ تین طلاقیں دینے سے تین ہی واقع ہوتی ہیں۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

عن سهل بن سعد فی هٰذا الخبر قال فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله ﷺ فانفذه رسول الله ﷺ۔

﴿سنن ابی داؤد ج ا ص ۳۰۶﴾

ترجمہ: حضرت سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پھر عویمر رضی اللہ عنہ نے رسول مکرم ﷺ کے سامنے ایک ساتھ تین طلاقیں دیں تو رسول اللہ عزوجل و ﷺ نے انھیں نافذ فرمادیا۔

امام نسائی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں۔

عن مخرمة عن ابيه قال سمعت محمود بن لبيد قال اخبر رسول الله ﷺ عن رجل طلق امرأته ثلاث تطليقات جميعا فقام غضبانا ثم قال ايلعب بكتاب الله وانا بين اظهركم حتى قام رجل وقال يا رسول الله الا اقتله۔

﴿سنن نسائی ج ۲ ص ۱۸۱﴾

ترجمہ: محمود بن لبید روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو ایک شخص کہ بارے میں خبر دی گئی کہ اس نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دیں تھیں تو نبی کریم ﷺ غضب میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ میرے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو کھیل بنایا جا رہا ہے۔ حتیٰ کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے اجازت طلب کی کہ کیا میں اس شخص کو قتل نہ کردوں؟

اس حدیث شریف سے بھی یہی ظاہر کہ تین طلاقیں ایک ساتھ دینے سے تین طلاقیں واقع ہو جاتیں ہیں اگرچہ یہ فعل بدعت و ناجائز ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اسی طرح صحابہ کرام کے آثار اور اقوال تابعین بھی مسلک وہابیہ پر قیامت ڈھاتے ہیں۔ اور ثابت کرتے ہیں کہ تین طلاقوں کو ایک سمجھنا نئی ایجاد ہے اور اللہ عزوجل کے حرام کو حلال کرنا ہے۔ امام عبدالرزاق اپنی مصنف میں روایت کرتے ہیں۔ یہی حدیث شریف صحیح مسلم میں بھی ہے

۱۔ عن سالم عن ابن عمر قال من طلق امرأته ثلثا طلقت وعصی ربه۔

ترجمہ: سالم حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنھم سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں وہ واقع ہو جائینگیں اور اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔

﴿المصنف ج۶ ص ۳۶۵، صحیح مسلم ج۱ ص ۴۷۶﴾

۲۔ قال مجاهد عن ابن عباس قال قال له رجل یا ابا عباس طلقت امرأتی ثلثا فقال ابن عباس یا ابا عباس یطلق احدکم فیستحق، ثم یقول یا ابا عباس! عصیت ربک وفارقت امرأتک

﴿المصنف ج۶ ص ۳۸۷﴾

ترجمہ: مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے بیان کیا کہ ان سے ایک شخص نے کہا اے ابو عباس میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں۔ حضرت ابن عباس نے طنزاً فرمایا: یا ابا عباس! پھر فرمایا تم میں کوئی شخص حماقت سے طلاق دیتا ہے پھر کہتا ہے اے ابو عباس تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہوگئی۔

امام ابوبکر بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ روایت فرماتے ہیں

۳۔ عن واقع بن سحبان قال سئل عمران بن حصین عن رجل طلق امرأته ثلاثا فی مجلس قال اثم بربه فحرمت علیه امرأته۔

﴿مصنف ابن ابی شیبہ ج۵ ص ۱۱﴾

ترجمہ: واقع بن سحبان روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے ایسے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

شخص کے بارے میں معلوم کیا گیا کہ جس نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دیں۔
آپ نے جوابا ارشاد فرمایا کہ اس نے رب کی نافرمانی کی مگر اس کی بیوی اس پر حرام ہوگئی ہے۔

۴۔ عن انس قال كان عمر اذا اتى برجل قد طلق امرأته ثلاثا فى مجلس اوجعه ضربا و فرق بينهما۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی ایسا شخص لایا جاتا کہ جس نے اپنی زوجہ کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دی ہوتی تو آپ اسکو مارتے اور ان دونوں کے درمیان تفریق کر دیتے۔

۵۔ عن الظهرى فى رجل طلق امراته ثلاثا جميعا قال ان من فعل فقد عصى ربه وبانت من امراته ۔

﴿مصنف ابن ابی شیبہ ج۵ص۱۱﴾

ترجمہ: زھری کہتے ہیں کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں تو اسنے گناہ کا کام کیا اور اس کی عورت اس سے جدا ہو جائے گی۔

۶۔ عن علقمة عن عبدالله انه سئل عن رجل طلق امرأته مائة تطليقات قال احرمها ثلث وسبعة و تسعون عدوان۔

﴿مصنف ابن ابی شیبہ ج۵ص۱۱﴾

ترجمہ: علقمہ روایت کرتے ہیں کہ جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا کہ جس نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہوں تو آپ نے فرمایا تین طلاقوں نے اس کی بیوی کو اس پر حرام کر دیا اور ۹۷ ستانوے طلاقیں حد سے تجاوز ہیں۔

۷۔ عن حبيب قال جاء رجل الى على فقال انى طلقت امرأتى الفا قال، بانت منك بثلاث واقسم سائرها بين نسائك ۔

﴿مصنف ابن ابی شیب ج۵ص۱۳﴾

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترجمہ: حبیب کہتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تین سے تمھاری بیوی بائن ہوگئی اور باقی طلاقیں اپنی دیگر بیویوں میں تقسیم کردو۔

۸۔ عن معاوية ابن ابی یحی قال جاء رجل الی عثمان فقال انی طلقت امرأتی مائة فقال ثلاث تحرمها علیک و سبعة و تسعون عدوان

﴿مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳﴾

ترجمہ: حضرت معاویہ بن ابو یحی فرماتے ہیں کہ ایک شخص سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں نے اپنی بیوی کو سو مرتبہ طلاق دیدی ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا تین اس کو تجھ پر حرام کردینگیں اور باقی حد سے تجاوز ہیں۔

۹۔ عن المغيرة بن شعبه انه سئل عن رجل طلق امرأته مائة فقال ثلاث تحرمنها علیه و سبعة و تسعون فضل۔

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا ایک ایسے شخص کے بارے میں جس نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہوں تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ تین اس کی بیوی کو ضرور حرام کردینگیں اور ستانوے ۹۷ زیادہ ہیں۔

۱۰۔ عن جابر قال: سمعت ام سلمة سئلت عن رجل طلق امرأته ثلاثا قبل ان یدخل بها فقالت لاتحل له حتی یطأ زوجها

﴿مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۲﴾

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ایک مرد کے بارے میں دریافت کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو قبل دخول تین طلاقیں دے چکا ہو تو آپ رضی اللہ عنہا فرمایا اس کے لیے حلال نہ ہوگی جب تک کہ اس سے نیا شوہر وطی نہ کرے۔

۱۱۔ عن ابی هريرة وابن عباس وعائشة رضی اللّٰہ عنهم فی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

الـرجـل يطلق امرأته ثلاثا قبل ان يدخل بها قالوا لا تحل له حتى تنكح زوجا غيره۔

﴿مصنف ابن ابی شیبہ ج۵ ص۲۳﴾

ترجمہ : حضرت ابوھریرۃ، ابن عباس اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہی فتوی دیا کرتے تھے ایسے شخص کے بارے میں جس نے قبل از دخول اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہوں تو اس کی بیوی اس پر اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک دوسرا شوہر اس سے وطی نہ کرے۔

۱۲۔ عـن ابـراهيم قال : اذا طلقها ثلاثا قبلا ان يدخل بها لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره

﴿مصنف ابن ابی شیبہ ج۵ ص۲۳﴾

ترجمہ : ابراھیم نخعی فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو مقارنت سے پہلے ہی تین طلاقیں دے تو اس کی بیوی اس پر حلال نہ ہوگی جب تک کہ وہ کسی اور سے نکاح نہ کرے۔

روایت نمبر۱۲، ۱۱، ۱۰ میں جن طلاقوں کا ذکر کیا گیا ہے ان سے مراد ایک ہی وقت میں ایک ہی لفظ سے دی گئی تین طلاقیں ہیں کیونکہ غیر مدخولہ کو اگر تین مختلف جملوں سے تین طلاقیں دی جائیں تو صرف پہلی ہی طلاق واقع ہوگی اور باقی طلاقوں کے لیے عورت محل نہیں رہے گی۔ ہاں البتہ اسے ایک ہی لفظ سے تین طلاقیں دی جائیں تو واقع ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ آنے والی حدیث سے اس مسئلہ کی وضاحت ہوتی ہے۔

۱۳۔ عن ابن عباس : اذا طلقها ثلاثا قبلا ان يدخل بها لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره ولو قالها تترى بانت بالاولىٰ۔

﴿مصنف ابن ابی شیبہ ج۵ ص۲۵﴾

ترجمہ : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہے جب کوئی اپنی بیوی کو دخول سے پہلے طلاق دیدے تو وہ اس شخص کے لئے اس وقت تک حلال نہ ہوگی جب تک وہ دوسرے مرد سے شادی نہ کرے۔ اور اگر اس نے یہ طلاقیں متفرق طور پر دیں تو عورت پہلی ہی طلاق سے بائن ہو جائیگی۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

فقیر نے اس بات کے ثبوت میں تین طلاقیں خواہ ایک ہی وقت میں ایک ہی جملے میں واقع کی جائیں یا متفرق طور پر بہر حال ان سے بائن طلاقیں ہی واقع ہوتی ہے۔ سرکار دوعالم ﷺ کے ابدی معجزے قرآن مجید، احادیث مبارکہ آثار صحابہ واقوال تابعین نقل کیے ہیں۔ اگر طبیعت حق قبول کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے تو یہی بس ہے ورنہ معاندو بے دین کے لیئے دفتر کے دفتر نا کافی ہیں۔

جہاں تک زید کا مسند احمد میں وارد حدیث رکانہ سے استدلال کرنے کا تعلق ہے تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ مسند احمد میں وزاد حدیث رکانہ کئی وجوھات سے قابل استدلال نہیں ہے۔ وہ وجوہات درج ذیل ہیں۔

ا۔ یہ حدیث دیگر صحیح احادیث کے مقابلے میں درست نہیں ہے حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کی حدیث شریف کو امام ترمذی، امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم نے بھی اپنی صحاح میں روایت کیا ہے مگر ان میں تین طلاقوں کے بجائے صرف ایک طلاق کا ذکر ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔

عن عبد اللّٰه بن يزيد بن ركانه عن عبيه عن جده قال اتيت النبى ﷺ فقلت يارسول اللّٰه انى طلقت بامرأتى البتة فقال ماردت بها فقلت واحدة فقال واللّٰه قلت واللّٰه قال فهو ما اردت۔

﴿جامع الترمذی ص ۱۴۰﴾

حضرت عبداللہ اپنے والد سے اور وہ انکے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دیدی ہے۔ تو سرکا ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اس سے کیا ارادہ کیا تھا تو میں نے عرض کی کہ ایک کا تو فرمایا اللہ کی قسم تو میں نے عرض کی کہ اللہ کی قسم تو سرکا ﷺ نے فرمایا کہ پھر تو وہی ہے کہ جس کا تم نے رادہ کیا۔

۲۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ نے حدیث سند احمد بن حنبل کے مقابلے میں دیگر روایتوں کو اصح فرمایا کہ جن میں ایک طلاق کا ذکر ہے اس کی وجہ ترجیح ان الفاظ میں بیان فرمائی۔

قال ابوداؤد وهذا اصح من حديث ابن جريج رواه عن بعض بنى ابى رافع۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

﴿سنن ابوداؤد ج ۳ ص ۱۲۹ مطبوعہ بیروت﴾

امام ابوداؤد رضی اللہ نے فرمایا کہ یزید بن رکانہ سے مروی حدیث زیادہ صحیح ہے بمقابلہ اس حدیث کے جو کہ جریج سے مروی ہے کہ رکانہ رضی اللہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیں تھیں۔ کیونکہ یہ حضرات اہل بیت سے ہیں اور گھر کے افراد ہی اندر کی بات کو زیادہ جانتے ہیں۔

امام ترمذی اور امام ابوداؤد رحمہما اللہ نے یہی حدیث مختلف اسانید سے حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کے فرزند یزید سے اور ان کے بعد عبداللہ سے روایت کی ہے جو کہ حضرت رکانہ کے پوتے ہیں۔ مگر ان روایتوں میں کہیں بھی تین کا ذکر نہیں ہے۔ جبکہ مسند احمد بن حنبل میں یہ حدیث جریج سے روایت کی گئی ہے اس میں تین طلاق کا ذکر ہے۔ یہ ایک معقول بات ہے کہ اگر کسی خبر میں اختلاف ہو جائے تو قریبی لوگوں ہی کی بات کو ترجیح دی جاتی ہے۔ چنانچہ صورت مذکورہ میں بھی رکانہ رضی اللہ عنہ کے اہلبیت سے مروی حدیث کو ترجیح دی جائے گی۔

مسند احمد بن حنبل میں مروی حدیث علماء کے نزدیک ضعیف ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ **التلخیص الحبیر** میں فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے مسند احمد کی روایت کو مضطرب اور معلل قرار دیا ہے۔ علامہ ابن عبدالبر نے اس کو تمہید میں ضعیف قرار دیا ہے۔ علامہ ابن جوزی مسند احمد میں رکانہ رضی اللہ عنہ سے متعلق مروی حدیث میں لکھتے ہیں۔ ''یہ حدیث صحیح نہیں ہے''۔ اس کی سند کا ایک راوی ابی اسحاق مجروح ہے۔ اور دوسرا راوی داؤد اس سے بھی زیادہ ضعیف ہے۔ امام ابن حبان نے کہا ہے کہ اس کی روایت سے بچنا واجب ہے۔ اور البتہ والی روایت (صحاح ستہ کی) صحت کے قریب ہے اور مسند احمد والی روایت میں راویوں کی غلطی ہے۔ علامہ ابوبکر رازی جصاص احکام القرآن میں فرماتے ہیں۔ ''یہ حدیث منکر ہے''۔

علامہ کمال الدین ابن ھمام رضی اللہ عنہ فتح القدیر میں فرماتے ہیں کہ رکانہ کی حدیث منکر ہے اور صحیح روایت وہ ہے جو ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی تھی۔

فقیر نے انتہائی اختصار کے ساتھ اقوال علماء مسند احمد کی حدیث سے متعلق لکھ دیئے ہیں۔ اور سب ہی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے۔اب کوئی شخص ایسی روایت سے جو کہ قرآنی مفہوم کے خلاف ہے اور دیگر صحیح روایات سے متعارض ہے، استدلال کرے تو بڑا بے وقوف ہی کہلانے کا مستحق ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ تمام مسلمانوں کو اس بے وقوفی سے بچائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبــــــــہ

محمد ابوبکر صدیق عطاری

۲۲ رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ ۲۱ دسمبر ۲۰۰۰ء

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

ترک جماعت کے اعذار

اس بات کا بیان کہ باجماعت نماز کن مواقع پر
چھوڑنا جائز ہے اور بعض جدید صورتوں کی تحقیق

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ کراچی جیسے بڑے شہر میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لئے عموماً بس یا کسی دوسری گاڑی میں سفر کرنا پڑتا ہے سفر کرتے ہوئے کبھی جماعت کا وقت ہو جاتا ہے۔اور مسئلہ یہ درپیش آتا ہے کہ سفر جاری رکھیں تو سفر کے اختتام پر وقت میں نماز پڑھنے کا موقع تو مل جائیگا مگر مسجد کی جماعت فوت ہو جائیگی تو کیا اس صورت میں بس سے اتر کر باجماعت نماز پڑھنا واجب ہے؟ فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر محلے کی مسجد میں جماعت فوت ہوگئی تو اب دوسری مسجد جو دور ہو اس میں جماعت کے حصول کے لئے جانا واجب نہیں۔اس دوری سے کتنا فاصلہ مراد ہے۔اور براہ کرم یہ بھی بتادیں کہ جماعت کتنی صورتوں میں چھوڑنا جائز ہے۔بینوا توجروا۔

سائل: علامہ محمد یوسف عطاری

لیاقت آباد۔کراچی

الجواب بعون الوهاب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئولہ میں اگر اس بات کا یقین ہے کہ اس سفر کے اختتام پر وقت ہی میں جماعت مل جائے گی تو بس سے اتر کر نماز باجماعت پڑھنا ضروری نہیں ہے اور اگر اس بات کا اندیشہ ہے کہ سفر کے اختتام پر جماعت نہیں ملے گی اور بس سے اتر کر نماز باجماعت پڑھنے سے حرج بھی لازم نہیں آئیگا تو بس سے اتر کر باجماعت نماز پڑھنا واجب ہے۔اور حرج کا لازم نہ آنا عام طور پر اسی صورت میں ممکن ہے جب اپنی گاڑی ہو۔تنویر الابصار میں ہے کہ

تجب على الرجال العقلاء البالغين الاحرار القادرين على الصلاة بالجماعة من غير حرج

﴿ردالمحتار علی الدر المختار شرح تنویر الابصار جلد ۲ صفحہ ۲۹۰،۹۱﴾

ترجمہ: باجماعت نماز ان مردوں پر واجب ہے جو عاقل بالغ، آزاد اور بغیر حرج کے جماعت پر قادر ہوں

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اوراگربس سے اتر کر نماز باجماعت کے حصول میں حرج لازم آتا ہو تو اس پر جماعت واجب نہیں ہے اگر چہ اس بات کا یقین ہے کہ اختتام سفر پر جماعت نہیں ملے گی مثلا لوکل بس میں سفر کررہا ہو اور اس دوران نماز باجماعت کا وقت ہو گیا ہے اب بس سے اتر کر جماعت پڑھنا لازم نہیں ہے کیونکہ بس اسے عین مسجد کے سامنے یا مسجد کے قریب تو نہیں اتارے گی بلکہ وہ تو اپنے اسٹاپ پر رکے گی پھر بس سے اتر کے مسجد تک جانے میں نہ جانے کتنا فاصلہ طے کرنا پڑے اور پھر نماز پڑھنے کے بعد پھر سے اسٹاپ پر آنے میں اتنا ہی فاصلہ طے کرنا پڑے گا اور کرایہ بھی دوبارہ دینا پڑیگا حالانکہ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر محلے کی مسجد کی جماعت فوت ہوگئی تو دوسری مسجد جو دور ہو اس میں جماعت کی ادائیگی کے لئے جانا واجب نہیں کیونکہ اس میں حرج ہے۔علامہ شامی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں

فلایجب علیه الطلب فی المساجد بلا خلاف بین اصحابنا۔

ترجمہ: اگر محلّہ کی مسجد کی جماعت فوت ہوگئی تو دیگر مساجد میں جماعت کا طلب کرنا اس پر واجب نہیں ہے۔

چند سطور بعد فرماتے ہیں

بان الوجوب عند عدم الحرج وفی تتبعها فی الاماکن القاصیة حرج لایخفی۔

﴿ردالمحتار جلد ۲ صفحہ ۲۹۱ مطبوعہ: مکتبہ امدادیہ ملتان﴾

ترجمہ: جماعت عدم حرج کی صورت میں واجب ہے اور اس کے دور دور تک تلاش کرنے میں واضح حرج ہے۔

مشقت احکام شرعیہ میں تخفیف کا باعث ہے

بلاشبہ حرج احکام شرعیہ میں تخفیف کا باعث ہے جیسا کہ مذکورہ بالا عبارات سے ظاہر ہے۔اور اس کی اصل درج ذیل آیات مبارکہ ہیں۔اللہ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے۔

یرید الله بکم الیسر ولا یرید بکم العسر

﴿سورة البقرة آیت ۱۸۵﴾

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر تنگی نہیں چاہتا۔

﴿کنزالایمان﴾

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

ماجعل علیکم فی الدین من حرج۔

﴿سورۃ الحج آیت﴾

ترجمہ: اور تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی۔

﴿کنزالایمان﴾

حدیث مبارکہ ہے کہ

احب الدین الی اللہ الحنفیۃ السمحۃ۔

ترجمہ: اللہ کے نزدیک محبوب دین سیدھا اور آسان دین ہے۔

ہمارے فقہائے کرام نے اسی قسم کی دیگر آیات مبارکہ اور احادیث شریفہ کو دیکھتے ہوئے فقہی قاعدہ اخذ فرمایا کہ المشقۃ تجلب التیسیر یعنی مشقت آسانی لاتی ہے۔ علامہ ابن نجیم مصری رحمہ اللہ تعالیٰ اسی قاعدہ کے متعلق فرماتے ہیں

قال العلماء یتخرج علی ھذہ القاعدۃ جمیع رخص الشرع وتخفیفاتہ۔ اعلم ان اسباب التخفیف فی العبادات وغیرھا سبعۃ۔ الاول، السفر وھو نوعان: الاول مایختص بالطویل، وھو ثلاثۃ ایام ولیالھا، وھو القصر، والفطر، والمسح اکثر من یوم ولیلۃ وسقوط الاضحیۃ علی ما فی غایۃ البیان۔ والثانی ما لایختص بہ والمراد بہ مطلق الخروج عن المصر، وھو ترك الجمعۃ والعیدین والجماعۃ، والنفل علی الدابۃ،وجواز التیمم، واستحباب القرعۃ بین نسائہ۔

﴿الاشباہ والنظائر صفحہ ۷۵ مطبوعہ: میر محمد کتب خانہ کراچی﴾

ترجمہ: علماء فرماتے ہیں کہ شریعت کی تمام رخصتیں اور تخفیفات اسی قاعدے سے نکلتی ہیں۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جان لے کہ عبادت اور اس کے غیر میں تخفیف کے سات اسباب ہیں۔ پہلا سبب سفر ہے اور اسکی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم کا وہ سفر ہے جو لمبے سفر کے ساتھ مختص ہے اور وہ تین دن رات کا سفر (تقریبا ۵۰۔۵۷ میل) ہے۔ اس سفر کی وجہ سے نماز قصر پڑھی جائیگی، رمضان کا روزہ نا رکھنا، ایک دن اور ایک رات سے زیادہ موزوں پر مسح کرنا جائز ہے، اور مسافر پر سے قربانی ساقط ہو جائیگی جیسا کہ غایۃ البیان میں ہے۔ اور دوسری قسم کا سفر وہ ہے جو طوالت کے ساتھ مختص نہیں ہے۔ اس سے مراد مطلقا اپنے شہر سے نکلنا ہے۔ اس سفر کی وجہ سے جمعہ، عیدین اور جماعت کا ترک کرنا، نفل سواری پر پڑھنا، تیمم کرنا اور اپنی بیویوں کے مابین قرعہ کرنا جائز ہے۔

اقول: شہر سے نکلنے کی قید احترازی نہیں ہے بلکہ اتفاقی ہے کیونکہ پہلے شہر اتنے بڑے نہیں ہوتے تھے جتنے آج کل ہیں۔ اس لئے اس زمانے میں یہ عذر پیش نہیں آتا تھا۔ بہر حال اس عذر کا اصل سبب حرج ہے اب خواہ یہ شہر سے باہر نکل کر پیش آئے جیسے پچھلے زمانے میں ہوتا تھا یا شہر میں رہتے ہوئے جیسا کہ ہمارے زمانے میں کراچی اور لاہور جیسے بڑے شہروں میں عموما اس قسم کے مسائل سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ مگر یہ حرج کا قاعدہ صرف انہیں مقامات پر لاگو ہوگا جہاں نص نہ وارد ہو جیسا کہ چند صفحات کے بعد فائدہ ثالثہ کے تحت فرماتے ہیں۔

المشقة والحرج، انما يعتبران في موضع لا نص فيه

﴿الاشباہ والنظائر صفحہ ۸۳ میر محمد کتب خانہ کراچی﴾

ترجمہ: مشقت اور حرج اسی جگہ معتبر ہیں جس میں نص نہ ہو۔

معمولی مشقت تخفیف کا باعث نہیں

خیال رہے کہ وہ مشقت جو معمول کے مطابق ہو یا جس کے بغیر عبادت کی ادائیگی ممکن نہ ہو یا وہ مشقت جو کہ معمول کے مطابق تو نہ ہو مگر شدید بھی نہ ہو مثلا خفیف بیماری تو وہ ترک جماعت یا دیگر عبادات میں تخفیف کے لئے عذر نہیں ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن نجیم مصری رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں۔

المشاق على قسمين، مشقة لا تنفك عنها العبادة غالبا كمشقة البرد في الوضوء، والغسل ومشقة الصوم

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

فی شدة الحر وطول النهار، ومشقة السفر التی لا انفكاك للحج والجهادعنها ومشقة الم الحد ورجم الزناوقتل الجناة وقتال البغاة، فلا اثر لها فی اسقاط العبادات فی كل الأوقات، واماجواز التيمم للخوف من شدة البرد للجنابة، فالمراد من الخوف، الخوف من الاغتسال علی نفسه او علی عضو من اعضائه اومن حصول مرض وانما اشترط فی البدائع لجوازه من الجنابة، ان لايجد مكانا ياويه ولا ثوبا يتدفأبه ولا ماء مسخناولاحماما..................واما التی تنفك عنها العبادات غالبا فعلی مراتب: الاولی: مشقة عظيمة فادحة كمشقة الخوف علی النفوس والاطراف ومنافع الاعضاء فهی موجبة للتخفيف، وكذا اذا لم يكن للحج طريق الا من البحر وكان الغالب عدم السلامة لم يجب۔ الثانية: مشقة خفيفة كادنی وجع فی اصبع او ادنی صداع فی الراس او سوء مزاج خفيف فهذالااثر له ولا التفات اليه لان تحصيل مصالح العبادات اولی من دفع مثل ہذه المفسدة التی لا اثرلها۔

﴿الاشباہ والنظائر صفحہ ۸۲ مطبوعہ: میر محمد کتب خانہ﴾

مشقت دو قسم کی ہیں، ایک تو وہ جو غالبا عبادات سے جدا نہیں ہوتی، جیسے وضو اور غسل میں ٹھنڈ کی مشقت اور روزہ میں گرمی اور دن کی طوالت کی مشقت، اور حج اور جہاد میں سفر کی مشقت جو ان سے جدا نہیں ہوتی، اور حد، زنا کی وجہ سے سنگسار، مجرموں کے قتل اور باغیوں سے قتال کی مشقت۔ اس قسم کی مشقت کا تخفیف عبادت میں کسی بھی وقت کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ ہاں البتہ جنابت کی حالت میں شدید سردی کے خوف کی وجہ سے تیمم کی اجازت ہے تو اس سے مراد غسل کرنے کی وجہ سے کسی عضو کے ضائع ہونے یا بیمار ہونے کا خوف ہے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۔اور بدائع میں جنابت کی حالت میں تیمم کے جواز کے لئے اس بات کی شرط لگائی گئی ہے
کہ اسے ایسی کوئی جگہ نہ ملے کہ جہاں وہ غسل کر سکے اور نہ ہی کوئی گرم کپڑا کہ جسے
وہ پہن سکے اور نہ گرم پانی اور نہ ہی حمام۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور وہ مشقت جو کہ
عبادات سے جدا ہو جاتی ہے اسکی دو قسمیں ہیں۔پہلی قسم تو مشقت عظیمہ ہے مثلاً جان یا
اعضاء یا منافع اعضاء کے ضائع ہونے کا خوف ہو اور اسی طرح بحری راستے کے علاوہ حج
کے لئے کوئی اور راستہ نہ ہو اور غالباً عدم سلامتی ہو تو حج واجب نہ ہوگا۔ اور دوسری قسم خفیف
مشقت ہے۔جیسا کہ انگلی میں یا سر میں ہلکا سا درد ہو یا مزاج کا خفیف سا درست نہ ہونا تو
اس قسم کی مشقت تخفیف عبادت پر اثر انداز نہیں ہوتی اور نہ اسکی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔
کیونکہ عبادات کے مصالح کی تحصیل اس قسم کے مفاسد کے دور کرنے سے اولیٰ ہے کہ جن کا
کوئی اثر نہ ہو۔

اعلیحضرت امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمان نے غسل ووضوء سے متعلق بحث
کرتے ہوئے اس مشقت کی تین اقسام بیان فرمائی ہیں جو کہ احکام میں تخفیف کا باعث ہو۔آپ فرماتے ہیں

اقول وباللہ التوفیق حرج کی تین صورتیں ہیں ایک وہ جہاں پانی پہنچانے میں مضرت ہو جیسے
آنکھ کے اندر۔دوم مشقت وہ جیسے عورت کی گندھی ہوئی چوٹی۔سوم بعد علم واطلاع کوئی
مشقت تو نہیں مگر اس کی نگہداشت اور اس کی دیکھ بھال میں دقت ہے جیسے مکھی مچھر کی بیٹ
یا الجھا ہوا بال گرہ کھایا ہوا بال قسم اول ودوم کی تو معافی ظاہر اور قسم سوم میں بعد اطلاع ازالہء
مانع ضرور ہے۔مثلاً جہاں مہندی، سرمہ، آٹا اور روشنائی، رنگ، بیٹ وغیرہ میں سے کوئی چیز
جمی ہوئی دیکھ پائی تو اب یہ نہ ہو کہ اسے یوں ہی رہنے دے اور پانی اوپر سے بہادے بلکہ
چھڑالے کہ ازالہ میں تو کوئی حرج تھا ہی نہیں تعاہد میں تھا بعد اطلاع اس کی حاجت نہ رہی۔

﴿فتاوی رضویہ جلد ۱ صفحہ ۴۵۵ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور﴾

امام اہلسنت عظیم البرکت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا عبارت میں قسم دوم میں جس مشقت کو تخفیف
احکام کا سبب قرار دیا ہے اگر اس کی مثال میں غور کیا جائے تو گندھی ہوئی چوٹی کو کھولنے میں نہ تو کوئی مشقت

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

شدیدہ ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی زیادہ وقت صرف ہوتا ہے۔ اسی طرح ترک جماعت کے اعذار میں روٹی کا ٹھنڈہ ہونے اور کھانے کے ٹھنڈہ ہونے کے باعث بے مزہ ہونے کو شمار کیا ہے (ان دونوں اعذار کو ان شاء اللہ تعالی آئندہ صفحات میں بحوالہ نقل کیا جائیگا)۔ حالانکہ ان دونوں ہی صورتوں میں مشقت شدیدہ لازم نہیں آتی۔ ہاں البتہ اتنا ضرور ہے کہ عام حالات کے مقابلے میں کچھ محنت زیادہ کرنا پڑتی ہے۔ اسی طرح علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ تعالی نے المشقة تجلب التيسير کے قاعدے کے تحت تخفیف احکام کی جو صورتیں بیان فرمائی ہیں ان میں بھی اکثر ایسی صورتیں ہیں جن کی وجہ سے مشقت شدیدہ تو لازم نہیں آتی مگر عام حالات کے مقابلے میں کچھ محنت زیادہ کرنا پڑتی ہے۔ لہذا اس سے یہ ظاہر ہوا کہ مشقت شدیدہ سے مراد یہی نہیں کہ اس کی وجہ سے جان کے یا کسی عضو کے یا مال کے ضائع ہونے کا خوف ہو یا اس حکم پر عمل کرنے سے انتہائی سخت پریشانی یا ناقابل برداشت تکلیف کا سامنا کرنا پڑے بلکہ اس مشقت میں وہ صورتیں بھی داخل ہیں کہ جن میں عام حالات کے مقابلے میں زیادہ محنت کرنا پڑتی ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن نجیم اور امام اہلسنت احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہما کی بیان کردہ مثالوں سے ظاہر ہے۔ لہذا کراچی یا اس طرح کے دیگر شہر جہاں لوکل بسوں میں سوال میں مذکور صورت پیش آتی ہو وہاں ایسے لوگوں پر سے جماعت ساقط ہے۔ اسی طرح مذکورہ بالا وضاحت سے یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ دوسری مسجد سے مراد وہ مسجد ہے کہ جس تک پہنچنے میں اتنا چلنا پڑے کہ جسے عرف عام میں پیدل چلنے کے لحاظ سے دور کہا جاتا ہو یا جہاں تک پہنچنے میں اس مشقت سے زائد مشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہو کہ جتنی مشقت قریب کی مسجد تک پہنچنے میں پیش آتی ہو۔

نفس سفر ترك جماعت كے لئے عذر نہيں

مذکورہ بالا عبارت سے ماقبل الاشباہ والنظائر اور دیگر کتب فقہیہ کی عبارات سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ نفس سفر بھی ترک جماعت کا صالح عذر ہے مثلا الدر المختار میں ہے

وارادة السفر

﴿الدر المختار مع رد المحتار جلد دوم صفحہ ۲۹۳ مکتبہ امدادیہ ملتان﴾

ترجمہ: یعنی ارادہ سفر بھی ترک جماعت کے اعذار میں سے ہے۔

مگر صحیح یہ ہے کہ نفس سفر ترک جماعت کا عذر نہیں ہے بلکہ یہاں بھی ترک

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جماعت کا اصل سبب حرج و مشقت ہے۔ جیسا کہ خاتم المحققین علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالی فرماتے۔

اما السفر نفسه فليس بعذر كما في القنية

﴿ردالمحتار جلد۲ صفحہ ۲۹۳ مطبوعہ: مکتبہ امدادیہ ملتان﴾

ترجمہ: سفر بذات خود ترک جماعت کے لئے عذر نہیں ہے۔

امام اہلسنت مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ردالمحتار کی عبارت فليس بعذر کے حواشی میں دونوں قسم کے اقوال میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

(اقول) لكن في عمدة القاري باب فضل الجماعة آخر ج ۲ ص ۲۹۰، ان الجماعة لاتتأكد في حق المسافر لوجود المشقة اهـ. وان حمل هذا على الفرار وذلك على القرار حصل التوفيق والله تعالى اعلم۔ ۱۲

﴿جدالممتار علی ردالمحتار جلد ۱ صفحہ ۲۶۴، ۶۵ مطبوعہ: ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی﴾

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ عمدۃ القاری باب فضل الجماعۃ جلد ۲ کے اخیر میں صفحہ ۲۹۰ پر ہے کہ مسافر کے حق میں مشقت کی وجہ سے جماعت مؤکد نہیں ہے۔ اور اگر اس قول کو رواروی پر محمول کیا جائے اور اس قول (شامی کی عبارت) کو اطمینان پر تو دونوں اقوال میں موافقت ہوجائیگی۔

ترک جماعت کے جواز کی صورتیں

مذکورہ بالا بحث سے یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہوگیا کہ جماعت کا وجوب حرج کی وجہ سے ساقط ہوجاتا ہے۔ لہذا جہاں حرج لازم آتا ہو وہاں جماعت واجب نہ ہوگی۔ اسی قاعدہ کو مدنظر رکھتے ہوئے فقہائے کرام نے ترک جماعت کے کئی اعذار بیان فرمائے ہیں۔ علامہ علاؤالدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

(فلا تجب على مريض، ومقعد وزمن ومقطوع يد ورجل من خلاف) او رجل فقط، ذكره الحدادي (ومفلوج وشيخ كبير عاجز واعمى) وان وجد قاعدا (ولا على من حال بينه وبينها

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مطروطين وبرد شديدوظلمة) وريح ليلا لانهارا وخوف على ماله اومن غريم او ظالم او مدافعة احد الاخبثيين، وارادة سفر وقيامه بمريض وحضور طعام تتوقه نفسه ذكره الحدادي، وكذا اشتغاله بالفقه لا بغيره، كذا جزم به الباقاني تبعا للبهنسي، اى الااذا واظب تكاسلا فلايعذر۔

﴿الدرالمختار مع ردالمحتار جلد۲صفحہ۲۹۲،۹۳﴾

ترجمہ: پس جماعت واجب نہیں ہے مریض (جسے آنے جانے میں مشقت ہو) پر، جو چل پھر نہ سکتا ہو، اپاہج، جس کی ایک جانب سے ہاتھ اور دوسری جانب سے پاؤں کٹا ہو، یا صرف ایک جانب سے پاؤں کٹا ہو اس عذر کو الحدادی نے ذکر کیا ہے۔ اور فالج زدہ پر، بوڑھے عاجز پر، نابینا پر اگرچہ اسے لے جانے والا موجود ہو اور اس پر کہ جس کے اور جماعت کے درمیان بارش اور کیچڑ حائل ہوگئی ہو، اور سخت بارش اور اندھیرا اور تند ہوا رات میں نہ کہ دن میں، اور جسے اپنے مال کے تلف ہونے کا خوف ہو یا قرض خواہ یا ظالم کا خوف ہو، یا پیشاب یا پاخانہ کی حاجت ہو یا سفر کا ارادہ ہو، یا مریض کی تیمارداری میں مصروف ہو یا کھانا حاضر ہے اور کھانے کی اشتہاء بھی ہے اس مسئلے کو امام الحدادی نے ذکر کیا ہے۔ اور اسی طرح فقہ میں مشغولیت بھی ترک جماعت کے اعذار میں سے ہے مگر فقہ کے علاوہ کسی اور علم میں مشغولیت ترک جماعت کے اعذار میں سے نہیں ہے جیسا کہ اس پر جزم فرمایا ہے الباقانی نے البہنسی کی پیروی کرتے ہوئے۔ اور فقہ میں مشغولیت اسی وقت عذر ہے جبکہ سستی کرتے ہوئے ترک جماعت پر مداومت نہ کرے۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالی علیہ ولا على من حال بينه وبينها مطر وطين کے شرح میں فرماتے ہیں

اشار بالحيلولة الى ان المراد المطر الكثير، كما قيده به في صلاة الجمعة، وكذاالطين۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

﴿ردالمحتار جلد۲ صفحہ ۲۹۲﴾

ترجمہ: بارش سے مراد شدید بارش ہے اور اسی طرح شدید کیچڑ مراد ہے۔

برد شدید کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ماتن نے سخت گرمی کا ذکر نہیں کیا اور نہ میں نے ہمارے علماء میں سے کسی کا قول پایا۔ غالباً اس کی وجہ یہ کہ سخت گرمی ظہر ہی کی نماز میں ہوتی ہے اور ظہر کی نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھنا کافی ہے۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ

لوترك الامام هذه السنة وصلى فى اول الوقت كان الحر الشديد عذرا۔

﴿ردالمحتار جلد ۲ صفحه ۲۹۳﴾

ترجمہ: اور اگر امام اس سنت (ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنا) کو ترک کردے اور اول وقت میں

جماعت

پڑھائے تو اس صورت میں سخت گرمی عذر ہے۔

ظلمة كذلك کی شرح میں فرماتے ہیں۔

اى شديدة ، والظاهر انه لا يكلف الى ايقاد نحو سراج وان مكنه ذلك، وان المراد بشدة الظلمة كونه لا يبصر طريقه الى المسجد فيكون كالاعمى۔

﴿ردالمحتار جلد۲ صفحہ ۲۹۳﴾

ترجمہ: یعنی سخت اندھیرا، اور ظاہر ہے کہ وہ اس بات کا مکلّف نہیں ہے کہ چراغ وغیرہ جلا کر جماعت کے حصول کے لئے جائے اگرچہ وہ اس پر قادر ہو۔ اور سخت اندھیرے سے مراد یہ ہے کہ اسے مسجد کی طرف لے جانے والا راستہ نظر نہ آئے پس وہ نابینا کی طرح ہوگا۔

وخوف على ماله کی شرح میں فرماتے ہیں

اى من لص ونحوه اذا لم يمكنه غلق الدكان او البيت مثلا،

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ومنه خوفه علی تلف طعام فی قدر او خبز فی تنور۔ تامل۔ وانظر هل التقييد بماله للاحتراز عن مال غيره ؟ والظاهر عدمه ۔ لان له قطع الصلاة له ولا سيما ان كان امانة عنده كوديعة او عارية او رهن مما يجب عليه حفظه۔

﴿ ردالمحتار جلد۲ صفحہ۲۹۳ ﴾

ترجمہ: یعنی چور سے اور دیگر وجہ سے جبکہ اس کے لئے دکان یا مکان کا دروازہ بند کرنا ممکن نہ ہو۔ اور ہانڈی میں کھانے اور تنور میں روٹی ضائع ہونے کا خوف بھی عذر ہے۔ غور کر۔ اور دیکھ! کیا اپنے مال کی قید دوسروں کے مال سے احتراز کے لئے لگائی ہے؟ ظاہرا ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ اسے تو اس کے لئے نماز کو قطع کرنے کی اجازت ہے اور خاص طور پر جبکہ وہ اس کے پاس امانت یا عاریہ یا رھن ہو کہ جس کی حفاظت اس پر لازم ہو۔

اقول: مکان پر خوف ثابت ہونے کے لئے ضروری نہیں کہ مکان کا دروازہ نہ ہو تو عذر قرار پائے گا بلکہ اگر دروازہ بھی بند کرنے کے باوجود چوری کا صحیح اندیشہ ہو تو ترک جماعت کے لئے عذر ہوگا۔

اقول: جب غیر کے مال کی حفاظت ترک جماعت کے لئے عذر ہے تو غیر کی جان کی حفاظت کے لئے بدرجہ اولی عذر ہونا چاہیے۔ اور اسکی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جب کوئی مظلوم یا مدد کا طلبگار مدد کے لئے فریاد کرے یا اندھے کے کنویں میں گرنے کا خطرہ ہو تو نماز کو توڑنا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے۔ علامہ علاؤالدین حصکفی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں۔

يجب لاغاثة ملهوف وغريق وحريق۔

﴿ الدرالمختار مع ردالمحتار جلد۲ صفحہ۴۲۶ ﴾

ترجمہ: مظلوم، ڈوبنے والے اور جلنے والے کی فریاد پر نماز توڑنا واجب ہے۔

جب غیر کی جان کی حفاظت کے لئے شروع کی ہوئی نماز کو توڑنا واجب ہے حالانکہ اگر نفل نماز بھی ہو تو شروع کرنے کے بعد اسے پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے تو اگر کسی کی جان کو واقعی خطرہ ہو تو اس کی حفاظت کے لئے جماعت چھوڑنا بدرجہ اولی جائز ہوگا۔ لہذا ہمارے زمانے میں ان حارسین کیلئے جماعت چھوڑنا جائز ہے جو کسی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ایسے معظّم دینی کی حفاظت میں مصروف ہوں کہ جس کی جان کے درپے بدمذھب یا کفار لگے ہوئے ہوں۔ یونہی اگر اپنی جان یا مال کا خوف ہو تو بھی جماعت چھوڑنا جائز ہے۔ علامہ سید احمد طحطاوی وشامی رحمہما اللہ تعالی مــــن ظالم کی شرح میں فرماتے ہیں۔

یخافه علی نفسه او ماله۔

﴿طحطاوی علی الدر المختار جلد۱ صفحہ ۲۴۱ ردالمحتار جلد۲ صفحہ ۲۹۳﴾

ترجمہ: ظالم سے اپنی جان یا مال کا خوف ہو تو بھی عذر ہے۔

اقول: مذکورہ بالا عبارت سے ظاہر ہے کہ وہ علماء وصلحاء جن کے تبلیغی کام کی وجہ سے بدمذہب اس تاک میں لگے ہوئے ہیں کہ موقع ملے تو انھیں شہید کر دیا جائے تو ان پر جماعت کے لئے مسجد میں آنا واجب نہیں۔

او من غریم کی شرح میں علامہ شامی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں۔

ای اذا کان معسر الیس عنده ما یوفی غریمه والا کان ظالما۔

﴿ردالمحتار جلد۲ صفحہ ۲۹۳﴾

یعنی جب وہ تنگ دست ہو اور اس کے پاس قرض کی ادائیگی کے لئے مال نہ ہو ورنہ یہ خود ظالم ہوگا۔

اور کذا الاخبثین کی شرح میں فرماتے ہیں۔

وکذا الریح

﴿ردالمحتار جلد۲ صفحہ ۲۹۳﴾

ترجمہ: اور اسی طرح ریح بھی عذر ہے۔

علامہ سید احمد طحطاوی رحمہ اللہ تعالی اسی کی شرح میں فرماتے ہیں۔

فلا یباح له الاقدام علی صلوة الجماعة وان کان ترکها مکروها تحریما لان الاقدام معها اشد کراهة لذهاب الخشوع بشغل البال مثلهما الریح۔

﴿طحطاوی علی الدر المختار جلد۱ صفحہ ۲۴۱ مطبوعہ: مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ﴾

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترجمہ: پس اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ پیشاب یا پاخانہ کی شدت کے وقت جماعت میں شریک ہو اگرچہ جماعت کا چھوڑنا مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ ایسی حالت میں جماعت میں شریک ہونا زیادہ کراھت کا باعث ہے دل کے مشغول ہونے کی وجہ سے خشوع کے فوت ہونے کے باعث۔ اسی طرح ریح کا بھی معاملہ ہے۔

تتوقہ نفسہ کی شرح میں علامہ سید احمد طحطاوی اور علامہ شامی رحمہما اللہ تعالی اسی کی شرح میں فرماتے ہیں واللفظ للطحطاوی۔

ای تشتد شھوۃ نفسہ الی الاکل منہ لشغل بالہ وظاھرہ وان لم یجد جماعۃ بعد

﴿طحطاوی علی الدر المختار جلد ا صفحہ ۲۴۱ مطبوعہ: مکتبہ حبیبہ کوئٹہ﴾

ترجمہ: اسکے دل کے اس کھانے میں مشغولیت کے سبب اسکی شہوت کھانے کی طرف شدید ہوجائیگی اگرچہ اسے بعد میں جماعت نہ ملے۔

امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن اسی سبب کے تحت دو اعذار مزید بیان فرماتے ہیں جو کہ درج ذیل ہے۔

جماعت تیار ہے اور کھانا سامنے آیا اور وقت تنگ نہ ہو جائے گا اور پہلے جماعت کو جائے تو بھوک کے سبب دل کھانے میں لگا رہے گا یا کھانا سرد ہو کر بے مزہ ہو جائے گا یا اس کے دانت کمزور ہیں روٹی ٹھنڈی ہو کر نہ چبائی جائے گی تو اجازت ہے کہ پہلے کھانا کھالے اور اگر کھانے میں کوئی خرابی یا دقت نہ آئے گی نہ اسے ایسی بھوک ہے تو جماعت نہ کھوئے۔ واللہ تعالی اعلم۔

﴿فتاویہ رضویہ جلد ۳ صفحہ ۳۹۰ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

وکذا اشتغالہ بالفقہ کی شرح میں علامہ سید احمد طحطاوی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں۔

عم التعلیم والتعلم والتالیف

﴿طحطاوی علی الدر المختار جلد ا صفحہ ۲۴۱ مطبوعہ: مکتبہ حبیبہ کوئٹہ﴾

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترجمہ: یہ حکم فقہ سیکھنے اور سکھانے اور فقہ کی کتب تالیف کرنے کو عام ہے۔

یعنی فقہ میں مشغولیت صرف اسی کے لئے عذر نہیں ہے جو فقہ سیکھنے میں مشغول ہو بلکہ جو سکھا رہا ہو یا کسی فقہی کتاب کی تالیف میں مصروف ہے وہ بھی احیانا معذور ہے۔

الا اذا واظب تکاسلا کی شرح میں فرماتے ہیں۔

اعلم انه وقع خلاف فی مکرر الفقه المشتغل عن الجماعة فمن قائل یعزر ولاتقبل شهادته ومن قائل یعذر وحمل بعضهم القول الاول علی التارک تهاونا والثانی علی غیره.

﴿طحطاوی علی الدر المختار جلد ۱ صفحہ ۲۴۱ مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ﴾

ترجمہ: جان لے کہ فقہ کی تکرار کرنے والا جو کہ جماعت میں حاضر نہ ہو اس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے پس کسی نے کہا کہ اس کی تعزیر کی جائیگی اور اس کی گواہی نہیں قبول کی جائیگی۔ اور کسی نے کہا کہ اس کو معذور رکھا جائیگا۔ بعض فقہاء نے پہلے قول کو اس پر محمول کیا ہے جو سستی کی وجہ سے جماعت چھوڑ دے اور دوسرے قول کو اسکے غیر پر (یعنی جو واقعی فقہ میں مشغول ہو)۔

امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے جب اسی قسم کا سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔

علماء، طالب اور مشتغل کو احیانا ترک جماعت میں معذور رکھا ہے بچند شروط (چند شرطوں کے ساتھ) اس کا اشتغال خاص علم فقہ سے ہو کہ مقصود اصلی ہے۔ نحو صرف ولغت ومعانی وبیان وبدیع وغیرھا اگرچہ بوجہ آلیت داخل علم دین ہیں اور وہ اشتغال بدرجہ استغراق ہو جس کے سبب فرصت نہ پائے نہ کہ اشتغال فقہ کا بہانہ کر کے جماعت تو ترک کرے اور اپنا وقت بطالت اور فضولیات میں گذارے جیسا کہ بہت طلباء زمانہ کا انداز ہے۔ یا حالت ایسی ہو کہ کسی وقت اہتمام جماعت کے سبب اس کے کام میں حرج واقع ہو جس کا بندوبست نہ کر سکے نہ دوسرا وقت اس کا بدل سکتا ہو مثلا ایک مجمع طلبہ کے ساتھ فقہ کا درس رکھتا ہے اگر اس جماعت کو جائے یہ جماعت نہ پائے پھر باایں ہمہ کسل نفس کے لئے اس مسئلہ کو حیلہ بنا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کر ترک جماعت پر مداومت نہ کرے بلکہ احیانا واقع ہو ورنہ معذور نہ ہوگا بلکہ مستحق تعزیر ٹھہرے گا۔ درمختار میں دربارہ اعذار ترک جماعت لکھا کذا اشتغالہ بالفقہ لا بغیرہ کذا جزم بہ الباقانی تبعا للبھنسی الا اذا واظب تکاسلا فلا یعذر ویعزر۔ نورالایضاح ومراقی الفلاح میں ہے (وتکرار فقہ) لا نحو ولغۃ (بجماعۃ تفوتہ) ولم یداوم علی ترکھا قنیہ کے لفظ یہ ہیں من لا یحضرھا لاستغراق اوقاتہ فی تکریر الفقہ الا الخ علامہ شامی نے فرمایا ثم اشتغال لا بغیر الفقہ فی بعض من الاوقات عذر معتبر واللہ تعالی اعلم

﴿فتاوی رضویہ جلد ۳ صفحہ ۳۱۴ مطبوعہ: مکتبہ رضویہ کراچی﴾

جاننا چاہیے کہ ترک جماعت کے اعذار کسی خاص عدد میں محصور نہیں ہیں بلکہ جہاں حرج پایا جائیگا ترک جماعت کی رخصت ہوگی۔ البتہ فقہاء کرام کی عبارات کے تتبع کے بعد ترک جماعت کے جو اعذار سامنے آئے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ مریض (جسے آنے جانے میں مشقت ہو) پر ۲۔ جو چل پھر نہ سکتا ہو ۳۔ اپاہج ۴۔ جس کی ایک جانب سے ہاتھ اور دوسری جانب سے پاؤں کٹا ہو ۵۔ یا صرف ایک جانب سے پاؤں کٹا ہو ۶۔ فالج زدہ ۷۔ بوڑھا عاجز ۸۔ نابینا اگرچہ اسے لے جانے والا موجود ہو ۹،۱۰۔ اس پر کہ جس کے اور جماعت کے درمیان بارش یا کیچڑ حائل ہوگئی ہو ۱۱۔ سخت اندھیرا ۱۲۔ تند ہوا رات میں نہ کہ دن میں ۱۳،۱۴۔ جسے اپنے مال کے تلف ہونے کا خوف ہو مثلا دکان یا مکان میں چوری کا صحیح اندیشہ ہو۔ یا ۱۵،۱۶۔ ہانڈی میں سالن اور تنور میں روٹی جلنے کا خوف ہو ۱۷،۱۸،۱۹۔ غیر کے مال کے تلف ہونے کا خوف خاص طور پر جبکہ اس کے پاس ودیعت (امانت) یا عاریت یا رھن ہو۔ ۲۰۔ قرض خواہ کا خوف جب کہ تنگ دست ہو ۲۱،۲۲۔ ظالم کا خوف اپنے مال یا جان پر مثلا وہ علماء یا صلحاء جن کی تاک میں بد مذہب لگے ہوئے ہیں ۲۳۔ غیر کی جان کا خوف جبکہ اس کو حفاظت کی ذمہ داری سونپی گئی ہو مثلا وہ حارسین (Guards) جو علماء یا صلحاء کی حفاظت پر متعین ہوں ۲۴،۲۵۔ پیشاب یا پاخانہ کی حاجت ہو ۲۶۔ ریح کا غلبہ ہو ۲۷۔ سفر کا ارادہ ہو اگر جماعت میں شریک ہوگا تو قافلہ نکل جائیگا (یا گاڑی نکل جائیگی یا ملے گی تو دیر میں ملے گی۔) ۲۸۔ سفر جاری ہے خواہ سفر شرعی ہو یا اس سے کم مگر رک کر جماعت میں شامل ہونا مشقت کا باعث ہوگا جیسا کہ بعض اوقات کراچی یا اس

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جیسے کسی دوسرے بڑے شہر میں سفر کے دوران ہوتا ہے۔ ۲۹۔ مریض کی تیمارداری میں مصروف کہ اگر مریض کو چھوڑ کر جائے گا تو اس کو تکلیف یا وحشت ہوگی۔ ۳۲،۳۱،۳۰۔ کھانا حاضر ہے اور کھانے کی اشتہاء بھی ہے یا کھانا سرد ہو کر بے مزہ ہو جائے گا یا اس کے دانت کمزور ہیں روٹی ٹھنڈی ہو کر نہ چبائی جائے گی تو اجازت ہے کہ پہلے کھانا کھالے۔ ۳۵،۳۴،۳۳۔ فقہ میں مشغولیت بھی ترک جماعت کے اعذار میں سے ہے خواہ معلم ہو یا متعلم یا تصنیف کی مصروفیت ہو اور فقہ میں مشغولیت اسی وقت عذر ہے جبکہ سستی کرتے ہوئے ترک جماعت پر مداومت نہ کرے۔ ۳۶۔ اگر امام اول وقت میں ظہر کی جماعت پڑھائے تو اس صورت میں سخت گرمی عذر ہے۔

هذا ما ظهر لي والعلم بالحق عندالله عزوجل ورسوله صلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ : محمد ابوبکر صدیق العطاری

یکم محرم الحرام ۱۴۲۲ھ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ عزوجل

بلاد کفار میں نماز جمعہ وعیدین کا حکم

انگلینڈ، امریکہ ویورپ اور کفار کے دیگر ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کی نماز جمعہ وعیدین کا شرعی حکم

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ کیا بلاد کفار میں جمعہ وعیدین کی نماز پڑھنا اور پڑھانا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

سائل: علامہ محمد حسن رضا مدرس جامعۃ المدینہ گلستان جوہر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الوهاب

اللهم هداية الحق والصواب

امام اہلسنت اعلی حضرت رضی اللہ عنہ کے نزدیک ان بلاد کفار میں جہاں کسی زمانے میں بھی اسلامی سلطنت نہ رہی ہو جمعہ وعیدین کی نماز جائز نہیں ہے اگر چہ وہ کفار شعائر اسلامی سے نہ روکتے ہوں آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"جہاں اسلامی سلطنت کبھی نہ تھی نہ اب ہے وہ اسلامی شہر نہیں ہو سکتے نہ وہاں جمعہ وعیدین جائز ہوں اگر چہ وہاں کے کافر سلاطین شعائر اسلامیہ نہ روکتے ہوں اگر چہ وہاں مساجد بکثرت ہوں اذان واقامت جماعت علی الاعلان ہوتی ہو اگر چہ عوام اپنے جہل کے باعث جمعہ وعیدین بلا مزاحمت ادا کرتے ہوں جیسے کے روس، فرانس، جرمن و پرتگال وغیرہ۔ اکثر بالکل شاید کل سلطنت آئے یورپ کا یہی حال ہے یونہی پہلے اگر سلطنت اسلامی تھی پھر کافر نے غلبہ کیا اور شعائر کفر جاری کر کے تمام شعائر اسلام یکسر اٹھا دیئے تو اب وہ شہر بھی اسلامی نہ رہے اور جب تک پھر از سر نو ان میں سلطنت اسلامی نہ ہو وہاں جمعہ وعیدین جائز نہیں ہو سکتے اگر چہ کفار غلبہ یافتہ ممانعت کے بعد پھر بطور خود شعائر اسلام کی اجازت دے دیں خواہ ان کافروں سے دوسرے کافر چھین کر اجرائے شعائر اسلام کر دیں کہ کوئی غیر اسلامی شہر مجرد جریان شعائر اسلام سے اسلامی نہیں ہو جاتا ہاں اگر اسلامی سلطنت کے کسی کافر صوبے نے بغاوت کر کے کسی اسلامی شہر پر تسلط کیا اور شعائر اسلام بالکل اٹھا دیئے مگر وہ صوبہ چار طرف سے سلطنت

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اسلامیہ میں محصور ہے تو وہ شہر شہر اسلامی میں رہیگا اگرچہ کافر نے شعائر اسلام یکسر اٹھا دیئے مگر چار سمت سے سلطنات اسلامیہ میں محصور ہونے کے باعث ان کی یہ تاریک حالت محض عارضی ہے۔

﴿فتاوی رضویہ ج3 ص716﴾

صدر الشریعہ مولانا امجد علی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی پر جزم فرمایا۔

''جو جگہ دار الحرب ہے وہ دار السلام اس وقت ہوگی کہ مسلمانوں کے قبضے میں آجائے اور وہاں احکام اسلام جاری ہو جائیں۔

﴿بہار شریعت ج1 ح9 ص78﴾

اعلی حضرت رضی اللہ تعالی عنہ کی تائید تاتارخانیہ کی اس عبارت سے ہوتی ہے

اجمع العلماء ان دارالحرب عند ظهو رالمسلمين عليها تصير دارا لاسلام باجراء احكام فيها على الا شهاد

﴿تاتارخانیہ مکتبہ ادارۃ القرآن کراچی ج5 ص323﴾

''یعنی علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ دار الحرب مسلمانوں کے ظہور کے وقت کھلے عام احکام جاری کرنے کے ساتھ دار الاسلام ہو جاتا ہے''

مگر شمس الائمہ سرخسی علیہ الرحمہ نے دار الحرب کی جو تعریف بیان فرمائی ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دار السلام ہونے کیلئے ضروری نہیں کہ وہاں کبھی ماضی میں اسلامی سلطنت بھی رہی ہو آپ فرماتے ہیں:۔

والحاصل ان عند ابى حنيفة رحمه الله تعالى انما تصير دارهم دارالحرب بثلا ث شرا نط أحد ها ان تكو ن متا خمة أرض الترك ليس بينهما وبين ارض الحرب دارللمسلمين والثانى ان لا يبقى فيها مسلم أمن بايما نه ولا ذمى أمن بايمانه وا لثالث ان يظهر احكام الشرك فيها

﴿المبسوط مطبوعہ بیروت ج10 ص116﴾

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

خلاصہ یہ ہے کہ: امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک دارالحرب کی تین شرطیں ہیں۔ایک یہ کہ اس پورے علاقے میں کافروں کی حکومت ہو اور درمیان میں مسلمانوں کا کوئی ملک نہ ہو دوسری یہ کہ اسلام کی وجہ سے کسی مسلمان کی جان مال اور عزت محفوظ نہ ہو اسطرح ذمی بھی محفوظ نہ ہو تیسری شرط یہ ہے کہ اس میں شرک کے احکام ظاہر ہوں۔علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے دارالحرب کی جو تیسری شرط بیان فرمائی اس کے تحت علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

و فی الشرح درر البحار قال بعض المتاخرین اذاتحققت تلک الامور الثلاثة فی مصر المسلمین ثم حصل لا هله الامان و نصب فیه قاض مسلم ینفذ احکام المسلمین عاد الی دارالالسلام:

درر البحار کی شرح میں ہے کہ بعض متاخرین نے فرمایا کہ جب مسلمانوں کے شہر میں یہ تین امور متحقق ہو جائیں پھر اس میں رہنے والوں کو امن حاصل ہو اور مسلمان قاضی بھی مقرر کیا گیا ہو جو مسلمانوں کے احکام نافذ کرے تو وہ شہر دارالسلام ہو جائیگا۔"

آگے فرماتے ہیں کہ:۔

ای علی الاشتهار وان لایحکم فیها بحکم اهل الاسلام (هندیة) و ظاهره انه لو اجریت احکام المسلمین واحکام اهل الشرك لا تکون دارحرب۔

یعنی شرک کے احکام مشہور ہوں اور اس میں اہل اسلام کا کوئی حکم نافذ نہ کیا جائے (ھندیہ) اور ظاہر یہ ہے کہ اگر اسمیں مسلمانوں اور مشرکوں دونوں کے احکام جاری ہوں تو پھر وہ دارالحرب نہیں ہوگا۔

﴿ردالمحتار المکتبۃ التجاویۃ بیروت ج4ص355﴾

اسی طرح علامہ علاؤالدین حصکفی علیہ الرحمۃ نے بھی دارالاسلام ہونے کیلئے مجرد شعائر اسلامیہ کے جریان کی شرط بیان فرمائی ہے آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(ودارالحرب تصیر دارالاسلام باجراء احکام اهل الاسلام فیها)کجمعة وعید (و ان بقیی فیها کافراصلی و ان لم تتصل بدار الاسلام)درر ﴿الدرالمختار ج 4ص356﴾

''اگر دارالحرب میں اسلام کے احکام جاری کردیئے جائیں تو وہ دارالاسلام بن جاتا ہے مثلاً جمعہ اور عیدین پڑھائی جائیں خواہ اس میں کافر اصلی باقی رہے اور خواہ وہ علاقہ دارالاسلام سے متصل نہ ہو۔''

علامہ عبداللہ تمرتاشی نے تنویرالابصار میں ملاخسرو رحمتہ اللہ نے درر میں صاحب غرر کی اسی بات کو قائم رکھا۔علامہ سید احمد طحاوی رحمہ اللہ صاحب درالمختار کی مذکورہ بالا عبارت کے تحت بیان فرمایا کہ

و دارالحرب تصیر دارسلام بزوال بعض القرائن وهو ان تجری فیها احکام اهل الاسلام و ذکر التمرتاشی فی واقعاته انماصارت دارالاسلام بهذه الاعلام الثلاثه فلا تصیر دارالحرب مابقی منه شئ وذکر الامام ناصرالدین فی المنشور ان دارالاسلام صارت دارالاسلام ماجری احکام الاسلام فما بقیت علقة من علائق الاسلام یترجح جانب الاسلام ۔

﴿طحاوی علی الدرالمختار ۔المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ج2 ص461﴾

''اور دارالحرب بعض قرائن کے زوال کے ساتھ دارالاسلام ہو جائیگا وہ اس طرح سے کہ اس میں اہل اسلام کے احکام جاری ہو جائیں اور تمرتاشی نے اپنی کتاب واقعات میں فرمایا کہ وہ جگہ دارالاسلام ان تین علامتوں کی وجہ سے ہو جائے گی اور جب تک ان میں سے کوئی ایک چیز بھی باقی رہے گی وہ جگہ دارالحرب نہیں بنے گی اور امام ناصرالدین نے منشور میں ذکر کیا کہ دارالسلام اسلام کے احکام کے اجراء کے ذریعے دارالاسلام ہو جائیگا اور جب تک اس میں اسلام کے متعلق احکام میں سے کوئی بھی حکم باقی رہیگا تو جانب اسلام کو ہی ترجیح ہوگی۔''

فتاوی ھندیہ میں ہے کہ :-

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اعلم ان دارالحرب تصیر دارالاسلام بشرط واحد وھو اظہار حکم الاسلام فیھا۔

﴿فتاوی عالمگیریۃ ج2 ص332﴾

''تو جان لے کہ دارالحرب ایک ہی شرط کے ساتھ دارالسلام ہو جائیگا اور وہ شرط دارالحرب میں حکم اسلام کا ظاہر کرنا ہے۔''

اسی طرح اگر دارالاسلام تینوں شرائط پائے جانے کی وجہ سے دارالحرب ہو جائے تو اعلحضرت علیہ الرحمۃ کے نزدیک اسے واپس دارالاسلام بننے کیلئے مسلمانوں کا غلبہ ہونا ضروری ہے۔ مجرد شعائر اسلامیہ مثلاً جمعہ وعیدین کی اقامت جماعت کی اجازت سے دارالاسلام نہیں بنے گا مگر علامہ شامی رضی اللہ عنہ نے شرح درر البحار کے حوالے سے لکھا ہے کہ:۔

قال بعض المتاخرین اذاتحققت تلک الامور الثلاثۃ فی مصر المسلمین تم حصل لا ھلہ الامان و نصب فیہ قاض مسلم ینفذ احکام المسلمین عاد الی دارالالسلام:

درر البحار کی شرح میں ہے کہ بعض متاٗخرین نے فرمایا کہ جب مسلمانوں کے شہر میں یہ تین امور متحقق ہو جائیں پھر اس میں رہنے والوں کو امن حاصل ہو اور مسلمان قاضی بھی مقرر کیا گیا ہو جو مسلمانوں کے احکام نافذ کرے تو وہ شہر دارالسلام ہو جائیگا۔''

مذکورہ بالا اقوال کی تائید اس قول سے بھی ہوتی ہے جسے علامہ عالم بن العلاء الانصاری الندرپتی نے تاتارخانیہ میں بحوالہ تجنیس ناصری اور علامہ شامی علیہ الرحمہ نے بحوالہ جامع الفصولین نقل فرمایا

کل مصر فیہ وال مسلم من جھۃ الکفار یجوز منہ اقامۃ الجمع والاعیاد و اخذ الخراج و تقلید القضاء و تزویج الایامی لاستیلاء المسلم علیھم اما طاعۃ الکفرۃ فھی موادعۃ و مخادعۃ و امافی بلاد علیھا ولاۃ کفار فیجوز للمسلمین اقامۃ الجمع والاعیاد و یصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین و یجب علیھم طلب

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وال مسلم

﴿الفتاویٰ التاتا خانیہ ادارۃ القرآن کراچی ج ۵ ص ۳۲۶، ردالمحتار المکتبۃ التجاریہ بیروت ج ۴ ص ۳۵۶﴾

''ہر وہ شہر کہ جس میں کافروں کی طرف سے مسلمان والی ہو تو اس کی اجازت سے جمعہ وعیدین قائم کرنا جائز ہے اسی طرح خراج وصول کرنا اور قاضی مقرر کرنا اور بیواؤں کی شادیاں کرانا بھی جائز ہے اسلیئے کہ ان پر مسلمان والی ہے اور جہاں تک کافروں کی اطاعت کا تعلق ہے تو یہ صلح کرنے کے لئے اور تدبیر کرنا ہے اور وہ شہر جن پر کافر والی مقرر کیے گئے ہیں تو ان میں بھی مسلمانوں کے لئے جمعہ وعیدین قائم کرنا جائز ہے۔ اور مسلمانوں میں سے مسلمانوں ہی کی رضا سے کوئی ایک شخص قاضی ہو جائے گا اور ان پر مسلمان والی کا طلب کرنا واجب ہے۔''

مذکورہ بالا دلائل سے ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ فقہائے کرام اس جانب گئے ہیں جسے امام اہلسنت رضی اللہ عنہ نے اختیار فرمایا اور کچھ اس جانب گئے ہیں جو کہ فتاوی ہندیہ میں سے مذکور ہے

چنانچہ پہلے قول کے مطابق مغربی ممالک کہ جن پر کبھی بھی مسلمانوں کا قبضہ نہ رہا ہو ان میں جمعہ وعیدین جائز نہیں ہے اگر دوسرے قول کے مطابق ان ملکوں میں نماز جمعہ وعیدین ادا کرنا جائز ہے کیونکہ وہاں مسلمانوں کو شعائر اسلامیہ سے نہیں روکا جاتا اعلیحضرت رضی اللہ عنہ کے پہلے قول کو اختیار کرنے کی وجہ یہ تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ معاملہ عام نہیں تھا بلکہ کہیں کہیں عوام جمعہ وعیدین منعقد کرالیا کرتے تھے جیسا کہ ان کی عبارات سے ظاہر ہے۔

مگر ہمارے زمانے میں اس میں عوام ہی نہیں بلکہ جید علماء بھی اس میں ملوث ہو چکے ہیں لہٰذا ان ممالک میں عموم بلویٰ کا ظہور ہو چکا کہ اب اگر پہلے ہی قول کے مطابق فتویٰ دیا جائے تو سینکڑوں نہیں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں مسلمانوں کی نا صرف نماز جمعہ وعیدین عبث ہو جاتی ہے بلکہ نمازِ ظہر کی قضاء بھی ذمہ میں لازم ہو جاتی ہے اسکے علاوہ ایک عظیم دینی نقصان یہ بھی ہوگا کہ ان ممالک میں اہل سنت وجماعت بے شوکت ہو کر رہ جائیں گے جبکہ دوسری جانب بد مذہب فرقے با شوکت نظر آئیں گے بلکہ سادہ لوح سنی مسلمان جنہیں عقائد کے بارے میں اتنی زیادہ معلومات نہیں ہیں نماز جمعہ ادا کرنے کے جذبے کے تحت ان حضرات کے پیچھے نماز ادا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کریں گے ان کی گمراہ کن تقریریں سُن کر خدانخواستہ گمراہی کا شکار ہوجائیں گے چنانچہ اس مصلحت دینی کے تحت کہ امت مسلمہ کے سادہ لوح حضرات فساد کا شکار نہ ہوجائیں اور عموم بلویٰ کے تحت لاکھوں افراد کی نمازوں کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے دوسرے قول پر فتویٰ دیا جانا بہتر حکمت ہے اگر امام اہل سنت مجدد دین وملت الشاہ احمد رضا خان علیہ الرحمہ اس زمانے کے احوال ملاحظہ فرماتے تو یقیناً دوسرے ہی قول پر فتویٰ دیتے۔ جسطرح کہ رنگ کی پڑیا کے معاملے میں سابقہ مفتی بہ قول چھوڑ کر امام اعظم کے قول پر فتویٰ دیا۔ آپ فرماتے ہیں

"یہ سب بر بنائے مذہب مفتی بہ تھا اور اصل مذہب کہ شیخینِ مذہب رضی اللہ عنہما کا قول ہے اعنی طهارة الثلث العينى والمطبوخ التمرى و الزبيبى و سائر الاشربة من غير الكرم و نخلة مطلقاً و حلها كلها دون قدر الاسكار۔ حاشا یہ قول بھی ساقط و باطل نہیں بلکہ بہت باقوت ہے خود اصل مذہب یہی ہے اور یہی جمہور صحابہ کرام حتی کہ اصحاب بدر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے یہی قول امام اعظم ہے عامہ، متون مذہب مثل قدوری و ہدایہ و وقایہ و کنز و غرر و اصلاح وغیرہا میں اسی پر جزم واقتصار کیا اکابر ائمہ ترجیح و تصحیح مثل امام اجل ابو جعفر طحاوی و امام اجل ابو الحسن کرخی و امام شیخ الاسلام ابو بکر خواہر زادہ و امام اجل صاحب ہدایہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی کو راجح و مختار رکھا بلکہ خود امام محمد نے کتاب الآثار میں اسی پر فتوی دیا اسی کو بہ ناخذ فرمایا۔ علماء مذہب نے بہت کتب معتمدہ میں اسکی تصحیح فرمائی یہانتک کہ اکد الفاظ ترجیح علیہ الفتویٰ سے بھی تذییل آئی۔

﴿فتاویٰ رضویہ ج ۱۱ ص ۵۳، ۵۴﴾

یہی معاملہ نماز جمعہ وعیدین کا بھی ہے کہ ایک تو عموم بلویٰ کا ظہور ہوچکا ہے دیگر یہ کہ اگر اہلسنت جمعہ کی جماعت نہ کرائیں گے تو بدمذہب فرقے غالب ہی ہوتے چلے جائیں گے کیونکہ انہوں نے یہ کام بہت پہلے ہی شروع کردیا ہے لہٰذا امتِ مسلمہ کو بدمذہبوں کے چنگل سے بچانے کا یہی راستہ ہے کہ ائمہ اہلسنت انہیں جمعہ وعیدین پڑھائیں تاکہ وہ بدمذہبوں کی صحبت سے دور رہیں اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ:

"ایک روایت نادرہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے یہ آئی ہے کہ جس آبادی میں اتنے مسلمان مرد عاقل بالغ ایسے تندرست جن پر جمعہ فرض ہوسکے آباد ہوں کہ اگر وہ وہاں کی بڑی سے بڑی مسجد

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

میں جمع ہوں تو نہ سما سکیں یہانتک کہ انہیں جمعہ کے لئے مسجد جامع بنانی پڑے وہ صحتِ جمعہ کے لئے شہر سمجھی جائیگی

﴿فتاوی رضویہ ج۳ص۷۰۲﴾

مزید فرماتے ہیں:

”دیہات میں نماز جمعہ وعیدین مذہبِ حنفی میں جائز نہیں مگر جہاں ہوتا ہے اُسے بند کرنا جاہل کا کام ہے۔“

﴿فتاوی رضویہ ج۳ص۷۵۲﴾

تو اعلٰحضرت علیہ الرحمہ کے اقوال سے معلوم ہوا کہ دیہات میں جمعہ وعیدین ہوجاتی ہیں بلکہ ان دیہاتوں میں جہاں جمعہ پہلے سے شروع ہوا ہو بند کرنے والے پرسختی فرمائی اوراسے جاہل فرمایا۔

اور دوسری طرف یہ بھی کہ دیہاتوں کی طرف اکثر طور پر بدمذہبوں کے ٹولے رخ کرتے ہیں اور وہ لوگ جو کہ عقائد سے بہرا ور نہیں ہوتے دھڑا دھڑ ان کے ساتھ ہوجاتے ہیں لہٰذا امت کو فساد سے بچانے کا یہی ایک راستہ ہے ۔ اسی طرح کا ایک واقعہ سرحد کے ایک اسلامی بھائی نے بتایا کہ تبلیغی جماعت کے وفود دیہاتوں میں آتے ہیں اور جمعہ وعیدین قائم کرتے ہیں جس کی وجہ سے پورے کے پورے گاؤں ان کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔جس کے نتیجہ میں رفتہ رفتہ بہت سے لوگ بدعقیدگی کا شکار ہوجاتے ہیں اور سنّی حضرات دیکھتے ہی رہ جاتے ہیں۔فقہی اعتبار سے امت کی مصلحت کے لئے یا اس کو فساد سے بچانے کے لیئے فتوے کو تبدیل کرنا جائز اور عقیدے کے فساد سے بڑھ کر کوئی فساد نہیں ہے۔

چنانچہ فقہی اصولوں کے مطابق ہمارے زمانے میں بلاد کفار اور دیہات وغیرہ میں نماز جمعہ کے قیام کے جواز میں فتوٰی دیا جانا چاہیئے۔نوٹ:ممکن ہے کہ بعض افراد یہ اعتراض کریں کہ عبادات میں عمومِ بلویٰ معتبر نہیں ہے تو اسکے جواب میں منیۃ المصلی زلۃ القاری اور علامہ حلبی علیہ الرحمہ کی کتاب حلبی کبیر اس پر شاہد ہے کہ عبادات میں عمومِ بلوی معتبر ہے۔

واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب

کتبہ: محمد ابوبکر صدیق عطاری

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ عزوجل

دیہات میں جمعہ و عیدین کی نماز

جدید شرعی مسائل کے حل کے لئے قائم کردہ مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور (ہندوستان) سے دیہات میں جمعہ وعیدین کی نماز سے متعلق موصول ہونے والے سوالات کے تحقیقی جوابات

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سوال: مصر کی جامع مانع تعریف کیا ہے؟ فی زمانہ کن آبادیوں میں یہ صادق آتی ہے؟

جواب: مصر کی تعریف میں ہمارے علماء کرام رحمہ اللہ کے اقوال مختلف ہیں علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں کئی اقوال نقل فرمائے جو کہ درج ذیل ہیں،

۱۔ فعن ابی حنیفة رحمه الله هو ما یجتمع فیه مرافق اهله دنیا و دینا

ترجمہ: امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ مصر وہ ہے کہ جس میں اسکے اہل کے دنیاوی اوردینی لوازمات مجتمع ہوں۔

۲۔ و عن ابی یوسف کل موضع فیه امیر و قاض ینفذ الاحکام و یقیم الحد ود فهو مصر تجب علی اهله الجمعة و هکذا روی الحسن عن ابی حنیفة فی کتاب صلاته

ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے ہر وہ موضع کہ جس میں امیر اور قاضی ہو جو احکام نافذ کرتا ہو اور حدود قائم کرتا ہو تو وہ مصر ہے اسکے اہل پر جمعہ واجب ہے ایسے ہی حسن نے اپنی نماز کی کتاب میں ابوحنیفہ علیہ الرحمہ سے روایت کی ہے۔

۳۔ و فیه ایضاً قال سفیان الثوری المصر الجامع ما یعده الناس مصرا عند ذکر الامصار المطلقة کبخاری و سمرقند

ترجمہ: اور اسی میں ہے کہ سفیان ثوری علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ مصر جامع وہ کہ جب لوگ امصار مطلقہ کا ذکر کریں تو اسے مصر شمار کریں جیسے کہ بخارئ اور سمرقند۔

۴۔وقال الکرخی المصر الجامع ما اقیمت فیه الحدود و نفذت فیه الاحکام و هو اختیار زمحشری

امام کرخی فرماتے ہیں مصر جامع وہ ہے کہ جس میں حدود قائم کی جاتی ہوں اور احکام نافذ کئے جاتے ہوں اور یہی زمخشری کا اختیار ہے۔

۵۔و عن ابی عبدالله البلخی انه قال احسن ما سمعت اذا اجتمعوا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

فی اکبر مساجدهم فلم یسعوا فیه فهو مصر جامع

عبداللہ بلخی سے ہے کہ آپ فرماتے ہیں سب سے بہتر بات جو میں نے سنی کہ مصروہ ہے کہ جب اسکی سب سے بڑی مسجد میں لوگ جمع ہوں تو وہ اسمیں نہ سما سکیں۔

۶۔ وعن ابی حنیفة هو بلدة کبیرة فیها سکک و اسواق و لها رساتیق و یرجع الناس الیه فیما وقعت لهم من الحوادث وهو اختیار صاحب التحفة۔

اور ابوحنیفہ علیہ الرحمہ سے ہے کہ مصروہ بڑا شہر ہے کہ جس میں متعدد کوچے اور بازار ہوں اور جس میں رساتیق ہوں (دیہات) لوگ اپنے حوادث میں اسکی طرف رجوع کرتے ہوں اور یہی صاحب تحفہ کا مختار ہے۔

۷۔وقال ابو یوسف فی نوادر ابن شجاع اذا کان فی القریة عشرة آلاف فهو مصر

نوادر ابن شجاع میں ہے کہ ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اگر کسی قریہ میں دس ہزار لوگ ہوں تو وہ مصر ہے۔

۸۔ و عن بعض اصحابنا مصر ما یعیش فیه کل صانع بضاعته لا یحتاج الی التحول الی صنعة اخری۔

ہمارے بعض اصحاب سے مروی ہے کہ مصروہ ہے جس میں ہر صانع اپنی صناعت کے ساتھ رہتا ہو کہ کسی دوسری صنعت کی طرف سفر کی احتیاج نہ رہے۔

۹۔وفی المستصفی احسن ما قیل فیه اذا یوجد فیه حوائج الدین وهو القاضی و المفتی و السلطان فهو مصر جامع

مستصفی میں ہے سب سے اچھی بات جو اس معاملے میں کہی گئی ہے کہ اگر اس جگہ میں حوائج دین یعنی قاضی و مفتی اور سلطان پائے جائیں وہ مصر جامع ہے۔

۱۰۔ و عن ابی حنیفة المصر کل بلدة فیها سکک و اسواق و وال

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ینصف المظلوم من ظالمه و عالم یرجع الیه فی الحوادث و هو الاصح ذکره فی المفید والتحفة

ابوحنیفہ علیہ الرحمہ سے ہے کہ ہر وہ شہر کہ جس میں متعدد کوچے و بازار اور والی ہو جو ظالم سے مظلوم کو انصاف دلائے اور ایک عالم ہو کہ لوگ اپنے معاملات میں اسکی طرف رجوع کرتے ہوں اور یہی اصح ہے اسکو مفید اور تحفہ میں ذکر کیا ہے۔

۱۱۔وعن محمد کل موضع مصره الامام فهو مصر حتیٰ انه لو بعث الی قریة نائبا الی اقامة الحدود و القصاص یصیر مصرا فاذا عزله و دعاه تلحق بالقری و یؤید قول محمد هذا ما صحح انه کان لعثمان رضی الله عنه عبد اسود امیر له علی الربدة یصلی خلفه ابو ذر عشرة الصحابة الجمعة وغیرها ذکره ابن حزم فی المحلی ﴿کذالک فی حلبی کبیر ص ۵۵۱﴾

امام محمد سے ہے کہ ہر وہ موضع جسے امام مصر بنادے تو وہ مصر ہے حتی کہ اگر وہ کسی قریہ کی طرف اقامت حدود وقصاص کیلئے نائب کو بھیج دے تو وہ مصر ہو جائیگا اور اگر وہ اسکو معزول کردے اور اسے واپس بلالے تو وہ قریہ ہو جائیگا امام محمد کے اس قول کی تائید وہ روایت ہے

۱۲۔وقال قاضی خان و الاعتماد علی ما روی عن ابی حنیفة فی المحلی کل موضع بلغت ابنتنیه ابنیه منی و فیها قاض یقیم الحدود و ینفذ الاحکام فهو مصر

قاضی خان فرماتے ہیں کہ مصر جامع کی تعریف میں اعتماد ابوحنیفہ علیہ الرحمہ سے مروی محلی کی اس روایت پر ہے کہ ہر موضع کہ جس کی ابنیت منیٰ کو پہنچے اور اس میں مفتی وقاضی ہو جو حدود قائم کرتا ہو اور احکام نافذ کرتا ہو وہ مصر ہے

۱۳۔و قیل الجامع ان یوجد فیه عشرة آلاف مقاتل

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کہا گیا ہے کہ مصر جامع وہ جگہ ہے جہاں پر دس ہزار مقاتل (لڑاکا) پائے جائیں

۱۴۔و قيل ان يكون بحال لو قصدهم عدو غلبهم دفعة ذكرهما في الينابيع

کہا گیا ہے کہ مصر جامع وہ جگہ ہے کہ اگر دشمن ان کا ارادہ کرے تو حفاظت میں ان پر غالب آ جائے ان دونوں کو ینابیع میں ذکر کیا ہے

﴿البنایہ ج ۳ ص ۵۲، ۵۱ المکتبہ التجاریہ مکۃ المکرمۃ﴾

ان تمام تعریفات میں ظاہر روایت سے قریب ترین روایت دسویں تعریف ہے بلکہ اگر تعریف نمبر ۱۰ اور نمبر ۶ کو ملایا جائے تو مصر کی وہ تعریف ظاہر ہوگی جسے امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن نے فتاویٰ رضویہ میں اور صدر الشریعہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ نے بہار شریعت میں لکھا ہے امام اہلسنت الشاہ احمد رضا خان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''صحیح تعریفِ شہر کی یہ ہے کہ وہ آبادی جس میں متعدد کوچے ہوں دوامی بازار ہوں نہ وہ جیسے پیٹھ کہتے ہیں اور وہ پرگنہ ہے کہ اسکے متعلق دیہات گنے جاتے ہوں اور اس میں کوئی حاکم مقدمات رعایہ فیصل کرنے پر مقرر ہو جس کی حشمت وشوکت اس قابل ہو کہ مظلوم کا انصاف ظالم سے لے سکے جہاں یہ تعریف صادق ہو وہی شہر ہے۔''

﴿فتاوی رضویہ ج ۳ ص ۶۷۲ مکتبہ رضویہ کراچی﴾

یہی آخری تعریف جامع مانع ہے اور عرفاً ایسی ہی جگہ پر شہر کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ اس تعریف کے علاوہ باقی تمام تعریفات غیر مانع وغیر جامع ہیں۔

من شاء التفصيل فليراجع الى غنية المستملي۔

سوال ۲: روایت نادرہ کے مطابق مصر کی تعریف اور اسکے مصادیق کی وضاحت فرمائیں۔

جواب: ہر وہ دیہات کہ جس کی آبادی میں اتنے مسلمان مرد، عاقل، بالغ، ایسے تندرست جن پر جمعہ فرض ہو سکے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

آباد ہوں کہ اگر وہ وہاں کی مسجد میں جمع ہوں تو نہ سما سکیں یہانتک کہ انہیں جمعہ کیلئے مسجد جامع بنانی پڑے وہ صحت جمعہ کیلئے شہر سمجھی جائے۔"

۱۔ مذکورہ بالا تعریف میں دیہات کی قید سے اہل الاخبیۃ (خیمہ والے) وغیرھم نکل جائیں گے کہ اہل اخبیہ کی آبادی دیہات میں داخل نہیں امام اہلسنت فرماتے ہیں

"دیہات سے بھی کم درجہ بستی جنگلوں، میدانوں پہاڑوں میں اہل خیمہ کے مقام ہیں جن میں مکانات کچے پکے اصلاً نہیں ہوتے انہوں نے جہاں آب و مرغزار دیکھے ڈیرے ڈال دیئے خیمے تان دیئے وہیں اقامت کرلی یہ بستیاں نظر شرع میں دیہاتوں سے بھی ادنیٰ ہیں۔

﴿فتاوی رضویہ ج ۳ ص ۷۰۳ مکتبہ رضویہ کراچی﴾

۲۔ مذکورہ تعریف میں نادر روایت کے ظاہری الفاظ اکبر مساجدھم کو چھوڑ کر مطلق مسجد ذکر کیا گیا ہے تاکہ وہ آبادیاں بھی مصر کی تعریف میں داخل ہوجائیں جن میں صرف ایک ہی مسجد ہو۔

۳۔ تعریف کے اخیر میں "جمعہ کے لئے شہر سمجھی جائے" کی قید سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ نہ تو مطلقا مصر کی تعریف ہے اور نہ ہی بقائے مصر کی بلکہ یہ اس بات کا بیان ہے کہ کوئی دیہات کب مصر میں تبدیل ہوجائے گا چنانچہ اس سے کئی اعتراضات رفع ہوجائیں گے مثلاً اس تعریف کے مطابق حرمین طیبین بھی شہر نہ ٹھہریں گے اس کا جواب یوں دیا جائیگا کہ یہ تعریف نہ تو مطلقاً مصر کی تعریف ہے اور نہ ہی بقائے مصر کی تعریف ہے بلکہ یہ دیہات سے مصر کی طرف تبدیل ہونے کا بیان ہے جبکہ حرمین طیبین قدیم ہی سے مصر ہیں۔

مصادیق:

بلاد کبیرہ تو تعریف مشہورہ جو کہ امام اہلسنت رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کی گئی مصر مانے جائیں گے جبکہ اس تعریف کے مصادیق وہ تمام قصبہ، گاؤں دیہات وغیرہ ہونگے کہ جن میں اتنے مسلمان، عاقل، بالغ وتندرست جن پر جمعہ فرض ہوسکے آباد ہوں کہ اگر وہ وہاں کی مسجد میں جمع ہوں تو نہ سما سکیں یہاں تک کہ انہیں جمعہ کیلئے مسجد جامع کی ضرورت پیش آئے۔

سوال ۳: کیا فی زماننا روایت نادرہ پر فتویٰ وعمل جائز ہے؟

جواب: بلاشبہہ دور حاضر میں روایت نادرہ ہی پر فتوی دینا اور عمل کرنا عین حکمت ہے اسکی درج ذیل

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وجوہات ہیں جو اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ فی زمانہ ظاہر الروایہ کو چھوڑ کر روایت نادرہ ہی پر فتویٰ دینا چاہیے۔

اولاً یہ کہ دیہاتوں میں نماز جمعہ قائم کرنے کے سلسلے میں دیہاتی عوام اور بہتیرے خواص ابتلائے عام کا شکار ہو چکے ہیں بلکہ یوں کہا جائے کہ دیہات وگاؤں وغیرہ میں جمعہ قائم کرنے کا تعامل جاری ہو چکا ہے تو ایسی صورت میں اگر ہمارے ہی مذہب میں روایت مل جائے اگر چہ وہ روایت نادرہ ہی کیوں نہ ہو تو اس پر فتویٰ جاری کرنے اور عمل کرنے میں کیا حرج ہے۔ بلکہ یہی تو وہ موقع ہے جہاں قول امام سے عدول کرنا جائز مجدد اعظم امام اہلسنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں

"اقول: محققین فرماتے ہیں کہ قول امام پر فتوی واجب ہے اس سے عدول نہ کیا جائے اگر چہ صاحبین خلاف پر ہوں اگر چہ مشائخ مذہب قول صاحبین پر افتاء کریں اللھم الا لصعف دلیل او تعامل بخلافه نص علی ذالک العلامة زین بن نجیم فی البحر و العلامة خیر الدین رملی فی فتاواہ شیخ الاسلام صاحب الھدایة فی التجنیس و المحقق حیث اطلق فی الفتح والشریف الطحطاوی و السید الشامی فی حواشی الدرر وغیرھم من اجلة العلماء الکرام کما بیناہ فی کتاب النکاح من العطایا النبویه فی الفتاوی الرضویه۔"

﴿فتاوی رضویہ ج ۳ ص ۱۷۶ مکتبہ رضویہ کراچی﴾

بلکہ ایسے موقع پر ظاہرا امام اعظم کا قول چھوڑ کر صاحبین کے قول پر فتویٰ دینا بھی حقیقت میں امام اعظم رضی اللہ عنہ ہی کے قول پر عمل کرنا ہے کہ ایسی صورت میں امام اعظم کا قول قول صوری تھا اور صاحبین کا قول دراصل امام اعظم ہی کا قول ضروری ہے کما حقق الامام احمد رضا خان علیه رحمة الرحمٰن فی اجلی الاعلام بان الفتوی علی قول الامام۔

ثانیاً: فقیر کی اطلاع کے مطابق اکثر علماء اہلسنت ابتداء گاؤں و دیہات میں جمعہ قائم کرنے اور کروانے سے گریز کیا کرتے تھے اور جو کوئی اس بارے میں اجازت بھی لینے آتا اسے مذہب مفتی بہ کے مطابق منع فرما دیا کرتے تھے مگر اسکے مقابلے میں دیوبندیوں کی تبلیغی جماعت خاص طور پر جمعہ کیلئے ایک روزہ جماعت نکالتی تھی اور نکالتی ہے جو کہ دیہاتوں میں جا کر نماز جمعہ قائم کرتے تھے اور اب تک کر رہے ہیں چنانچہ گاؤں دیہاتوں میں لوگ تبلیغی جماعت سے قریب اور اہلسنت سے دور ہونے لگے جسکے نتیجہ میں گاؤں کے گاؤں

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

دیوبندی ہوگئے اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے یہ بات ظاہر ہے کہ اسکا سد باب ممانعت کا فتوی دینے سے نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ تو پہلے ہی سے موجود ہے بلکہ تبلیغی جماعت نے اہل حق کے اس جائز وحق فتویٰ ہی کی وجہ سے فائدہ اٹھایا اور میدان خالی پاکر لوگوں کے عقائد میں خوب فساد پھیلایا اور اب تک پھیلا رہے ہیں اہلِ علم پر یہ بات روشن ہے کہ فساد امت بھی فتوی کی تبدیلی کے اسباب میں سے ایک ہے اور اس فساد میں تو ضرور تبدیل فتوی ہوگی کہ عقیدے کا فساد ہے چنانچہ امت کو عقیدے کے فاسد سے بچانے کیلئے ضروری ہے کہ روایت نادرہ پرفتوی دیا جائے تاکہ ہمارے لوگوں کو بھی کھل کر گاؤں دیہات میں جمعہ پڑھانے کا موقع ملے اور تبلیغی جماعت کی سازشوں کی وجہ سے لوگوں کے عقائد میں جوخرابی پیدا ہوئی وہ دور ہو اور جاء الحق و زھق الباطل کا ظہور ہو۔

ثالثاً:

مصر کی تعریف بمطابق روایت مشہورہ یا دیگر روایتوں کے کوئی منقول شرعی نہیں ہے بلکہ اسکا مدار عرف پر ہے امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں

"ثم اقول وباللہ التوفیق حق ناصح یہ ہے کہ مصر تو یہ کوئی منقولات شرعیہ مثل صلوٰۃ وزکوۃ ہیں جس کو شرع مطہر نے معانی متعارف سے جدا فرما کر اپنی وضع خاص میں کسی شئے معین کیلئے مقرر کیا ہو ورنہ شارع علیہ السلام سے اس میں نقل ضرور تھی کہ وضع شارع بے بیان شارع معلوم نہیں ہوسکتی۔ اور شک نہیں کہ یہاں شارع علیہ السلام سے اصلاً کوئی نقل ثابت و منقول نہیں۔"

﴿فتاوی رضویہ مکتبہ رضویہ کراچی ج ۳ ص ۱۰۷﴾

امام اہلسنت رضی اللہ عنہ کی عبارت سے بھی ثابت ہوگیا کہ مصر کے بارے میں کوئی منصوص علیہ تعریف نہیں ہے تو ظاہر الروایہ کے بجائے ہمارے ہی مذہب کی دوسری روایت پر فتوی دینے میں کوئی حرج نہیں ہے علامہ شامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں

واما ان تكون ثابتة بصريح النص و هى الفصل الاول و اما ان تكون ثابتة بضرب اجتهاد و راى كثير منها ببنيه المجتهد على ما كان فى عرف زمانه بحيث لو كان فى زمان العرف الحادث لقال بخلاف ما قاله اولا و لهذا قالوا فى شروط الاجتهاد انه لا بد

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

فيه من معرفة عادات الناس فكثير من الاحكام تختلف باختلاف الزمان لتغير عرف اهله و او لحدوث ضرورة و فساد اهل الزمان بحيث لو بقى الحكم على ما كان عليه اولا للزم منه المشقة و الضرر بالناس ولخالف قواعد الشريعة المبنية على التخفيف و التيسير و دفع الضرر و الفساد و لبقاء العالم على اتم نظام و احسن احكام و لهذا ترى مشايخ المذهب خالفوا ما نص عليه المجتهد في مواضع كثيرة بناء على ما كان في زمنه لعلمهم بانه لو كان في زمنهم لقال بما قالوا به اذا ذا من قواعد مذهبه فمن ذالك افتائهم بجوازعلى تعليم القرآن و نحوه.................اھ

﴿رسائل ابن عابدین نشر العرف سہیل اکیڈمی ج ۲ ص ۱۲۶،۱۲۵﴾

ترجمہ: مسائل فقہیہ یا نص صریح سے ثابت ہونگے تو وہ قسم اول ہی میں شمار کئے جائینگے یا مسائل شرعیہ اجتہاد ورائے سے ثابت ہونگے اور بہت سے ایسے احکام کہ جن کو مجتہد اپنے زمانے کے عرف کی بنیاد پر اخذ کرتا ہے اس حیثیت سے کہ اگر وہ خود عرف حادث کے زمانے میں ہوتا تو ضرور وہ بات کہتا جو اسکے پہلے قول کے خلاف ہوتی اور اسی وجہ سے علماء نے اجتہاد کی شرائط میں فرمایا کہ مجتہد کیلئے لوگوں کی عادت کی معرفت ضروری ہے کیونکہ بہت سے احکام زمانے کے اختلاف سے تبدیل ہوجاتے ہیں اور اس تبدیلی کی وجہ اس زمانے کے لوگوں کے عرف کا بدلنا یا کسی ضرورت کا حادث ہونا یا اس زمانے کے لوگوں کا فساد اس حیثیت سے کہ اگر حکم وہی رہے جو پہلے تھا تو لوگوں کو مشقت اور ضرر لاحق ہوگا اور اس حکم کی تبدیلی نہ کرنے میں ان قواعد شریعیہ کی مخالفت لازم ئی گی جو کہ تخفیف، تیسیر اور دفع ضرر وفساد پر اسلئے مبنی ہیں تا کہ عالم اپنے اچھے نظام اور احسن احکام پر باقی رہے لہٰذا تو دیکھے گا کہ مشائخ مذہب نے بہت سے ان مسائل میں اختلاف کیا کہ جن کو مجتہد نے اپنے زمانے کے حالات کے تحت منصوص کیا تھا اور اپنے علم کی وجہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سے اگر وہ مجتہد خود انکے زمانے میں ہوتا تو قواعد مذہب کی پیروی کرتے ہوئے وہی کہتا جو انہوں نے کہا مثلاً علماء کا وظائف معلمین جو کہ صدر اول میں تھے کے منقطع ہونے کے باعث تعلیم القرآن اور اسکی مثل دیگر مسائل میں اجارے کے جواز کا فتوی دینا..........................''

علامہ شامی رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا عبارت صریحا تقاضا کرتی ہے کہ لوگوں کو عقائد کے فاسد اور گناہ سے بچانے کیلئے روایت نادرہ پر فتوی دینا چاہیے۔

خود امام اہلسنت امام احمد رضا خانصاحب علیہ الرحمہ نے اپنے زمانے کے حالات کے اعتبار سے اس میں سختی فرمائی مگر پھر لوگوں کے حالات ملاحظہ فرماتے ہوئے عوام کے معاملے میں نرمی فرمائی آپ فرماتے ہیں

''در بارہ عوام فقیر کا طرز عمل یہ ہے کہ ابتداء خود انہیں منع نہیں کرتا نہ انہیں نماز سے باز رکھنے کی کوشش پسند رکھتا ہے ایک روایت پر صحت انکے لئے بس ہے وہ جسطرح خدا اور رسول کا نام پاک لیں غنیمت ہے مشاہدہ ہے کہ اس سے روکئے تو وہ وقتی چھوڑ بیٹھتے ہیں

﴿فتاوی رضویہ ج ۳ ص ۷۱۴﴾

آپ رضی اللہ تعالی عنہ مزید فرماتے ہیں

''جس گاؤں میں یہ حالت پائی جائے اس میں روایت نادر کی بناء پر جمع وعیدین ہو سکتے ہیں اگرچہ اصل مذہب کے خلاف ہے مگر اسے بھی جماعت متاخرین نے اختیار فرمایا۔''

﴿فتاوی رضویہ مکتبہ رضویہ ج ۳ ص ۷۰۲﴾

بہر حال فقیر اتنا کہے گا کہ اگر اعلحضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ ہمارے زمانے کے حالات ملاحظہ فرماتے تو ضرور روایت نادرہ پر فتوی دیتے جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے رنگ کی پڑیا اور حقے کے مسئلے میں فتوی دیا۔

سوال ۴: احتیاطی ظہر کا مطلب کیا ہے اور اس کے مواقع کیا ہیں؟

جواب: مجدد اعظم امام احمد رضا خان صاحب علیہ الرحمہ ظہر احتیاطی کے مواقع بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

''ان کا محل وہاں ہے کہ صحت جمعہ میں اشتباہ و تردد قوی ہو مثلاً وہ مواضع جنکی مصریت میں شک

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہے یا باوصف اطمینان صحت جانب خلاف کچھ وقعت رکھتی ہو مثلاً جہاں جمعہ متعدد جگہ ہوتا ہو اور سبقت نا معلوم ہو کہ اگر چہ دربارۂ تعدد قول جواز ہی معتمد و ماخوذ و مفتی بہ ہے مگر عدم جواز بھی ساقط و نا قابل التفات نہیں کما بینہ فی ردالمحتار صورت اولیٰ میں ان چار رکعت کا حکم ایجاباً و تاکیداً ہوگا لوقوع الشبھۃ فی براء ۃ العھدۃ اور ثانیہ میں استحباباً و ترغیباً لان الخروج عن الخلاف مستحب اجماعاً مالم یلزم محذور''

☆ فتاوی رضویہ ج ۳ ص ۷۰۱ ☆

ظہر احتیاطی کے مطالب کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں

'' ایسی جگہ ہمارے علماء کرام نے حکم دیا کہ بعد نماز جمعہ چار رکعت فرض احتیاطی اس نیت سے ادا کرے کہ پچھلی وہ ظہر جسکا وقت میں نے پایا اور اب تک ادا نہ کی چاروں میں سورت ملائے پھر جمعہ کی دو سنتیں ان رکعتوں کے بعد بہ نیت سنت وقت ادا کرے۔ جمعہ پڑھتے وقت نیت صحیح وثابت رکھے جمعہ کو صحیح سمجھ کر خاص فرض جمعہ کی نیت کرے اگر بنیت فرض نہ ادا کیا تو جمعہ یقیناً نہ ہوا اور اب یہ چار رکعتیں نری احتیاطی نہ رہیں گی بلکہ ظہر پڑھنی فرض ہو جائیگی اور جب یوں نیت صحیحہ سے ادا کر چکا تو ان چار رکعتوں میں یہ نیت نہ کرے کہ آج کی ظہر پڑھتا ہوں بلکہ وہی گول نیت رکھے کہ جو پچھلی ظہر میں نے پائی اور اور ادا نہ کی اسے ادا کرتا ہوں خواہ وہ کسی دن کی ہو اس سے زیادہ خیالات پریشان نہ کرے یوں پڑھنے میں یہ نفع پائیگا کہ اگر شاید علم الٰہی میں بوجہ فوت بعض شرائط جمعہ صحیح نہ ہوا ہوگا تو یہ رکعتیں آج ہی کی ظہر ہو جائینگی اس صورت میں یہی ظہر وہ پچھلی ہے جسکا وقت اسے ملا اور ابھی ذمہ سے ساقط نہ ہوئی اور اگر جمعہ صحیح واقع ہوا تو آج سے پہلے کی جو ظہر اسکے ذمے رہی ہوگی (خواہ یوں کہ سرے سے پڑھی ہی نہ تھی یا کسی وجہ سے فاسد ہوگئی) وہ ادا ہو جائے گی اور اگر کوئی ظہر نہ رہی ہوگی تو یہ رکعتیں نفل ہو جائیں گی اسی لحاظ سے جس پر قضاء عمری ظہر کی نہ ہوں یہ چاروں رکعتیں بھری بھری پڑھیں کہ اگر نفل ہوئی اور سورت نہ ملائی تو واجب چھوٹ کر مکروہ تحریمی ہوگی ہاں جس پر قضاء عمری ہے اسے پچھلی دو میں سورت ملانے کی حاجت نہیں کہ اس کے بہ طرح فرض ہی ادا ہو نگے جمعہ نہ ہوا تو آج کے اور ہوا تو آج

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سے پہلے کے یہ سب تفصیل واقع کے اعتبار سے ہے نمازی کو نیت میں اس شک وتردد کا حکم نہیں کہ نیت وتردد باہم منافی ہیں۔ اگر یوں ہی مذبذب نیت کی تو وہ مقصود واحتیاط ہرگز حاصل نہ ہوگا لہٰذا اسی طرح گول نیت بے خیال تردد بجالائے اور واقع کا معاملہ علم الٰہی پر چھوڑ دے۔"

﴿فتاوی رضویہ مکتبہ رضویہ ج ۳ ص ۶۸۰﴾

پھر ظہر احتیاطی کا حکم صرف خواص کو ہے عوام کو نہیں کہ وہ تصحیح نیت پر قادر نہیں۔

﴿کماحققہ الامام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمان فی فتاواہ﴾

سوال ۵: بعض علاقے میں نماز جمعہ پڑھ کر ظہر باجماعت بھی پڑھتے ہیں اس کا ماخذ کیا ہے جبکہ دونوں میں سے ایک نفل نماز ہوتی ہے اس کا کیا حکم ہے؟ کیا اس حکم میں عوام وخواص دونوں یکساں ہیں یا دونوں کے حکم میں فرق ہے؟

جواب: باجماعت ظہر احتیاطی پڑھنے کی کوئی روایت فقیر کی نظر سے نہیں گذری یہ یقیناً منع ہے کما حقق الامام احمد رضا علیہ الرحمہ اور اس حکم میں عوام وخواص یکساں ہے دونوں ہی کو باجماعت ظہر احتیاطی سے منع کیا جائیگا ہاں البتہ خواص کو انفرادی طور پر ظہر احتیاطی ادا کرنے کا حکم کیا جائیگا۔

سوال ۶: مصر وقریہ کے احکام میں جمعہ وعیدین برابر ہیں؟ یا دونوں میں فرق ہے؟

جواب: مصر وقریہ کے احکام میں جمعہ وعیدین برابر ہیں اعلیحضرت رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ سے یہی ظاہر ہے آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اولاً جب نماز جمعہ وعیدین وہاں صحیح نہیں تو یہ امر غیر صحیح میں مشغولی ہوئی اور وہ ناجائز ہے۔"

﴿فتاوی رضویہ ج ۳ ص ۷۰۳﴾

مذکورہ بالا عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اعلیحضرت رضی اللہ عنہ دیہات وغیرہ میں عیدین کی نماز کے اصلا قائل نہیں اور یہی بہار شریعت سے عیاں۔ صدر الشریعہ مولٰنا امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں اسکے ادا کی وہی شرطیں ہیں جو جمعہ کیلئے ہیں"

﴿بہار شریعت (ضیاء القرآن پبلی کشنز لاہور) جلد ا حصہ چہارم ص ۵۹﴾

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سوال ۷: کیا اعلم علمائے بلد والی کے حکم میں ہو سکتے ہیں؟

جواب: حدیقہ ندیہ میں ہے

اذا خلا الزمان من سلطان ذی کفایة فالامور موکلة الی العلماء و یلزم الامة الرجوع الیهم و یصیرون ولاة فاذا عسر جمعهم علی واحد استقل کل قطر باتباع علمائه فان کثروا فالمتبع اعلمهم فان استووا اقرع بینهم اھ

﴿ حدیقہ ندیہ مطبوعہ مصر ج اص ۲۴۰ ﴾

ترجمہ: اگر زمانہ کفایت کرنیوالے سلطان سے خالی ہو تو امت کے امور علماء کے سپرد کیئے جائیں گے اور امت پر ان کی طرف رجوع کرنا لازم ہوگا اور علماء ان کے والی ہو جائیں گے پس اگر ان سب کا ایک عالم پر اتفاق کرنا مشکل ہو جائے تو ہر علاقہ اپنے علماء کی پیروی میں متسقل ہوگا پس اگر ایک علاقے میں بھی علماء کی کثرت ہو جائے تو ان میں سے اعلم کو منتخب کیا جائیگا اور اگر علم میں بھی سب برابر ہوں تو ان کے مابین قرعہ اندازی کی جائیگی۔

مذکورہ بالا عبارت اس بات میں صریح ہے کہ ہمارے زمانے میں علماء ہی والی بلد کے حکم میں ہیں اگر چہ والی بلد موجود بھی ہو کیونکہ اگر والیان بلد موجود بھی ہوں تو وہ ذی کفایت نہیں ہوتے بلکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ دینی معاملات میں انھیں امیر نہیں بنایا جا سکتا لہٰذا یہ امر دور حاضر میں علماء ہی کی طرف لوٹے گا الا ماشاء اللہ اگر کوئی والی صاحب علم ہو تو وہ اسی مرتبہ کا اہل ہے۔

سوال ۸: دیہات میں جمعہ پڑھنے کی اجازت اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے صرف عوام کو دی ہے یا خواص کو؟ اگر خواص جمعہ کے ساتھ ظہر با جماعت بھی پڑھیں یا پڑھائیں اور عوام کو اس کی تلقین بھی کریں تو کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ کے فتوی سے یہی ظاہر ہے کہ آپ نے یہ اجازت صرف عوام ہی کو دی ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ آپ نے صرف عوام کو منع نہیں فرمایا تو بجا ہوگا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں

''درباره عوام فقیر کا طرز عمل یہ ہے کہ ابتداءً خود انہیں منع نہیں کرتا نہ انہیں نماز سے باز رکھنے کی کوشش پسند رکھتا ہے ایک روایت پر صحت انکے لئے بس ہے وہ جسطرح خدا اور رسول کا نام پاک

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

لیں غنیمت ہے مشاہدہ ہے کہ اس سے روکئے تو وہ وقتی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔"

﴿فتاوی رضویہ مکتبہ رضویہ ج۳ ص۷۱۴﴾

مذکورہ بالا عبارت صراحۃً دلالت کرتی ہے کہ آپ نے یہ اجازت عوام کو دی ہے مگر آپ رضی اللہ عنہ کی عبارت سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے خواص کو بھی اس کی اجازت دی ہے۔ ۱۳۰۷ھ میں جب مولوی سید رضی الدین حسین صاحب نے جب آپ کی جناب میں اس بارے میں یہ لکھ کر استفتاء بھیجا کہ "اب بعض معترض ہیں کہ جمعہ دیہات میں نزد امام ابو حنیفہ صاحب کے جائز نہیں ہے پڑھنا بھی نہ چاہئے مخدومنا پڑھا کروں یا ترک کردوں حضور کے نزدیک جو جائز ہے مطلع فرمائیں تا مطابق اسکے کاربند ہوں اور نماز عیدین بھی دیہات میں ہو یا نہ ہو۔" اس کے جواب میں آپ نے ابتداء اصل مذہب بیان فرمایا پھر مزید فرمایا کہ

"ہاں ایک روایت نادرہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے یہ آئی ہے کہ جس آبادی میں اتنے مسلمان مرد عاقل بالغ ایسے تندرست جن پر جمعہ فرض ہو سکے آباد ہو کہ اگر وہ وہاں کی بڑی سے بڑی مسجد میں جمع ہوں تو نہ سما سکیں یہاں تک کہ انہیں جمعہ کیلئے مسجد جامع بنانی پڑے وہ صحت جمعہ کیلئے شہر سمجھی جائے گی امام اکمل الدین بابرتی عنایہ شرح ھدایہ میں فرماتے ہیں و عنہ ای ابی یوسف (انھم اذا اجتمعوا) ای اجتمع من تجب علیہم الجمعۃ لا کل من یسکن فی ذالک الموضع من الصبیان والنساء و العبید قال ابن شجاع) احسن ما قیل فیه اذا کان اھلھا بحیث لو اجتمعوا (فی اکبر مساجدھم لم یسعھم) ذلک حتی یحتاجوا الی بناء مسجدا اٰخر للجمعۃ الخ جس گاؤں میں یہ حالت پائی جائے اس میں اس روایت نوادر کی بناء پر جمعہ وعیدین ہو سکتے ہیں اگرچہ اصلِ مذہب کے خلاف ہے مگر اسے بھی ایک جماعت متاخرین نے اختیار فرمایا اور جہاں یہ بھی نہیں وہاں ہرگز جمعہ خواہ عید مذہب حنفی میں جائز نہیں ہوسکتا بلکہ گناہ ہے۔"

﴿فتاوی رضویہ مکتبہ رضویہ ج۳ ص۷۰۳﴾

اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ سے یہ سوال ایک عالم نے کیا جیسا کہ نام سے ظاہر ہو رہا ہے۔ مزید برآں وہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اپنے مسئلہ میں عرض بھی کر رہے ہیں کہ "مخدومنا پڑھا کروں یا ترک کردوں حضور کے نزدیک جو جائز ہو مطلع فرمائیں" مگر اسکے باوجود سیدنا اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ نے اخیر روایت نادرہ بیان فرمائی اس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے خواص کو بھی اجازت مرحمت فرمائی۔ اقول یہ صرف وہم ہے کہ آپ نے اسکی اجازت خواص کو بھی مرحمت فرمائی کیونکہ اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ کے بعد کے فتاوی اس بات کی تردید کرتے ہیں

مثلاً جب ۱۳۲۳ میں اسی قسم کا سوال محمد نیاز حسین صاحب نے کیا تو آپ نے اس فتوی کے آخر میں فرمایا

"یہ عوام کالانعام کیلئے ہے البتہ وہ علام کہلانے والے کہ مذہب امام بلکہ مذہب جملہ ائمہ حنفیہ کو پس پشت ڈالتے تصحیحات جماھیر ترجیح وفتوی کو پیٹھ دیتے اور ایک روایت نادرہ مرجوعہ عنہا غیر صحیح کی بناء پر ان جہال کورہ میں جمعہ قائم کرنے کا فتوی دیتے ہیں یہ ضرور مخالفت مذہب کے مرتکب اور ان جہلاء کے گناہ کے ذمہ دار ہیں۔

﴿فتاوی رضویہ ج ۳ ص ۷۱۴﴾

مذکورہ عبارت وہم سابق کی قاطع ہے ہاں اس عبارت سے یہ نتیجہ اخذ کرنا درست ہوگا کہ اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ نے عوام وخواص کو روایت نادرہ پر عمل کرنے سے نہیں روکا۔ چنانچہ اگر خواص بھی دیہات میں جمعہ قائم کریں تو انہیں روکنا نہ چاہئے اور اگر روایتِ نادرہ کو سوال نمبر ۳ میں مذکورہ وجوہ کی بناء پر اختیار کرلیا جائے تو پھر اس کے جواز کا فتوی دینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہوگا مگر ظہر کی نماز باجماعت پھر بھی عوام وخواص دونوں ہی کے لئے منع ہوگی کہ اس سے وہی قباحتیں لازم آتی ہیں جو اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ نے اپنے فتاوی میں بیان فرمائیں ہاں انفرادی طور پر ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں مگر اس کی تلقین صرف خواص کو کی جائے۔

هذا ما ظهر لی والعلم بالحق عندَ الله ورسوله

عزوجل و صلى الله تعالىٰ عليه وسلم

کتبہ: محمد ابوبکر صدیق قادری

۱۸ رمضان المبارک

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

life. was to grant them the honorable position of companionship (Sahabiat). Allah Almighty knows the most.

Allah subhanahu wa taala knows. the most

Written by: **Dr. Muhammad Abubaker Siddiq Attari**

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

"O believers! The associates (Kafir) are altogether unclean.

(Sura Al tuba, Verse 28)

According to some other narrations that the parents of the Holy Prophet (Allah's Grace & peace be upon Him) were brought to life after the death and accepted Islam. Imam Tabrani has narrated from mother of the believers, Hazrat Ayisha (Radi Allah Anhuma) that

"At the occasion of Hijja tul wada, the Holy Prophet (Allah's Grace & Peace be upon Him) went to the grave yard named Hajoon and his feelings were that he was very worried and sad, he (Allah's Grace & Peace be upon Him) stayed there according to the will of Allah Taala. After this he (Allah's Grace & Peace be upon Him) came back to us in the state of happiness. I said O Messenger of Allah Almighty (Allah's Grace & Peace be upon Him) first you were sad but on your return you are looking very happy. The Holy Prophet (Allah's Grace & Peace be upon Him) said I requested Allah Almighty regarding my mother, then Allah Almighty brought her to life for me. She brought faith in me after this she was returned to barzakh (stage between death and resurrection).

If someone criticizes this matter of the Prophet's parents being made believers after being brought to life when they already died as Muslims. We will reply that undoubtedly they were Muslims, but the purpose of bringing them back to

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

Holy Prophet (Allah's Grace & Peace be upon Him). It is a saying of the Holy Prophet (Allah's Grace & Peace be upon Him)

> *"When Allah Taala created his creations He put me in the best group of them. Then made tribes and granted me the best tribe. When he made households he granted me the greatest household of them. I am, in terms of my family and myself, the greatest of all".*
>
> (Tirmizi, Vol. 2, Page 23)
>
> This hadith proves that the ancestors of the Holy Prophet (Allah's Grace & Peace be upon Him) were believers because the Holy Prophet (Allah's Grace & Peace be upon Him) declared them the best. And the Quran tells that a kafir (idolater)can not be better than a Muslim even a Muslim slave is better then a Kafir. As Allah Almighty says in the Holy Quran, *"A Muslim bond man is better than an idolater".*
>
> *(Sura Al Baqra, Verse 221)*

Therefore this proves that the parents of the Holy Prophet (Allah's Grace & peace be upon Him) were believers otherwise they would not be declared the best household. The Holy Prophet (Allah's Grace & Peace be upon Him) also said that Allah Almighty transferred me from pure backs to pure wombs. This narration also proves that the prophet's (Allah's Grace & Peace be upon Him) parents were believers: As he has called them pure. And a Kafir (Idolater) is not pure, as the Holy Quran says,

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(Allah's Grace & Peace be upon Him) passed through all of them were believers. It is in tafseer-e- Jumal

> *"O beloved (Allah's Grace & Peace be upon Him) your Lord is watching those wombs and backs of those believing woman and men from Hazrat Adam and Hawa (Alaihis salam) to hazrat Abdullah and Amina (Radi Allahu Anhuma) which you passed through. So all your ancestors whether they are male or female,*
>
> *they are believers. (Tafseer-Al-Jamal, Vol. 3, Page 396)*

It is mentioned in Savi- alal- Jalalain,

> *"Sajideen refers to believers and the verse that Allah Taala watched the backs and wombs of those believers from Hazarat Adam (Alaihis salam) to Abdullah (Radi Allahu Anhu) in which you passed." (Tafseer Savi- alal- Jalalain, Vol. 3, Page 287)*

This verse proves that all the ancestors of the Prophet (Allah's Grace & Peace be upon Him) were believers. Imam Fukhrudeen Razi writes arguing upon the faith (iman) of the Prophet's parents from the same verse,

> *"The verse 219 proves that the ancestors of the Prophets (Allah's Grace & Peace be upon Him) can not be deniers of Allah Taala." (Tafseer-e- Kabeer)*

I will now present a hadith regarding this topic. The Prophet (Allah's Grace & Peace be upon Him) himself told about the greatness and purity of his ancestors via his great sayings so that no person would dare to think of their ancestors of the

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

true there is no harm in it because under these statements they are dwellers of heavens. Many verses of the Holy Quran and several ahadith bear witness that the parents of the Holy Prophet (Allah's Grace & Peace be upon Him) believed in Allah Almighty. I will mention a verse of the Quran regarding this. Allah Taala says,

> *"And rely upon Him, who is the mighty, the merciful. Who sees you when stand. And your movements among those who offer prayer."*
>
> *(Sura Ash- Shuara, Verse 217-219)*

In the commentary of this verse syedana Abdullah Ibne Abbas (Radi Allahu Anhuma) a companion of the Prophet, (Allah's Grace & Peace be upon Him) says,

> "Here the word 'movements' refers to the transferring of the Prophet (Noor of the Prophet) (Allah's Grace & Peace be upon Him) from the back of one prophet to another. Until the Holy Prophet Muhammad (Allah's Grace & Peace be upon Him) appeared in this ummah." (Tafseer- Al Khazin, Vol. 5, Page 107)

Another explanation has been narrated by Abdullah Ibne Abbas (Radi Allah Anhuma) in these words,

> *"Movements refers to transferring from one pure back to another pure back." (Masalikul hunafa, Page 40)*

In this verse the word "Sajideen" (refers to the believers. who offer prayers). In this sacred verse commentators of the Quran have taken the word sajideen as referring to believers. Meaning from Hazrat Adam and Hazrat Hawa (Alaihimus salam) to Hazrat Abdullah and Amina (Radi Allahu Anhuma), the parents of the Prophet (Allah's Grace & Peace be upon Him), every back and womb that the Holy Prophet

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

-----Original Message-----
From:
Sent: Tuesday, April 12, 2000 11:48 PM
To: imam@dawateislami.net
Subject: Ask The Imam

City: Nashville
State: TN
zip: 37203
Country: America

Question

Assalam-o-Alaikum.

I beleive that the parents of Hazrat Muhammed (Peace be upon him) were on the Deen-e-Ibrahimi. If I'm right then how can I prove it to my relative?

Answer with the help of All knowing Allah subhanahu wa taala.

Assalamu alaikum wa rahmatullahi wa barakatuhu

There are four saying about the parents of the Holy Prophet (Allah's Grace & Peace be upon Him) that is given as under:-

i) They died whilst following the religion of Ibraheem (Alaihis Salam)

ii) They died as infidels (God forbid)

iii) They followed nature i.e. unity of Allah Taala.

iv) They died whilst following the religion of nature but the Holy Prophet (Allah's Grace & Peace be upon Him) brought them to life as a miracle and granted them the wealth of Iman. So that they obtain the status of companions.

From the above mentioned sayings the scholars of Islam have rejected the second saying. The scholars have accepted the other three sayings. Whichever one of them is taken to be

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بسم الله الرحمن الرحيم
الصلوٰة والسلام علیک یارسول اللہ عزوجل

Faith Of The Sacred Parents *Radi Allahu Anhuma*

A brief discussion about the faith of the parents of the Holy Prophet sallallahu alaihi waslam

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

The whole discussion clearly proves that the Prophet of Allah Almighty (Allah's Grace & Peace be upon Him) is spiritually present everywhere in the universe through his knowledge and listens to whatever is said him. This is why we have been taught to say "Salam", in the prayers, by addressing word 'O' Prophet the peace of Allah be upon you. May Allah keep us on the right belief of Ahle Aunnat wa Jamaat. Aameen

Allah subhanahu wa taala knows, the most

Written by: Dr. Muhammad Abubaker siddiq Attari

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

bad deeds." This narration has been narrated by bazzar and all of its narrators are the men of Bukhari.

(Majma uzzaqaid, Vol.9, Page 27)

From Hazrat Thouban (Allah well pleased with Him) The Prophet of Allah (Allah's Grace & Peace be upon Him) says:

"Undoubtedly, Allah Almighty rolled up the earth for me so I observed the east and west (all of the four sides) on the earth.

(Muslim Shareef, Vol. 2, Page 290)

The Prophet of Allah says:

"Undoubtedly, Allah Almighty has brought before me the whole world so I am watching it and that is happening till the day of resurrection as I am seeing my palm."

(Kanzul Ummal, Vol. 11,Page 420)

Allah Almighty says in a hadith-e-Qudsi:

"Whenever I make someone my beloved so I become his power of listening by which he listens to and his sight by which he sees."

(Bukhari Sharif, Vol. 2, Page 963)

Imam Fakhruddin Razi (Rahmatullah Alaih) explains this narration in these words:

"When the light of Allah Almighty becomes his listening power he hears from near and from distant places and when the light of Allah Almighty becomes his sight so he sees from near and distant places."

(Tafseer-e- Kabir, Vol.21, Page 91)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

you and he is seeing your actions and will purify your deeds.

(Mirqat-Shrh-e-Mishkat, Vol 10, page 264)

Shaikh Abu Al Qasim Muhammad bin Ahmad Al Jazri in 741 of Hijra writes:

"It means that the prophet of Allah would bear witness about your actions."

The well known companions of the Holy Prophet (Allah's Grace & Peace be upon Him) Hazrat Abu Saeed Khudri (May Allah well Pleased with Him) says:

"The Prophet will bear witness of what you have done."

(Tafseer-e- Ibne Jareer, Vol. 1, Page 6)

It comes to know from the above quotation that the companions of the Holy Prophet (Allah's Grace & Peace be upon Him) also believes in his bearing witness of actions so consequently, it confirms that the prophet of Allah Almighty (Allah's Grace & Peace be upon Him) is "Hazir" and "Nazir" according to its particular meaning. There are many other verses in the Holy Quran which proves that the last Prophet of Allah Almighty (Allah's Grace & Peace be upon Him) is hazir and nazir but I do not want to make it too lengthy to read it. This is why I finish it here. Now I present some narrations of the Holy Prophet (Allah's Grace & Peace be upon Him) in this regard. I am writing here it in brief due to the same cause that I have mentioned above. Syedna Abdullah Ibne Masood (May Allah well Pleased with Him) narrates from the Prophet of Allah Almighty (Allah's Grace & Peace be upon Him) .The Prophet of Allah says:

"My life is excellent for you whatever you ask it is answered you and my demise in also excellent for you because your actions are presented before me so I praise when I see your good deeds and ask forgiveness for you when I see your

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

his grade near Allah Almighty through the light of Haq. He knows the reality of his religion and the veil (hindrance) which stops him in getting higher degree of the

spirituality. Therefore the Holy Prophet (Allah's Grace & Peace be upon Him) signifies the vices of the ummah, their vices, virtues, sincerity and hypocrisy of the ummah.

(Tafseer Ruhul Bayan, Vol. 1, Page 248)

Shah Abdul Aziz Muhaddith Dehlvi explains this verse in these words:

"Because the Holy Prophet (Allah's Grace & Peace be upon Him) knows, by the light of prophet hood, the grade of his follower which he has been attained and also knows the reality of his faith and the hindrance which has stopped him in getting progress. So the Apostle of Allah Almighty signifies your vices, grades of your belief, your virtues, your sincerity and hypocrisy

(Tafseer-e- Azizi, Vol. 1, Page 518)

He further says:

Therefore the prophet (Allah's Grace & blessings be upon Him) for his ummah will bear witness according to their state of affairs.

(Tafseer-e- Azizi, Vol.1, Page 521)

Imam Mulla Ali Qari says:

"The Prophet of Allah Almighty (Allah's Grace & Peace be upon Him)is aware of

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(Tafseer-e- Jalalain with Baidavi, Vol.2, Page 248)

You are bearer of the testimony and falsification, salvation and misguidance of those to whom you have been sent.

(Baidavi with Jalalain, Vol. 2, Page 248)

The author of Al Bahrul Muheet says:

"you are witness of the testifying and falsifying of those to whom you have been sent.

(Tafseer Al Baharul Muheet, Vol. 7, Page 238)

Hafiz Ibne Kahteer says:

"You are witness of the oneness of Allah Almighty and that there is no God except Allah. You will bear evidence about the actions and deed of whole mankind on the day of judgment.

(Tafseer Ibne Katheer, Vol. 3, Page 497)

In short all of the commentators of the Holy Quran confirm that the Prophet of Allah Almighty Muhammad (Allah's Grace & Peace be upon Him) is "Hazir" and "Nazir". Let us come to an other verse. Allah Almighty says:

"And this we made you exalted among all nations that you may be witnesses to the people and this messenger your guard and witness. " (Al Baqara, Part II, Verse 143)

Allama Ismail Haqqi (Rahmatullah Alaih) says in its commentary *"It means that the apostle of Allah Almighty (Allah's Grace & Peace be upon Him) knows each religious person, who acts upon the commandments of religion, and*

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

Allama syed Mahmood Aloosi, the commentator of the Holy Quran Abu Saood and the writer of afseer-e- Jumal say:

> "Bearer means that you would be witness of those whom you have been sent towards. You see their conditions and observes their
>
> actions and heads. And you are being a witness upon what is being done by them regarding testifying Islam and its rejection.
>
> You observe the people, either they are on the path of guidance or misguidance. You would bear this all on the Day of Judgment. And this evidence would be accepted for the Ummah and against the Ummah."
>
> Tafseer Rohul Ma'ani, Vol. 22, Page 45
> Tafseer Abu Saeed, Vol. 7, Page 107
> Tafseer Jumal, Vol. 3, Page 442).

Allama Aloosi further says:

> *"Some highlighted saints indicated that Allah Almighty has, already awarned his Holy Prophet(Allah's Grace & Peace be upon Him) about actions and deeds of the Ummah and he knows them this is why he has been named as bearer.*

Allama Jalaal-ud-Deen Roomi said that

> *"The Places and grades of the people were in his sight so Allah Almighty called him the bearer (Shahid).*
>
> *(Tafseer Roh hul Mani, Vol. 22, Page 45)*

The author of Jalalain says:

> *You are witness of those to whom you have been sent.*

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

in the meaning of "ILM"(to know) so the words "Ya Hazir" and "Ya Nazir" stand for the one who knows and one who observes."

(Fatawa Shami, Vol.3, Page 337 (Published by Maktaba-e- Majidiya)

You can see a similar statement about the meaning of Hazir and Nazir in the famous book "Hidayah" in volume 3, on page 13 published by H.M saeed.

Now I am writing the proof of the spiritual presence of the Holy Prophet (Allah's Grace & Peace be upon Him), everywhere through Quran and trustful commentary books.

Allah Almighty says in the Holy Quran:

"O Prophet! The communicator of unseen news, no doubt, We have sent you as a present beholder and bearer of glad tiding and Warner"

(Sura Al-Ahzab, Part 22, Verse 45)

This Holy verse shows that the Holy Prophet (Allah's Grace & Peace be upon Him) would be a bearer. The commentators of the Holy Quran says in the light of this and others verses as well as many other narrations, that he would bear the witness of the vices and witnesses on the day of judgment. It is clear that no one can bear about us except who knows us and our deeds.

Now I quote various famous and trustful commentators. Hazrat Shaikh Abdul Haq Muhaddith Dehlvi (Rahmatullah Alaih) says:

"Bearer means that the Prophet of Allah Almighty (Allah's Grace & Peace be upon Him) knows and observes the state of the affairs of his ummah, their success and destruction and their testimony and rejection of Islam."

(Madarij-e- Nabuwat, Vol 1,page 260)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

-----Original Message-----
From:
Sent: Wednesday, June 20, 2001 2:59 AM
To: imam@dawateislami.net
Subject: Ask The Imam

Name: Dr. A H Saifi
City: Aligarh
State: UP
zip: 202001
Country: India

Question

Assalamu alaikum wa rahmtullahi

Dear Mufti Sahib please tell me what does "haazir naazir" mean with regards to sending durood.

Answer with the help of All knowing Allah subhanahu wa taala.

Wa alaikumus Salam

We ahle sunnat wa Jamat, do not claim that the Holy Prophet of Allah Almighty is present every where with his material body. But we say that the sun of prophet hood Muhammad (Allah's Grace & Peace be upon Him) is present in Madina sharif with his holy material body as well as He (Allah's Grace & Peace be upon Him) with his spiritual power, knowledge and light, is present every where as the sun is found in the sky with its material body, but presents on the earth, everywhere, due to his light. In spite of it we use the word Hazir and Nazir for his (Allah's Grace & Peace be upon Him) spiritual presence by his knowledge and light. As "Hazir and Nazir" is a specific terminology of Fiqah so the scholars generally use word "Hazir" (The one who is present) for an "Alim"(The one who has knowledge).

As Allama Ibne Abdin Shami (Rahmatullah Alaih) says :

> *"And to say "Ya Hazir, Ya Nazir" is not kufur (atheistism) because "Al-Hazoor"(to be present) is commonly uses*

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ عزوجل

Hazir-O-Nazir

The proof of the belief "Hazir-O-Nazir in the light of the Quran and Hadith

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بسم الله الرحمن الرحيم

الصلوة والسلام عليك يارسول الله عزوجل

Proof Of Milad-un-Nabi

sallallahu alaihi waslam

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

-----Original Message-----
From:
Sent: Wednesday, September 13, 1999 12:16 AM
To: imam@dawateislami.net
Subject: Ask The Imam

Name: Zia-ul Hassan
zip: 23546
Country: UK

Question

Please give me the evidence about Eid-e-Milad-un-Nabi in the light of Quran & Ahadith.

Answer with the help of All knowing Allah subhanahu wa taala.

Assalamu alaikum wa rahmatullahi wa barakatuhu

Before writing the arguments of Eid Milad-un-Nabi (Allah's Grace & Peace be upon Him), I want to clear the meaning of Milad according to literature and shariah.

The word Milad has been derived from "viladat" which means birth. Therefore, according to Arabic language, milad is word, which signifies the place and time of birth. In the light of shariah, we mean, Milad is to remember the events which took place at the birth time of the Holy Prophet (Allah's Grace & Peace be upon Him) and we get the opportunity of narrating the seerah (life sketch) of the Prophet (Allah's Grace & Peace be upon Him) on this occasion, we also present the Holy Prophet (Allah's Grace & Peace be upon Him) gifts of durood -o- salam. We mention before the people attributes and praises of the Prophet (Allah's Grace & Peace be upon Him). We do not believe that Milad is specified with same night but, we believe that the remembrance of the Holy Prophet (Allah's Grace & Peace be upon Him), is incumbent, in each minute and second of time and every Muslim should act his sunnahs (traditions) in the whole lifetime. Milad un Nabi (Allah's Grace & Peace be upon Him) is a great source of preaching. It is incumbent for scholars to teach Muslim nation on this Holy

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

occasion, moral behavior of the Holy Prophet, (Allah's Grace & Peace be upon Him) his etiquettes, His affairs, His serat, His dealings and His worships.

Now I write the proofs of Milad from the Holy Quran, the hadith of the Prophet (Allah's Grace & Peace be upon Him) and consensus of Ulmas.

Evidence of the Holy Quran

The Quranic verses prove that to celebrate Milad is not only a proper deed but it is also a praiseworthy action.

1) Allah Almighty says in the Quran:-

> *"The peace is on Him the day when he was born and the day when he will die and the day when he will be raised alive."*
>
> *(Kanzul Iman the translation of Holy Quran, Sura Al-Maryam, Verse 15)*

In the above verse Allah Almighty has mentioned the complete Milad of Hazrat Yahya (Alaihis Salam). And before this verse, Allah Almighty has mentioned the events, which took place before the birth. It is the same way of celebrating birthday as ahle sunnat adopt for the Milad of the last Prophet (Allah's Grace & Peace be upon Him) of Allah Almighty. In other words the Prophet of Allah Almighty Hazrat Isa (Alahis Salam) celebrated his own milad.

2) As Allah Almighty says:

> *"And the same peace on me the day I was born and the day I will die and the day I would raised alive."*
>
> *(Kanzul Iman the translation of Holy Quran, Sura Al Maryum, Verse 33)*

Before this verse Allah Almighty has stated the whole story of Maryam (Allah may pleased with him) that how she got pregnant and gave birth her great son, the Prophet of Allah Isa (Jesus) (Alaihis Salam). Allah Almighty also mentioned the words of Isa (Alaihis Salam) by which Isa (Alaihis Salam) praised

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

himself. This style of narrating story is nothing but celebration of Milad of Isa Alaihis Salam. Ahle Sunnat also narrates the story of Holy Prophet Muhammad (Allah's Grace & Peace be upon Him) in the same style. We too narrate the events, which took place before the birth and after it as Allah Almighty narrated about Yahya and Isa (Alaihimus Salam). Therefore, a person who has eyes of justice, will obviously accept that to celebrate Milad is an important deed which Allah Almighty has done. So it proves that the bases of Milad is found in the Holy Quran.

3) Allah Almighty says:

"And remind them of the days of the Allah."

(Kanzul Iman the translation of Holy Quran, Sura Ibrahim, Verse5)

In this verse Allah Almighty orders his prophet Musa Alahis Salam to remind his nation the days of Allah Almighty. "The days of Allah" are those days in which great events took place or Allah Almighty bestowed his great rewards to his creature. As the Holy Quran testifies this explanation of the days of Allah Almighty. In the Holy Quran Musa Alaihis Salam says:

"And when Musa said it his people remember Allah's favour upon you, when he delivered you from Firawn's people who used to afflict you worsly, and slaughter your sons and let your daughters live and in it there was shown great mercy of your lord."

(Kanzul Iman the translation of Holy Quran, Sura Ibrahim , Verse 6)

According to the Quranic verse emancipation of the nation of Musa Alaihis Salam from Firawn is a day of Allah, so the birth day of the Holy Prophet Muhammad (Allah's Grace & Peace be upon Him) is, without any doubt, also a day of Allah, because the Prophet Muhammad (Allah's Grace & Peace be upon Him) emancipated whole world from the darkness of ignorance and brought them to the light of guidance. Therefore, the birthday (Milad) of the Holy Prophet (Allah's Grace & Peace be upon Him) more deserve able

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

to be celebrated than the celebration of any other event. In case we would not be grateful to Allah Almighty for his favour that is "Muhammad" (Allah's Grace & Peace be upon Him). He will punish us severely. As Allah Almighty says:

> *"And remember when your lord proclaimed, if you will be great full then I shall give you more and if you are thankless then my treatment is severe."*
>
> *(Kanzul Iman the translation of Holy Quran, Sura Ibrahim , Verse 7)*

4) Allah Almighty says :

> *"Then remember the bounties of Allah and wander not in the earth spreading mischief." (Kanzul Iman the translation of Holy Quran, Sura Araf, Verse 74)*

In the above verse Allah Almighty orders us to remember his bounties and rewards. The last Prophet of Allah Almighty Muhammad (Allah's Grace & Peace be upon Him) is, undoubtedly, great blessing of Allah Almighty for whole mankind. Allah Almighty himself considers the Prophet (Allah's Grace and Peace be upon him) his great favour for mankind as He says

> *"Undoubtedly, Allah did a great favour to the Muslims that in them from among themselves sent a messenger who recites unto them His signs and purifies them and teaches them the book and wisdom and necessarily before that they were certainly in apparent error.*
>
> *(Kanzul Iman the translation of Holy Quran, Sura Ale Imran , Verse 164)*

Therefore, according to the Quranic command- ments we must remember the beloved Prophet of Allah Muhammad (Allah's Grace & Peace be upon Him) and Milad-un-Nabi is a best way of remembrance of the greatest Prophet (Allahs Grace and Peace be upon him).In another words Allah Almighty says:

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

"And publicize well the favour of your lord"

(Kanzul Iman the translation of Holy Quran, Sura Al Duha , Verse 11)

The companion of the Holy Prophet (Allahs Grace and Peace be upon him) Hazrat Abdullah Ibne Abbas (Allah is well pleased with Him) explained the word favours. He says here,

"in this verse the word "favour" signifies the prophet hood and Islam."

(Tafseer Ibne Abbas, Sura Al Duha, Page 651).

So in the light of the given explanation by the cousin of the Holy Prophet (Allah's Grace and Peace be upon him), we can say that Allah Almighty orders us to remember Holy Prophet (Allah's Grace and Peace be upon him) in our gatherings between the people, in our mosque between the worshiper and in our houses between our families and Milad un Nabi (Allahs Grace and Peace be upon him), as I have written, is a best way for this quranic purpose.

4) Allah Almighty orders us :

"Say you rejoice Allah's grace and his mercy, on it therefore let them rejoice. That is better then all theirs wealth."

In this verse Allah Almighty orders us to enjoy on his grace and mercy. If we see around us we find that each favour of Allah Almighty is great mercy for us. Even our existence is also a mercy of Allah Almighty. But the greatest mercy of Allah is the Holy Prophet (Allah's Grace and Peace be upon him). As Allah Almighty says:

"And we sent not you but mercy for all world."

(Kanzul Iman the translation of Holy Quran, Sura Al Ambia , Verse 107)

So according the Quranic teachings it is necessary for us that we must be happy and pleased on the birthday of the Holy Prophet (Allah's Grace and Peace be upon him). The one who pleases with the Holy Prophet (Allah's Grace and Peace be upon him) is really a

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

true follower of the Quran. And it is obvious that, in whole world Muslims celebrate Milad un Nabi (Allah's Grace and Peace be upon him). Specially for enjoying the mercy of Allah Almighty that is the beloved prophet of Allah Almighty (Allah's Grace and Peace be upon him). Therefore the Holy Quran itself confirms the Milad un Nabi (Allah's Grace and Peace be upon him)

5) The gathering of Milad un Nabi (Allah's Grace and Peace be upon him) incite Muslims on saying durood and Salam. Allah Almighty says:

> *"O you who believe send upon Him blessing and salute Him fully well in abundance. (Kanzul Iman the translation of Holy Quran, Sura Al Ahzab , Verse 56)*

According to the law of shariah, a thing which is desired by shariah, is exactly a like an aim of shariah. And the benefits of durood -o- salam are so much in numbers that can not be counted. Durood -o- salam causes for the help of Allah Almighty in this world and here after. So milad un Nabi (Allah's Grace & Peace be upon Him) is a source of fulfilling the commandments of Allah Almighty

6) Allah Almighty says:

> *"And all that we narrate to you of the tidings of the messengers is for the purpose of strengthening your heart therewith." (Kanzul Iman the translation of Holy Quran, Sura Hood, Verse 121)*

This Quranic verse reveals that the wisdom of mentioning the stories and events of Prophets (Alaihis salam) was for the steadfastness of the prophet's heart (Allah's Grace and Peace be upon him). And it is obvious that we are, also today, in need of being steadfast. We must know that how, the prophet of Allah (Allah's Grace and Peace be upon him) faced the problems of his time so that we may face the problems of our times according to the Sunnah. Therefore Milad un Nabi (Allah's Grace and Peace be upon him) provides us an opportunity to know about the affair of the Prophet (Allah's Grace and Peace be upon him).

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

Evidence of Hadith

There are many narrations, which prove the Milad sharif but I write a few of them.

1.The Prophet of Allah (Allahs Grace and Peace be upon him) himself stated his own birth from very beginning He says:

> *"I had been transferred, continuously, from purified offspring to purified wombs. I had been given birth by a lawful marriage not by adultery. When Allah Almighty sent Adam Alaihis Salam on earth so He put me in his spine and then transferred in Nuh Alaihs salam in his boat, and then in Ibrahim Alaihis salam. Allah Almighty transferred me continuously from noble off springs to the purified wombs up to that He brought me in my parents who never committed adultery."*
>
> *(Tafseer Ruhul biyan, Vol. 3, Page 54)*

As I have written in the beginning that Milad means the time of birth or place of birth. So the Holy Prophet (Allah's Grace and Peace be upon him) himself celebrated his own Milad. In the same way ahle sunnat following the Holy Prophet (Allah's Grace and Peace be upon him) narrate the events of the birth of the Holy Prophet (Allah's Grace and Peace be upon him) This hadith is the clear proof of Milad un Nabi (Allah's Grace and Peace be upon him) and as well as tells us that to celebrate Milad un Nabi (Allah's Grabe and Peace be upon him) is not innovation (bidat) but it is a sunnah (tradition) of Prophet (Allahs Grace and Peace be upon him). There are many other narrations, which narrate that the Prophet of Allah (Allah's Grace and Peace be upon him) celebrated his own Milad several times, some of those narrations have been written in Mmishkat sharif.

The one who rejoices on the birth day of the Holy Prophet would not be severely punished and it is hopped that a Muslim who

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

celebrate the Milad un Nabi (Allah's Grace and Peace be upon him), will not be punished in hell. Imam Bukhari Rahmatullah Alaih narrates that,

> *"Abu Lahab would be punished lightly in the hell on Monday. Because he rejoiced and freed his handmaid indicating by his finger, when the Prophet of Allah Almighty (Allah's Grace and Peace be upon him) took birth. So as a reward of happiness on milad un Nabi (Allah's Grace and Peace be upon him) he would be given water by his finger."*
>
> *(Saheehul Bukhari Vol. 2, Page 764)*

Imam shams ud din Naseer Al Damaishqi narrates this hadith in poetry. Its translation is given below: -

> *"If such kafir was denounced (in the Quran)*
>
> *And perished are his hands, and in the flame is his eternal abode. It is narrated every Monday. His torment is made easy for his joy at the birth of Ahmad. (Allah's Grace and Peace be upon him) What is the expectation then of a servant who spent all his life. Happy with the arrival of Ahmad (Allah's Grace and Peace be upon him) and died on the one ness of Allah Almighty."*
>
> *(Haul-ul-Ahtifal Bil Maullid Al-Nabvi Al Sharif, Page 11)*

2) The Holy Prophet Muhammad (Allah's Grace and Peace be upon him) celebrated his own Milad by keeping fast. Imam Wali-ud-din writes this narration with reference to the Saheeh Muslim. When the Prophet of Allah (Allah's Grace and Peace be upon him) was asked about the fast of Monday.. He (Allah's Grace and Peace be upon him) said,

> *"I took birth and the Quran was revealed upon me in this day."*

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(Mishkat Sharif, Page 179)

This narration proves that to celebrate Milad un Nabi is a tradition of the Holy Prophet (Allah's Grace and Peace be upon him) on every Monday. Secondly it is lawful to fix a particular day for Milad un Nabi (Allah's Grace and Peace be upon him). Thirdly it is an act of sunnah to voluntary worships, especially fasting, in the pleasure of the Milad un Nabi (Allah's Grace and Peace be upon him)

Evidence of general consensus of Muslim ummah and scholars

1) Imam Al-Hafiz Al-Suyuti in his famous book "Al-Hawii Lil-Fatawii" allocated a special chapter on that topic and named it "The Excellence of Objective in Celebrating the Mawlid" where he said:

> *The question under consideration is what the verdict of the Shari'ah on celebrating the Holy Birthday of the Noble Prophet (Allah's Grace & Peace be upon Him) during the month of Rabbi-ul-Awwal. From the point of view of Shari'ah is this a praiseworthy action or a blameworthy one? And do those who arrange such celebration Receive blessings or not? He said:*
>
> *"The reply to this question is that in my view the Meelad Shareef (Celebration of the Birthday of the Noble Prophet Allah's Grace & Peace be upon Him) is in fact such an occasion of happiness on which people assemble and recite the Holy Qu'ran to the extent that is easy. Then they relate the prophecies concerning the appearance of the Noble Prophet (Allah's Grace & Peace be upon Him) that have been transmitted in Ahadith and Author, and the miraculous events and signs that took place on*

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

his birth. Then food is set before them and according to their desire they partake thereof to satisfaction. This festival of celebrating the birthday of the Noble Prophet (Allah's Grace & Peace be upon Him) is a Bid'ah Hasanah (good Innovation) and those arranging it will get blessing, since in such a celebration is found the expression of joy and happiness at the greatness and eminence of the Noble Prophet (Allah's Grace & Peace be upon Him) and his birth".

Even Ibn Tay'miah said in his book "Necessity of the Right Path", p. 266, 5th line from the bottom of that page, published by Dar Al-Hadith, the following:

"As far as what people do during the Meelad, either as a rival celebration to that which the Christian do during the time of Christ's birthday or as an expression of their love and admiration and a sign of praise for the Noble Prophet (Allah's Grace & Peace be upon Him), Allah Almighty will surely reward them for such Ij'tiha". He then said: "Although Meelad was not practiced by (Salaf), they should have done so since there was no objection against it from the Shari'ah point of view".

And we certainly only celebrate Meelad out of love and admiration to the Prophet of all Mankind.

2. Imam Al-Hafiz Al-Qastalani, who gave commentary on Sahih Bukhari, said:

"May Allah Almighty shower his Mercy upon a person who takes the days of the month of Rabbi-ul-Awwal, in which the Noble Prophet (Allah's Grace & Peace be upon Him) was born, as days of feast and celebration for doing so is the best cure for the heart of an ailing person."

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

3. Al-Hafiz Ibn Hajar was asked, same reference of Imam Suyuti, about Meelad Shareef. His reply was:

> *"Meelad Shareef is, in fact, and innovation, which was not transmitted from any pious predecessor in the first three centuries. Nevertheless, both acts of virtue as well as acts of abomination are found in it (i.e. Sometimes acts of virtue are found therein and sometimes acts of abomination). If in the Meelad Shareef only acts of virtue are done and acts of abomination are abstained from, then the Meelad Shareef is a Bid'ah Hasanah (good innovation), otherwise not.*

He then added,

> *"To do any virtuous act and to observe it annually as means of recollection for any special day on which Allah Almighty has bestowed any favour or removed any calamity is a form of showing gratitude to Allah Almighty. Gratitude to Allah Almighty is expressed through different kinds of Ibaadah (worship) -prostration and standing in prayer, charity and recitation of the Holy Qu'ran. And what is a greater favour from Allah Almighty can there be than the appearance of the Prophet of Mercy (Allah's Grace & Peace be upon Him) on this day (i.e. 12th of Rabbi-ul-Awwal)?" Some people do not limit it and celebrate the Meelad Shareef on any day of Rabbi-ul-Awwal. Nay, some people have extended it even more and increased the period to the whole year. According to the latter, the Meelad Shareef can be celebrated on any day of the year. The objective here is the same, i.e. to rejoice at and celebrate the Holy Birth of the*

For more Books click on link

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

Noble Prophet (Allah's Grace & Peace be upon Him).

4. Imam Abu-Bakr Abdullah Al-Demashqi compiled a number of books on the subject and called them "Collection of Traditions on the Birth of the Chosen Prophet", "The Pure Expression on the Birthday of the Best of Creations" and "The Spring for the Thirsty One on the Birth of the Rightly Guided".

5. Imam Al-Hafiz Al-Iraqi wrote a book and called it "The Pure Spring on the Sublime Birth".

6. Imam Ibn Dahyah wrote a book and called it "Enlightenment on the Birthday of the Bearer of Good News, The Warner".

7. Imam Mulla Ali Qari wrote a book and called it "The Quenching Spring on the Birthday of the Prophet".(Allah's Grace & Peace be upon Him)

8. Imam Shams-u-Din bin Nasir Al-Dumashqi, said in his book: "The Spring for the Thirsty One on the Birth of the Rightly Guided" about the story of Abu Lahab that he will receive a light punishment every Monday for expressing joy at the birth of the Noble Prophet (Allah's Grace & Peace be upon him) on that day. The Imam said the verse of poetry which have been in previous lines.

9. Imam Shams Ul-Din Ibn aL-Jazri, the Imam of reciters, wrote a book and named it "The Scent of Notification on the Blessed Birthday".

10. Imam Al-Hafiz Ibn Al-Jawzi, said in the description of Meelad: "Peace and Tranquillity takes over during that year and a good glad tiding to obtain your wish and inspiration".

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

11. Imam Abu-Shamah, The Sheik of Al Hafiz Al Nawawi, said: *"The best of the innovations of our times is what is carried out on the day of corresponding to the birthday of our Beloved Prophet (Allah's Grace & Peace be upon Him), where people give out donations, practice what is right, express their joy and happiness, in doing so is surely a sign of love and admiration for the Prophet (Allah's Grace & Peace be upon him)".*
Allah subhanahu wa taala knows, the most

Written by: **Dr. Muhammad Abubaker Siddiq Attari**

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari